نومبر 2022
شعاع
ماہنامہ شعاع
MONTHLY SHUAA Regd. No. MC - 52 NOVEMBER 2022
قیمت -/120 روپے
digest novels lovers group

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

واٹس اپ
03172266944

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) —— 1,440 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ —— 21000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا — 24000 روپے
سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

نومبر 2022
جلد 36 شمارہ 03
قیمت 120 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا -

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

رضیہ جمیل

شعاع کا نومبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

ایک دور تھا جب ذرائع ابلاغ محدود تھے۔ لوگوں تک حقائق پہنچ ہی نہیں پاتے تھے۔ جو آدھی ادھوری خبریں پہنچتیں، ان سے ہی وہ غلط یا صحیح نتیجہ اخذ کر لیتے۔

آج کے دور کا المیہ یہ ہے۔ ابلاغ کے بے شمار ذرائع آ چکے ہیں، جن تک ہر خاص و عام کی رسائی ہے۔ ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ، موبائل، اخبارات، ایک کلک کی دوری پر معلومات کا ایک خزانہ آپ کی دسترس میں ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر میڈیا ایک طوفان کھڑا کر دیتا ہے۔ ہر شخص کو اظہار رائے کی آزادی حاصل ہے۔ جب تک حقیقت سامنے آتی ہے، جھوٹ اپنے قدم جما چکا ہوتا ہے۔ اب آپ لاکھ تردیدیں کریں، کون سنتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سچ آج بھی عام لوگوں کی پہنچ سے دور ہے۔ ان تک حقائق پہنچ ہی نہیں پاتے۔ میڈیا نے ایک سیلاب کی شکل کر لی ہے جس نے لوگوں سے سوچ و فکر کی صلاحیت ہی چھین لی ہے۔ سوچ اور فکر سے عاری ذہن جھوٹ اور سچ کے درمیان تفریق کرنے سے عاری ہے۔

اپنی رائے رکھنا اور اس کا اظہار کرنا سوچ اور فکر کی آزادی جمہوری معاشروں میں بنیادی حقوق میں شامل ہے۔ انسان کی سوچ کو زنجیریں نہیں ڈالی جا سکتیں لیکن سچائی اور حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ بے سوچے سمجھے کوئی رائے قائم کر لینا اور پھر اس پر اڑ جانا نا سمجھی ہے۔ اپنے موقف کے حق میں آپ کے پاس دلیل ضرور ہونا چاہیے۔ وہ فیصلے جو قوم اور ملک کی تقدیر پر اثر انداز ہوں، وہ صرف ذاتی پسند ناپسند کی بنیاد پر نہیں ہونے چاہئیں۔ اپنی بات کہیں، لیکن دوسروں کا موقف بھی ٹھنڈے دل سے سنیں۔ اشتعال، بدکلامی اور بدزبانی ہماری تہذیب کا حصہ نہیں، کسی بھی بات کو جانے اور پرکھے بغیر آگے بڑھانے سے گریز کریں۔

اس شمارے میں،

- ہم اور بلبلیں۔ فرزانہ کھرل کے ناول کی دوسری اور آخری قسط،
- عسر یسرا۔ حسنہ حسین کا مکمل ناول،
- سارا منظر بدل جائے گا۔ صدف عمر کا مکمل ناول،
- شمائلہ ذالعباد کا ناولٹ۔ سسرال گیندا پھول،
- قرۃ العین سکندر، ماہرہ ریحان، حمیرا قریشی، جویریہ مریم، زارا ہنجرا اور زرتا سکندر کے افسانے،
- امت العزیز شہزاد کا ناول۔ والعصر،
- ٹی وی فنکارہ صائمہ قریشی سے ملاقات،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

Scanned with CamScanner

حمد باری تعالیٰ

بے مثل و بے بدل ہے ایک ایک کام تیرا
یکتا ہے ذات تیری، واحد ہے نام تیرا

فرشِ زمیں پہ تُو ہے عرشِ علیٰ پہ تُو ہے
یہ بھی مقام تیرا وہ بھی مقام تیرا

خورشید و ماہ انجم کیسے رواں دواں ہیں
فہمِ بشر سے بالا ہے انصرام تیرا

گلشن میں چہچہوں میں حمد و ثنا ہے تیری
گاتے ہیں گن پرندے ہر صبح شام تیرا

انسان خود غرض ہے طامع ہے کم نظر ہے
پڑتی ہے جب مصیبت لیتا ہے نام تیرا

کلفت میں بھی ملا ہے اس کو سکونِ قلبی
الطاف ہو گیا ہے دل سے غلام تیرا

الطاف سکھتروی

نعت رسول مقبول

زندگی کا سفر ہو گیا معتبر
آپ کے عشق کا سلسلہ معتبر

کیوں نہ ہو معتبر منزلِ راہِ حق
مل گیا ہم کو اک رہنما معتبر

آپ کے شہر میں جو پھرے دربدر شب
بادشاہوں سے ہے وہ گدا معتبر

جو مدینے کے اوپر برس آئی ہے
ہو گئی ہے وہ تازہ گھٹا معتبر

آپ کے شہر میں رُت بہاروں کی ہے
آپ کے شہر کا راستہ معتبر

خورشید اقبال حیدر

ادارہ

حکمران کی اطاعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"جس نے (حکمران کے جائز کاموں میں) اطاعت سے ہاتھ اٹھا لیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوگی۔ اور جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے۔ "جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ وہ جماعت کو چھوڑے ہوئے تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

فوائد و مسائل:

1۔ اس حدیث میں بھی مسلمان حکمران کی اطاعت کو لازم اور اس کی بیعت و اطاعت سے گریز و انحراف کو کفر و ضلال سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اسے جاہلیت کی موت اس لیے فرمایا کہ اسلام سے قبل ایک امیر کی اطاعت کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اس میں وہ اپنی عار اور ذلت محسوس کرتے تھے۔ اسلام نے اس طوائف الملوکی کا خاتمہ کر کے انہیں نظم و ضبط کا پابند بنایا اور اطاعت امیر کی تاکید کی۔

تاہم اس میں جس امیر کی بیعت اور اطاعت کو ضروری اور اس سے خروج و بغاوت کو جاہلیت قرار دیا گیا ہے، اس سے صاحب امر و اختیار امیر، یعنی حکمران اور بادشاہ وقت مراد ہے۔

مسلمانوں کی محدود جماعتوں کے بے اختیار امیر مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی اطاعت سے ملکی استحکام وابستہ ہے نہ ان کی عدم اطاعت سے نظم مملکت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی بیعت و اطاعت سے انکار یا انحراف اتنا بڑا جرم نہیں کہ اسے کفر و ضلال قرار دیا جا سکے، جب کہ حدیث میں اسے کفر و ضلال ہی کہا گیا ہے جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امیر سے مراد مسلمانوں کا با اختیار حاکم ہے نہ کہ تنظیمی معاملات کے امیر، اور جماعت سے مراد

مسلمانوں کی جماعت ہے نہ کہ مسلمانوں کا کوئی ایک گروہ یا دھڑا۔

2۔ اپنے اپنے گروہ کے امیر یا صدر کی اطاعت بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی گروہ میں نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا، گو اس نظم جماعت سے خروج کفر نہیں، جیسا کہ جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے خروج کفر ہے۔ نیز بعض لوگ کسی نہ کسی پیرو مرشد کی بیعت کرنا ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں۔

ضروری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تجھ پر سننا اور ماننا ضروری ہے، اپنی تنگی کی حالت میں بھی اور خوش حالی میں بھی، اپنی خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور حکمرانوں کے تجھ پر دوسروں کو ترجیح دینے کی صورت میں بھی۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ حکمرانوں کی اطاعت چونکہ ملت کے مجموعی مفاد کے لیے ضروری ہے، اس لیے تاکید کی گئی کہ تم اپنے ذاتی مفادات اور حالات و جذبات مت دیکھو بلکہ ان سے بالا ہو کر سوسائٹی کے مفادات کے پیش نظر ہر صورت میں حکمرانوں کی اطاعت کرو۔ سوائے نافرمانی کے کاموں کے کہ ان میں اطاعت کرنا جائز نہیں۔

2۔ اس حدیث میں معاشرتی استحکام کا خیال رکھنے کی ترغیب دلائی گئی ہے اور خود غرضی، جو امن و امان اور استحکام کو ختم کر دیتی ہے، سے باز رہنے کا حکم ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، پس ہم نے ایک منزل پر قیام کیا۔

ہم میں سے بعض اپنے خیمے درست کر رہے تھے، بعض تیر اندازی وغیرہ میں مقابلہ کر رہے تھے اور بعض اپنے مویشیوں میں لگے ہوئے تھے کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے آواز لگائی کہ نماز تیار ہے۔

ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھ سے پہلے جو نبی بھی ہوا، اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی امت کی رہنمائی ایسے کاموں کی طرف کرے جنہیں وہ ان کے لیے بہتر جانتا اور انہیں ان کاموں سے ڈرائے جنہیں وہ ان کے لیے برا جانتا ہو۔ اور تمہاری یہ امت جو ہے اس کی عافیت اس کے ابتدائی حصے میں رکھ دی گئی ہے اور اس کے آخری حصے میں آزمائش اور ایسے معاملات پیش آئیں یا جنہیں تم برا سمجھو گے اور ایسے فتنے ظہور پذیر ہوں گے کہ ایک، دوسرے کو ہلکا کر دے گا (یعنی ایک سے بڑھ کر ایک فتنہ رونما ہوگا اور بعد میں آنے والے فتنے کے مقابلے میں پہلا فتنہ بالکل ہلکا لگے گا۔) ایک فتنہ سامنے آئے گا تو مومن کہے گا، یہی میری ہلاکت کا باعث ہوگا۔ پھر وہ دور ہو جائے گا اور کوئی اور فتنہ ظہور پذیر ہوگا تو مومن کہے گا یہی وہ فتنہ ہے جو سب سے بڑا ہے۔

پس جس شخص کو یہ پسند ہو کہ وہ جہنم کی آگ سے دور ہو اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اسے موت اس حالت میں آنی چاہیے کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اپنے ساتھ کیے جانے کو پسند کرے۔ اور جو شخص کسی امام کی بیعت کرے اور اسے اپنا ہاتھ اور اپنے دل کا پھل دے دے (یعنی دل میں اس کی بیعت کے پورا کرنے کا عزم رکھے) تو اسے چاہیے کہ مقدور بھر اس کی اطاعت کرے، پھر اگر دوسرا کوئی اسے اپنا تابع بنانے کے لیے اس سے جھگڑا کرے تو دوسرے کی گردن مار دو (اسے قتل کر دو)۔" (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس میں ابتدائی حصے سے مراد صحابہ و تابعین و تبع تابعین کا عہد ہے جسے دوسری حدیث میں خیر القرون سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ عہد، مابعد کے تمام

عہدوں سے زیادہ خیر و عافیت اور برکت و سعادت کا عہد ہے۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے فتنوں کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی ہے جو ایک دوسرے سے بڑھ کر ہوں گے۔ اس پیش گوئی کی صداقت آج ہر شخص پر روز روشن کی طرح واضح ہے۔

2۔ فتنوں کے ظہور کی خبر سے مقصد، امت کو متنبہ کرنا ہے تا کہ وہ ان سے اپنا دامن بچا کر رکھے، اسی لیے اس سے بچنے کا طریقہ بھی بتلا دیا اور وہ ہے ایمان باللہ اور ایمان کے عقیدے پر مضبوطی سے قائم رہنا اور لوگوں کے ساتھ حسن معاملہ اور حسن اخلاق کا اہتمام کرنا۔

3۔ اس میں اقتدار پسندوں کی کثرت کی بھی پیش گوئی کی گئی ہے اور اس کا حل یہ بتلایا ہے کہ پہلے حاکم کی اطاعت کرو اور اس کے ساتھ مل کر دوسرے مدعی خلافت کی گردن اڑا دو کیونکہ اس طرح ہی ملت اسلامیہ کی وحدت قائم رہ سکتی ہے اور وہ انتشار و تفریق سے بھی محفوظ رہ سکتی ہے۔

برے حاکم

حضرت ابوہنیدہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلمہ بن یزید جعفی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔

''اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس کی بابت ارشاد فرمایئے کہ اگر ہم پر ایسے (برے) حاکم مسلط ہو جائیں کہ وہ ہم سے تو اپنا حق مانگیں لیکن ہمیں ہمارا حق نہ دیں تو ہمارے لیے آپ کا کیا حکم ہے۔''

آپ نے اس سے اعراض فرمالیا۔

انہوں نے پھر آپ سے یہی سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''تم ان کی بات سنو اور مانو، ان کے ذمے وہ بوجھ ہے جو انہیں اٹھوایا گیا (یعنی عدل و انصاف) اور تمہارے ذمے وہ بوجھ ہے جو تمہیں اٹھوایا گیا (یعنی اطاعت)۔'' (مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ مطلب یہ ہے کہ حاکم اور رعایا دونوں کی اپنی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ جو بھی اس میں کوتاہی کرے گا، اس کا بوجھ اس پر ہوگا اور اس کا خمیازہ اسے قیامت کے روز بھگتنا ہوگا۔ لیکن اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ اگر حاکم اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کوتاہی کریں تو رعایا بھی سمع و طاعت سے انکار کر دے۔ اس لیے کہ کوتاہی کا علاج کوتاہی سے ممکن نہیں۔ اس طرح مزید فساد ہوگا۔

2۔ بنا بریں ملک کے مفاد عامہ کے لیے حکمرانوں کے ظلم کو برداشت کرنا، ان کے خلاف خروج و بغاوت کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔ تاہم قانون جس حد تک تنقید کرنے اور اصلاح کی آواز بلند کرنے کی اجازت دے، اس حد تک ظلم کے خلاف آواز بلند کرنا اور اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا، خروج و بغاوت سے مختلف چیز ہے اور اس کا اہتمام کرنا اپنی اپنی طاقت کے مطابق ضروری ہے۔

خود غرض حکمرانی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''میرے بعد خود غرض حکمرانی ہو گی (یعنی سارے مفادات خود ہی سمیٹ لینے کی ہوس۔ یا دوسرے معنی میں اپنوں کو ترجیح دینا) اور دیگر امور جنہیں تم برا سمجھو گے۔''

صحابہ کرام نے عرض کیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اس شخص کی بابت کیا حکم فرماتے ہیں جو ہم میں سے یہ زمانہ پالے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم اپنا وہ حق ادا کرنا جو تمہارے ذمے ہے اور جو تمہارے حقوق (حکمرانوں کے ذمے) ہیں، ان کا سوال تم اللہ سے کرنا۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ:

اس میں جہاں ایک طرف عوام کو حکمرانوں کے ظلم و ستم، ان کی اقربا نوازی یا خود ہی تمام قومی وسائل کو اپنے لیے مختص کر لینے کو صبر کے ساتھ برداشت کر

لینے کی تلقین ہے، وہاں دوسری طرف بالواسطہ حکمرانوں کو بھی تنبیہہ ہے کہ وہ مذکورہ طور طریقے اختیار کرنے سے بچیں ورنہ وہ عنداللہ مجرم ہوں گے۔

حاکم کی اطاعت فرض ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ اور جس نے حاکم کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ:

امیر یا حاکم سے مراد اپنے وقت کا مسلم حکمران، کسی صوبے کا گورنر و وزیر اعلیٰ اور کسی علاقے کا افسر مجاز ہے۔ ان کی اطاعت، جب تک اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو، ضروری ہے اور ان کی نافرمانی سخت گناہ۔ کیونکہ نظم ملت بہت ہی ضروری ہے اور وہ اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔

صبر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو اپنے حاکم کا کوئی کام ناپسندیدہ دیکھے تو اسے چاہیے کہ صبر کرے، اس لیے کہ وہ بالشت برابر بھی حاکم کی اطاعت سے نکلا تو اس کی موت، جاہلیت کی موت ہوگی۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس میں بھی حکمرانوں کی اطاعت میں سرکشی کرنے سے روکا گیا ہے۔

بادشاہ کی بے توقیری

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"جس نے بادشاہ کی بے توقیری کی، اللہ بھی اسے ذلیل کرے گا۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے: یہ حدیث حسن ہے۔)

فوائد و مسائل:

1۔ بادشاہ کی بے توقیری اور اہانت سے مراد، ان کی حکم عدولی اور عدم اطاعت ہے۔ اس سے حکمرانوں کا وقار اور ان کی تمکنت و جلال متاثر ہوتا ہے جبکہ امن و استحکام کے لیے ضروری ہے کہ حکومت کا رعب و دبدبہ قائم رہے تاکہ جرائم پیشہ اور قانون شکن عناصر کو اپنی مذموم کارروائیوں کی جسارت نہ ہو۔ بہر حال ملکی مفاد اور مصلحت عامہ کی وجہ سے مسلمانوں کو یہی تاکید کی گئی ہے کہ جب تک حکمرانوں سے کفر صریح کا ارتکاب نہ ہو اور جب تک وہ نماز اور دیگر شعائر دین کو قائم رکھیں، اس وقت تک ان کی اطاعت کرو، چاہے وہ عدل و انصاف کے قیام اور عوام کے دیگر حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والے ہی ہوں۔

2۔ اسلام میں حزب اختلاف کا رول بھی مختلف ہے۔ ایسی حزب اختلاف جس کا کام ہی ہر وقت حکومت پر تنقید اور اس کے خلاف لوگوں کو خروج و بغاوت پر آمادہ کرنا ہے تاکہ وہ حکومت ناکام اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہو جائے اور پھر وہ خود اس کی جگہ اقتدار پر فائز ہو جائے۔ اسلام میں حزب اختلاف اور حزب اقتدار کا یہ تصور نہیں ہے۔ سب ایک ہی امت ہیں اور ایک ہی کشتی کے سوار ہیں جن کے مفادات اور مقاصد بھی ایک ہیں اور حکمرانوں کی کوتاہیوں کے باوجود عوام کو ان کے خلاف خروج و بغاوت پر آمادہ کرنا جرم ہے۔

3۔ ان کی کوتاہیوں کو برداشت کرنے کی تاکید میں بھی یہی حکمت ہے تاکہ ایک حکمران کو حکومت کرنے کا زیادہ سے زیادہ وقت ملے کہ اسی میں عوام کا بھی مفاد ہے اور ملک کا استحکام بھی۔

عہدہ و منصب کا سوال کرنے کی ممانعت

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔
"یہ آخرت کا گھر ہم ان ہی لوگوں کے لیے کرتے ہیں جو دنیا میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد کرنا اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لیے ہے۔" (القصص۔83)

فائدہ:
طلب امارت کا مطلب ہے کہ اس کا طالب دنیا میں بڑائی کو پسند کرتا ہے اور بڑائی پسندوں کا رویہ ہی زمین میں فساد کا باعث بھی ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ عہدہ و منصب کی خواہش اور اس کے لیے سعی و کوشش کا انجام بالعموم برا ہی ہوتا ہے۔ حسن انجام اور عافیت اسی میں ہے کہ انسان حکومتی مناصب سے کنارہ کش رہے۔

منصب کا سوال کرنا

حضرت ابو سعید عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"اے عبدالرحمٰن بن سمرہ! تو خود حکومت کے کسی منصب کا سوال نہ کرنا، اس لیے کہ یہ منصب اگر تجھے بغیر سوال کیے مل گیا تو اس پر (اللہ کی طرف سے) تیری مدد ہوگی اور اگر یہ تجھے سوال کرنے سے ملے گا تو یہ تیرے سپرد کر دیا جائے گا (اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہوگی۔) اور جب تو کسی بات پر قسم کھا لے، پھر تو کسی اور میں اس سے زیادہ بہتری دیکھے تو وہ کام اختیار کر جس میں بہتری ہو اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:
1۔ امارت سے مراد خلافت (حکومت) یا اس کا کوئی بھی منصب ہے۔ اس کی آرزو اور اس کے لیے کوشش کرنا ناپسندیدہ ہے، اس لیے کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے جس سے عہدہ برآ ہونا نہایت مشکل امر ہے۔ البتہ جسے بغیر مانگے یہ منصب مل جائے وہ اسے قبول کر لے کیونکہ بن مانگے یہ اسی کو ملے گا جس میں اس کی خاص استعداد و صلاحیت ہو گی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی مدد ہوگی اور اسے خیر کی توفیق ارزانی ہوگی جبکہ خود خواہش کر کے حاصل کرنے والا اللہ کی طرف سے خیر کی توفیق سے محروم رہے گا۔
2۔ کسی کام کی بابت قسم کھالی ہے، جب کہ اس میں کسی دوسرے کام کے مقابلے میں خیر اور نفع زیادہ ہے تو ایسے موقع پر قسم توڑ کے اس کا کفارہ ادا کر دیا جائے اور جس میں بہتری ہے، اس کام کو کر لیا جائے۔
3۔ کفارہ قسم ایک گردن آزاد کرنا، یا دس مساکین کو اوسط درجے کا کھانا کھلانا یا انہیں لباس مہیا کرنا ہے۔ جو ان کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

ندامت کا باعث

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"تم یقیناً حکومت اور امارت کی حرص کرو گے (لیکن یاد رکھو!) یہ قیامت والے دن ندامت (کا باعث) ہوگی۔" (بخاری)

فائدہ:
1۔ اس میں بھی امارت کی عظیم ذمہ داریوں کے حوالے سے ان لوگوں کو ڈرایا گیا ہے جو بغیر اہلیت کے اس کی خواہش کریں گے اور پھر اس میں کوتاہیوں کی وجہ سے عنداللہ مجرم قرار پائیں گے۔ اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ انسان حکومتی ذمہ داریوں سے دور ہی رہے۔ اور اگر اہلیت کی بنیاد پر اسے یہ منصب ملے تو وہ اس کے تقاضے بھی پوری دیانت داری سے ادا کرے تاکہ روز قیامت کی ندامت سے وہ محفوظ رہے۔

☆☆

Scanned with CamScanner

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

الف۔م۔ق بلوچستان

سلسلہ اپنے نام کی طرح بہت منفرد اور زبردست ہے۔ شادی ایک ایسا بندھن ہے جو جڑتے ہی ایک لڑکی کی شناخت بدل دیتا ہے۔ بہت سے نئے رشتے جڑتے ہیں۔ بیوی، بہو، بھابھی، چاچی مامی اور یہ رشتے نبھانے بھی پڑتے ہیں۔ نکاح دو انسانوں کے بیچ ایک خوب صورت لیکن انتہائی نازک رشتہ ہے۔ جسے نبھانے اور خوش اسلوبی سے چلانے کے لیے لڑکی کو ہی صبر و برداشت کے ساتھ بہت سی قربانیاں بھی دینی پڑتی ہیں۔

س۔شادی کب ہوئی؟

ج: شادی 24 فروری 2018 بروز جمعہ کو ہوئی۔

س۔شادی سے پہلے کیا مشاغل اور دلچسپیاں تھیں؟

ج: شادی سے پہلے میں زندہ تھی اور زندہ دل بھی تھی۔ سب سے بڑا مشغلہ ڈائجسٹ پڑھنا بلکہ گھول کر پینا۔ دوستوں کو لمبے لمبے خط لکھنا۔ گفٹ بھیجنا۔ امی ابو کی خدمت، گھر کے کام کاج، بھائیوں کے ساتھ کرکٹ، لوڈو اور بیڈمنٹن کھیلنا۔ بہن کے ساتھ گپیں لگانا۔ بھائیوں کے بچوں کی سالگرہ سیلیبریٹ کرنا۔ ساتھ میں پارٹیاں اور ہلا گلا کرنا غرض جس سے دل خوش ہو ہر وہ کام کیا۔

شادی سے پہلے زندگی اچھی گزری۔ بھائیوں اور بہن کی لاڈلی تھی۔ ماں تو ویسے ہی بہت پیار کرتی ہے اور بھابھیوں سے بھی اچھی دوستی رہی۔ کھانا پکانے کا شوق تھا جو خوب پورا کیا۔ اسکول اور کالج کا وقت تو بہت انجوائے کیا، بی اے ڈگری کالج سے کیا۔ اس کے علاوہ سلائی، کڑھائی اور مصوری کا بہت شوق تھا۔ خوب ساری پینٹنگ کی جو ابھی بھی محفوظ ہے۔

س۔ اس رشتے میں آپ کی مرضی شامل تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟

ج: اگر دیکھا جائے تو بڑوں کی مرضی سے سب کچھ ہوا در پردہ میری بھی پسند شامل تھی۔ کبھی بات وغیرہ نہیں کی پر اچھا لگتا تھا خواہش تھی کہ یہی زندگی میں شامل ہو اور رب نے بن کہے پورا کر دیا۔

س۔ ذہن میں جیون ساتھی کے حوالے سے کوئی تصور تھا نیز وہ کیا خوبیاں تھیں، جو آپ اپنے جیون ساتھی میں دیکھنا چاہتی تھیں؟

ج: ذہن میں جو تصور تھا وہ ایک نیک، نمازی، خوش اخلاق، سلجھی ہوئی عادت کا مالک ہو۔ اپنے رشتوں میں توازن رکھنے والا ہو، مخلص اور کیئرنگ ہو۔ انصاف پسند ہو۔ مجھے سمجھنے والا ہو اور دھیما دھیما بولنے والا ہو، مطلب نرم گفتار اور تھوڑی بہت کمی بیشی کے ساتھ شکر ہے رب کا کہ ایک بہترین ہم سفر ملا۔

س: منگنی کتنا عرصہ رہی؟ شادی سے پہلے فون پر بات ہوئی یا ملاقات؟

ج: منگنی چھ ماہ رہی، میں اس سے پردہ کرتی تھی۔ جس پر وہ ہر بار امی سے لڑائی کر کے جاتا کہ کزن ہے پھر بھی پردہ کرتی ہے۔ مجھے کسی نے بھی پردے کے لیے نہیں کہا۔ میں نے اپنے دل سے پردہ کیا کیونکہ پہلے تو صرف کزن تھا اب تو منگیتر تھا اب اس نگاہ سے دیکھتا مجھے میں نے، اس لیے شادی تک مکمل پردہ کیا۔

س: شادی سے پہلے سسرال کے بارے میں کیا خیالات تھے؟

Scanned with CamScanner

ج: شادی سے پہلے اچھے خیالات تھے۔ اپنے تھے سسرال والے تو سب کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ حقیقت پسند تھی اس لیے یہ پہلے ہی ذہن میں تھا کہ سسرال میکہ ہرگز نہیں ہو سکتا، اس لیے جتنی کم توقعات ہوں گی اتنی ہی آسانی ہوگی ایڈجسٹ کرنے میں اور یہ بھی دل میں سوچ لیا تھا کہ اگر کچھ اوپر نیچے ہو گیا پھر بھی سسرال والوں کے بارے میں، اپنے شوہر اور میکے والوں سے کچھ بھی نہیں، کہوں گی ان کا دل برا نہیں کروں گی۔

میری تو عادت ہے کوئی کچھ بھی کہے جواب نہیں دیتی اور خود ہی رو دھو کر دل صاف کر لیتی ہوں۔ رہنا بھی تو ان ہی کے ساتھ ہے پھر کیوں کسی کا کسی کے رشتوں سے دل برا کروں، الحمدللہ اپنی اس سوچ پر اب بھی قائم ہوں بہت کچھ دیکھا، بہت برداشت کیا لیکن اب تک کسی سے بھی ذکر نہیں کیا۔ ہمیشہ سب کے سامنے اپنے گھر والوں کی تعریف ہی کی۔ آئندہ بھی یہی ارادہ ہے۔

س: شادی سے پہلے آپ کو تعلیم چھوڑنی پڑی یا کوئی اور قربانی دینا پڑی؟

ج: تعلیم تو مکمل تھی، بی اے کیا تھا ایم اے کا شوق تھا پر اجازت نہیں تھی اور باقی ساری قربانیاں شادی کے لیے نہیں بلکہ شادی کے بعد دیں۔ سب سے بڑی قربانی، میری عبادت میں کمی آ گئی۔ وہ جو پہلے مغرب اور عشا کے بعد سورۃ یٰسین اور سورۃ ملک اور سورۃ واقعہ پڑھتی تھی وہ بھی چھوٹ گئی۔ فجر کے بعد تلاوت اور اشراق پھر چاشت اور اوابین سب گھر کے کاموں کی نذر ہو گئی۔ صرف فرض عبادت ہی ہے جو مشکل سے ادا کرتی ہوں۔

گھر کی ساری ذمہ داری میرے اوپر ہے۔ پانچ مرد، ساس اور چھوٹا بچہ سب کے کپڑے دھونا استری کرنا، کھانا پکانا، بڑی سی حویلی کو جھاڑو لگانا باتھ روم صاف کرنا اس کے علاوہ ہر چھوٹا بڑا کام، سب کی الگ الگ فرمائشیں پوری کرنا، ساتھ ساتھ مہمان، جماعتوں کی ساتھ، ستر روٹیاں پکانا سالن اور دیگر لوازمات اور ہر کام کا ایک وقت مقرر تو پھر ایسے میں صرف فرض ہی ادا ہو سکتا ہے۔ وہ بھی بہ مشکل اور اس کے علاوہ نیند کی قربانی دینی پڑی۔ یہاں تو صبح صبح اٹھ جاتی ہوں میری ساس نے چائے کی ذمہ داری بھی شادی کے چوتھے دن ہی لگا دی، پھر رات کو دیر ہو جاتی سونے میں پھر دوپہر میں بھی ٹائم نہیں ملتا تھا اب تو پھر بچے ہی سونے نہیں دیتے۔

س: رسموں کے لین دین پر جھگڑا؟

ج: شکر ہے رب تعالیٰ کا شادی سادگی اور بخیر و خوبی سے نمٹ گئی زیادہ شور شرابا نہیں کیا تھا۔ امی بیمار تھیں سو بس صرف قریبی رشتے داروں کو ہی بلایا تھا۔ چونکہ ایک خاندان تھا تو کچھ ادھر سے شامل تھے اور کچھ ادھر سے، جھگڑا اس لیے بھی نہیں ہوا کہ امی نے منع کیا تھا کہ کسی بھی کی بیٹی کے لیے باز پرس نہیں کرنی۔ خرچ بہت کم دیا تھا اور ویسے میں اپنی طرف کی بچی ہوئی روٹی اور دن کا بچا کھچا سالن دیا۔ جو کے بہت کم مقدار میں تھا۔ ہمارے گھر والوں نے خاموشی سے سب برداشت کیا اور میرا دلہن سوٹ بھی عام سا تھا بلکہ بری کے تمام کپڑے عام سے تھے حالانکہ ماشاءاللہ بہت پیسے والے ہیں۔

س: شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

ج: ماشاءاللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔

س: کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟

ج: اف یہ سوال دل کاٹنے کے لیے کافی ہے۔ شادی کے تیسرے دن امی والوں نے سب کی دعوت کی اور چوتھے روز ہی کام سنبھالا۔ اس وقت گھر میں میری بڑی نند، اس کی بڑی بیٹی اور باقی پانچ بچے۔ میری چھوٹی نند اس کے سات بچے، میری جیٹھانی اس کے پانچ بچے۔ میری ساس، تین دیور، شوہر اور سسر موجود تھے۔

اتنی عورتوں کے ہونے کے باوجود نئی دلہن کو صبح کی چائے کی ذمہ داری دے دی۔ عجیب محسوس ہوتا تھا باورچی خانہ بھی نہیں تھا باہر سردی میں چائے بناتی تھی، اتنی بڑی کیتلی کہ اٹھائے اٹھتی نہیں تھی۔ وہ بھی

صبح سویرے تھوڑی سی دیر شامت لے آتی۔ اس کے علاوہ اٹیچ باتھ روم بھی نہیں تھا۔ باتھ روم کے باہر لائن لگی ہوتی تھی اس لیے مجھے سب سے پہلے اٹھنا پڑتا۔

میں اتنے سالوں کے بعد اب بھی سوچتی ہوں تو بہت غصہ آتا ہے کہ میری ساس نے میرے اتنے پیارے دن برباد کر دیے۔ اب بھی چائے اور باقی کام میں ہی کرتی ہوں پر وہ پہلے دن اب بھی نہیں آئیں گے۔

اس کے علاوہ میری ساس اب تک ایسی ہی ہیں کمرے میں گئے ادھر، وہ شروع کہ باہر آ کے میرے سامنے بیٹھو، یہ کیا میں یہاں ہوں اور تم کمرے گھس جاتی ہوں۔

اب کون سمجھائے اپنے بھی بہت سے کام ہیں بچوں کی چیزیں، کپڑے جگہ پر رکھنے ہوتے ہیں کمرہ صاف کرنا ہوتا ہے، کپڑے استری پہلے میں کمرے میں کرتی تھی پھر ساس کے تنگ کرنے پر اب باہر برآمدے میں کرتی ہوں۔ ورنہ ساس پھر اپا سے بولتیں۔ اس لیے مجبوراً ہر کام برآمدے میں کرنا پڑتا ساس کے سامنے اگر جمعہ کے دن شوہر گھر میں ہوتا چھٹی ہوتی ہے نا جمعہ کو، تو اس کے پاس تھوڑا سا بیٹھ جاتی تو ساس کو چین نہ آتا بار بار بلاتی کہ میرے پاس آ کر بیٹھو۔ میں اور میری جیٹھانی اگر ساتھ بیٹھتے بھی تو بیٹھنے نہ دیتی کہ ادھر میرے سامنے بات کرو جو بھی کرنی ہے اور یہ سب وہ مسکرا کر اور طریقے سلیقے سے کہتی تاکہ برا بھی نہ لگے۔

یہاں تک تو ٹھیک ہے، بہن کے گھر جانا ہو یا دوست کے گھر، ایک گلی میں ہی گھر ہیں، وہ بھی ساس کے بغیر نہیں جا سکتے۔ ڈاکٹر کے پاس بچوں کو لے جانا ہو یا خود لیڈی ڈاکٹر کے پاس جانا ہو ساس صاحبہ ساتھ ساتھ، اگر منع کرو تو بچوں کی طرح منہ پھلا لیں گی اور بات نہیں کرتیں پھر۔

س: شادی کے بعد زندگی میں کیا تبدیلیاں آئیں؟

ج: شادی کے بعد زندگی یکسر بدل گئی، میں وہ جو ایک انسان تھی۔ جیتا جاگتا وجود تھی۔ وہ مشین میں ڈھل گئی۔ میری زندگی کام اور ہر وقت کام بن گئی۔ سب کے لیے میری زندگی ایک مثالی زندگی ہے۔ ساسیں اپنی بہوؤں کو میری مثالیں دیتی ہیں۔ پر میں خود کو سب سے بہت پیچھے محسوس کرتی ہوں۔ شادی سے پہلے میری ڈریسنگ زبردست تھی ہر وقت خود کو صاف ستھرا رکھتی کپڑوں اور اپنے بالوں کی بہت کیئر کرتی۔ پر شادی کے بعد فرصت ہی نہیں تھی کسی چیز کی، کپڑے، بغیر استری کیے جیسے تیسے پہن لیے۔ بال دھوئے تو کنگھی کا ٹائم نہیں گول مول جوڑا بنا لیا جس کی وجہ سے بال بہت کمزور ہو گئے ہیں۔ اسکن رف ہو گئی اور بہت جلد ہی اپنی عمر سے بڑی دکھنے لگی۔

مثبت تبدیلی پہلے کم گو لیے دیے والی فطرت تھی اب سب سے آرام سے ہنس بول لیتی ہوں۔ خوش اخلاق تو پہلے بھی تھی۔ پر سب جان پہچان والوں کے ساتھ اب بہت اچھی طرح پیش آتی ہوں۔ پہلے نماز تھوڑی دیر سے پڑھتی تھی پر اب ساس کے ساتھ اچھی عادت پڑ گئی ہے اذان ہوتے ہی ہر کام چھوڑ کر پہلے نماز ادا کرتی ہوں۔ کانفیڈنس لیول اچھا ہو گیا ہے۔

س: میکے اور سسرال کے ذائقے مختلف محسوس ہوئے؟

ج: ذائقوں کا تو اتنا فرق محسوس نہیں ہوا۔ ادھر بھی مجھے خود ہی سب کچھ بنانا پڑا اور شکر ہے رب کا کوکنگ اچھی تھی مسئلہ نہیں ہوا، نکتہ چینی ہر چیز پر ہوتی رہی پھر بھی جو کچھ بھی پکایا سب نے ڈٹ کر کھایا اور دیور فرمائشیں کر کر کے چیزیں بنواتے ہیں۔ کھانا کھانے میں فرق ضرور ہے۔ بنتا تو وافر مقدار میں ہے پر ملتا تھوڑا تھوڑا ہے ساس صاحبہ ہر کسی کو اپنی محبت کے درجات کے حساب سے دیتی ہیں جس میں میرا درجہ آخری ہے۔ اس لیے ہمیشہ بچا کھچا حصے میں آیا۔

چائے کے لیے میری ساس نے شروع شروع میں بہت ترسایا۔ میں شروع سے ہی چائے کی بہت رسیا ہوں۔ میرا چائے کا بڑا سا مگ تھا گھر میں۔ ٹائم کے علاوہ بھی وقت بے وقت چائے پیتی رہتی تھی اور

سردیوں میں تو اور بھی زیادہ طلب ہوتی تھی۔ یہاں تو ٹائم کی چائے بھی آخر میں بچی ہوئی وہ بھی آدھا کپ ملتی کبھی وہ بھی نہ ملتی۔ نئی نئی تھی تو خود سے دوبارہ بنانے کی ہمت نہ ہوتی اور جب بھی گوشت کا سالن بناتی میرے لیے بوٹی نہ بچتی۔ بنانے والی میں کھانے والے سب، اگر کبھی عنایت کر کے دے بھی دیتیں تو چھیچھڑے والی چھوٹی سی اوپر سے کہتیں تمہارے لیے ڈھونڈ کر اچھی بوٹی رکھی ہے، میں تو تمہیں اپنی بیٹیوں سے بھی زیادہ دیتی ہوں۔

ظاہر ہے ایسی پھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہی دے سکتی ہیں۔ اتنا بھی نہ سوچتیں کہ یہ خود بنا رہی ہے اس کے ہاتھ سے گزر رہی ہے یہ چیز اسے نہیں پتا ہوگا کہ یہ کتنی اچھی ہے۔ آگے سے یہ بھی سنا دیتیں کہ فلاں کھانے کے لیے جھگڑا کرتی ہے فلاں نے ایسا کہا ویسے کہا۔ ہمیں تو ملے نہ ملے شکر کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تو پھر بندہ ایسے میں کیا کے دکھ تو ہوتا تھا کہ میری یہ حیثیت ہے گھر میں۔ لیکن بس پھر یہ سوچ کر صبر کر لیتی کہ شاید اللہ نے میرے لیے اس گھر میں اتنا ہی رزق لکھا ہے۔ جو نصیب میں ہے وہی ملتا ہے نہ زیادہ نہ کم۔

اس کمی کو میرے شوہر نے پورا کیا۔ جو چیز دل کرے لا دیتا ہے۔ اب تو اتنا عرصہ گزر گیا ہے اب تو میں خود دودھ منگوا کر چائے بناتی ہوں اور ساس کو بھی پلاتی ہوں۔ اس سب کے باوجود بھی میں ہر چیز چاہے میرا شوہر لائے، خود منگواؤں یا میکے سے آئے۔ میں پہلے اپنی ساس کو جا کر دیتی ہوں کہ اگر میں بھی ایسے کروں جیسے وہ کرتی ہیں تو پھر ان میں اور مجھ میں کیا فرق رہے گا۔

س: سسرال میں کن باتوں پر تعریف/تنقید ہوئی؟

ج: سسرال میں تنقید تو بلاوجہ اور بلا مقصد بھی کی جاتی ہے۔ پر تعریف کروانے کے لیے خود کو مٹانا پڑتا ہے اور شکر ہے رب تعالیٰ کا کہ اس نے بہت صبر و برداشت عطا کی ہر قدم پر ساتھ دیا۔ میری ساس سب سے میری تعریف کرتی ہیں کہ میری بہو نے بہت اچھے سے گھر سنبھالا۔ ہمارے پاؤں تک دھلواتی ہے جوتے صاف کر کے پاؤں میں دیتی ہے۔ جو بھی پڑوس والے آتے جاتے ہیں سب تعریف کرتے ہیں کہ ایک اکیلی ہے۔ گھر کو، بچوں کو صاف رکھا ہوا ہے خود بھی صاف ستھری رہتی ہے اور گھر کا بھی سارا کام کرتی ہے۔ غرض اس طرح کی بہت سی باتیں سننے کو ملتی رہتی ہیں۔

س: سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئی؟

ج: اللہ کا شکر ہے کہ سسرال والے اتنے اچھے نہیں تو برے بھی نہیں اور اچھائی برائی تو ہر جگہ ساتھ ساتھ پائی جاتی ہے۔ اگر ساس میں کچھ باتیں بری ہیں تو اچھی بھی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی بات ہو تو میرا ساتھ دیتی ہیں۔ شوہر کے کان نہیں بھرتیں اور میں جو بھی خدمت کرتی ہوں تو مانتی بھی ہیں اور باہر تعریف بھی کرتی ہیں اور پھر میں نے تو اچھائی اور برائی دونوں کو قبول کر لیا ہے اور جتنی کم توقعات اتنے ہی کم دکھ۔

س: پہلے بچے کی پیدائش؟

ج: بہت مشکل وقت۔ اتنا کہ اب بھی یاد آتا ہے تو اتنی ہی تکلیف ہوتی ہے، شادی کے بعد جلدی پریگننٹ ہو گئی اور کچھ مشکلات ہوئیں۔ پانچویں مہینے مسئلہ بڑھ گیا۔ لیڈی ڈاکٹر نے بیڈ ریسٹ کا کہا اور یہاں جیٹھانی کے ہاں بچہ ہو گیا۔ اس کی خدمت، بچے کی خدمت۔ اپنے گھر کے سارے کام اور چوتھے دن جیٹھانی کا بچہ بھی فوت ہو گیا اور میرے سسر اور چھوٹے دیور کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ پھر جو مصروفیات تھیں۔ وہ لکھنے سے قاصر ہوں کہاں کا آرام۔ کہاں کا بیڈ ریسٹ پھر تو رات کو بھی بہ مشکل آرام ملتا تکلیف اتنی کہ ساری ساری رات بیٹھ کر روتی اور سورۃ یٰسین پڑھتی۔

بس اللہ کی مہربانی سے وقت گزرا اور بڑی مشکلات کے بعد بیٹا پیدا ہوا۔ پہلا بچہ وہ بھی اتنا بیمار کوئی تجربہ نہ تھا۔ سارا دن روتا، کام اتنا کہ دودھ بھی

تب سے بچے کو نہ دے پاتی۔ رو رو کر بچے کا حلق سوکھ جاتا۔ رات کو بھی ساری رات روتا۔ میری آنکھیں سوج جاتیں نیند کے لیے۔ گھر بھرا ہوا۔ میری دونوں نندیں فیملیوں کے ساتھ سردیاں یہاں گزارتی ہیں۔ جیٹھانیاں بھی آتی جاتی رہتی تھیں۔ ان سب کا کام مجھے اکیلے کرنا پڑتا۔ کوئی مدد نہیں اور اب کہتی ہیں کہ ہم تو ماں کے گھر سارا کام کرتے تھے۔

افسوس کہ بندے کو اپنا کیا نظر نہیں آتا دوسروں پر ترس آتا ہے اور جو سامنے ہو، اس پر رحم نہیں آتا۔ سب باتیں بتا نہیں سکتی۔ دل بھر بھر آرہا ہے۔ پر کیا کریں کسی سے کبھی کوئی شکایت نہیں کی بس ادھر ہی دل ہلکا کر رہی ہوں۔ اپنی پیاری بہنوں کے ساتھ دکھ شیئر کر رہی ہوں۔ جب جب بچے بیمار ہوئے بھی تو اسی طرح مشکل وقت گزارنا پڑا۔ اپنی بیماری پر بھی کوئی چھوٹ نہیں، سارا کام ہر حال میں کرنا پڑتا تھا۔

اگر ساس کو بتاتی کہ مجھے تکلیف ہے تو سامنے سے کہتیں، کیا کریں ہمارا کون ہے کرنے والا تم تو ہمارے ہاتھ کی ڈوئی ہو، تم نہیں کرو گی تو کون کرے گا۔

س: شوہر سے تعلقات؟

ج: شوہر بہت اچھے ہیں بہت کیئرنگ۔ پر بولتے کم ہیں۔ غصہ زیادہ کرتے ہیں۔ اب تو پھر بھی تعلقات اچھے ہیں، کچھ میرے دل کی سنتے ہیں کچھ اپنی سناتے ہیں۔ پہلے شادی ہوئی تو دوسرے مہینے بعد ہی گرمی آگئی۔ مجھے جہیز میں ایئر کولر ملا تھا۔ سب میرے کمرے میں شفٹ ہو گئے۔ باقی سارے کمروں کو تالا لگا کر ساس سارا دن اور رات کو بھی میرے پلنگ پر سوتی ہفتے گزر جاتے اتنا موقع نہ ملتا کہ بندہ کوئی بات ہی کر لے۔ پھر دن میں دیور بھی سب آکر میرے کمرے میں سوتے۔

تین سال تک ایسے ہی چلتا رہا۔ سردی آئی کہ کمرے میں گیس کا چولہا جلتا تو سب وہاں سوتے اس بات پر کہ سردیاں تو بندہ اپنے کمرے میں گزارے۔ شوہر سے بڑی لڑائی ہوئی پر ہر بار جیت ان کی ہی ہوئی سو اسی طرح زندگی گزر رہی ہے۔

اکتوبر، نومبر اور مارچ تین مہینے اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔ وہ بھی دن میں ساس بیٹھنے نہیں دیتی تھی کہ میرے ساتھ بیٹھو۔ شروع میں سال ڈیڑھ سال تک جیب خرچ نہیں دیا شوہر نے، پر اب دے دیتا ہے۔ پہلے کپڑوں وغیرہ پر بہت تنگ کرتا تھا کہ جہیز اتنا ہے۔ وہی پہنو۔ اب لے کر دیتا ہے۔ شاید اب وہ خود بھی دیکھتا ہے کہ بھائی اپنی بیویوں کے ساتھ کیسے اچھے ہیں تو اب اس کا رویہ بھی بہت اچھا ہے۔ شکر ہے رب کا کہ بہترین ہم سفر دیا ہے اب کمی بیشی تو ہر انسان میں ہے۔ مجھے ہر حال میں ان سے محبت ہے۔

س: آپ جوائنٹ فیملی سسٹم سے اتفاق کرتی ہیں یا علیحدہ؟

ج: دل سے جوائنٹ فیملی پسند ہے تھوڑی بہت مشکلات ہوتی ہیں تو بہت سارا سکھ بھی ہوتا ہے۔ جوائنٹ فیملی اس طرح ٹھیک ہے اگر بڑے انصاف والے ہوں۔ ہر کسی کی تھوڑی بہت پرائیویسی بھی ہونی چاہیے اور بے جا پابندیاں نہ ہوں۔ بہوئیں بھی تو کسی کی بیٹیاں ہیں، خریدا ہوا مال تو نہیں، پیار محبت ہو، کوئی کسی پر بوجھ نہ بنے۔ ایک دوسرے کا احساس ہونا چاہیے تھوڑی بہت برداشت کے ساتھ اچھی گزر جاتی ہے۔ شکر ہے اب بھی میں جوائنٹ فیملی میں ہوں۔ سب کا ایسے ہی خیال رکھتی ہوں۔

س: آپ نے سسرال کا ماحول بہتر بنانے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ہوئیں؟

ج: اگر نیت صاف ہو تو پھر مدد رب کی طرف سے آتی ہے۔ میں نے سسرال کو صرف سسرال نہیں بلکہ اپنا گھر سمجھا اور بہت محنت کی۔ سدھارنے میں وقت لگا پر تبدیلی آئی۔

میری شادی ہوئی تو گھر میں ڈھیروں برتن ہونے کے باوجود ٹیڑھے میڑھے سوراخ والے کٹوروں میں کھانا کھایا جاتا۔ مٹی کے ٹوٹے کناروں

والے پیالوں میں چائے پی جاتی۔ میری ساس برتنوں والے کمرے کو تالا لگا کر رکھتی۔ (اب بھی لگاتی ہیں) پھر کہہ کر میں نے پلیٹیں نکلوائیں میرے دیوروں نے بھی ساتھ دیا۔ وہ بھی اچھا لائف اسٹائل چاہتے تھے۔

میں پلیٹیں نکال کر لاتی۔ ایک وقت کھانا کھاتے دوسرے وقت سے پہلے میری ساس انہیں پھر تالے میں رکھ دیتی۔ بہت تنگ کیا۔ پھر کیا میں نے بھی سارے گندے پرانے برتن ایک تھیلے میں ڈال کر دیور کو دے کر کہا ان کے بدلے نئی چینک لے کر آؤ۔ پھر مجبوراً پلیٹیں دینی پڑیں ساس کو۔ پیالوں کی جگہ کپ اپنے جہیز کے نکالے۔ برآمدے میں پردے لگائے۔ کمروں میں اچھی چٹائیاں منگوا کر ڈالیں۔

برآمدے کو بیٹھنے کے قابل بنایا۔ پھٹے پرانے دستر خوان فارغ کیے۔ خود اپنے جہیز کے نکالے کچھ دوسرے خود بنائے۔ تکیوں کے کور اتنے میلے کہ کپڑے کا رنگ ہی نہ پتا چلے۔ سب کو ادھیڑ کر نیا کپڑا ڈال کر دوبارہ تیار کیا۔ ساس کے کمرے کے لیے گاؤ تکیے لیے، یہ اور بات کہ وہ دو دن سے زیادہ ساس نے ڈالنے نہ دیے کہ گندے ہو جائیں گے۔ بستروں والی پیٹی میں ڈال کر تالا لگا دیا۔

اب بھی یہ سب جاری ہے میں اپنی کوششوں میں اور ساس اپنی کوششوں میں۔ دیکھوں پھر کس کو کامیابی ملتی ہے۔

مجھے اپنی ساس کی نفسیات سمجھ میں نہیں آتی۔ پتا نہیں کیوں ہر چیز کو چھپا کر رکھتی ہے ہر وقت ہر چیز تالے میں۔ دوسروں کے لیے اتنی مہربان کہ جو چیز آئے گی۔ اٹھا کر دے دے گی۔ اور گھر والوں کے لیے اتنی تنگ دلی۔ بس اللہ ہدایت دے۔ آخر میں سب کو نصیحت۔

پیاری بہنوں! شادی ایک بے انتہا خوب صورت رشتہ ہے۔ اس سے بدگمان مت ہو۔ یہ کھٹی میٹھی باتیں تو زندگی کا حسن ہے۔ شادی سے پہلے ہی اپنا مائنڈ سیٹ کریں کہ سسرال میکہ نہیں، توقعات کم رکھیں اپنی اور دوسروں کی زندگی کو آسان بنائیں۔ نیک نیتی بہترین حل پھر مددگار اللہ ہے اگر آدمی خوش نہ بھی ہوئے تو کیا ہوا دل تو مطمئن ہوگا نہ کہ ہم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ میں نے تو اپنی لائف اس کہانی کے پیغام کو ذہن میں رکھ کر گزاری او، شکر ہے کامیاب ہوئی۔ (جواب جاہلاں خاموشی باشد) مرد تو اچھے ہوتے ہیں یہ عورت ہی عورت کے خلاف ہوتی ہے۔ اپنے دل میں یہ عہد کرلیں کہ جب ہم اس مقام پر آئیں گے تو آنے والی کے لیے آسانیاں پیدا کریں گے نہ کہ کانٹے بچھائیں گے۔

دعاؤں میں یاد رکھیے گا اور میرے شوہر کے لیے دعا کیجیے کہ وہ پانچ وقت کا پکا نمازی بن جائے (آمین)

☆☆

انت الحیات کی ماں

صائمہ قریشی سے ملاقات

شاہین رشید

صائمہ قریشی کا اپنا تعارف تو ہے ہی کہ بہترین پرفارمر ہیں۔ بے شمار ڈراموں میں نیگیٹو اور پوزیٹو رول کر چکی ہیں۔ لیکن ان کا ایک تعارف تو یہ بھی ہے کہ یہ ماضی کی مشہور و معروف فنکارہ ''روزینہ'' کی صاحب زادی ہیں..... اور یوں فنی صلاحیت انہیں ورثے میں ملی ہے۔

آج کل آپ انہیں ڈرامہ سیریل ''انت الحیات'' میں دیکھ رہے ہیں جس میں ان کی نیگیٹو اداکاری عروج پر ہے۔

''کیسے مزاج ہیں صائمہ قریشی صاحبہ؟''

''جی الحمدللہ۔''

''آج کل کیا معروفیات ہیں؟ کیا آن ایئر ہے کیا انڈر پروڈکشن ہے۔ رول کیا ہیں؟''

''میں دو پروجیکٹ میں معروف ہوں۔ ہم ٹی وی کا جو آج کل آن ایئر بھی ہے ''انت الحیات'' اور دوسرا اسونتھ اسکائی کا سیریل ''نکاح'' کر رہی ہوں۔

''انت الحیات'' میں تو انتہائی منفی رول ہے اور ''نکاح'' میں ایک ایسی خاتون کا کردار ہے جو ایک آدمی سے بے حد عشق کرتی ہے۔ تفصیل نہیں بتاؤں گی، آپ دیکھیں گی تو آپ کو مزہ آئے گا۔''

''صائمہ آپ نیگیٹو اور پوزیٹو کردار کرتی ہیں تو ان کرداروں کا عام زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے اور ''انت الحیات'' میں جو آپ کا کردار ہے، بہت کچھ سننے کو مل رہا ہوگا؟''

قہقہہ..... ''جی بس کیا بتاؤں بہت کچھ برا بھلا سننے کو مل رہا ہے۔ بہت ہی ایکسٹریم نیگیٹو رول ہے

اب دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ عام زندگی پر کردار کا اثر ہوتا ہے کہ نہیں تو بالکل بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ میں اپنا سین جیسے ہی کٹ کرتی ہوں، اپنی نارمل لائف میں واپس آ جاتی ہوں۔ میں ان آرٹسٹوں میں سے نہیں ہوں جو سین ختم کرنے کے بعد بھی اپنے سین میں ہی رہتا ہے۔ میں ایسا نہیں کرتی۔ ریکارڈنگ ختم اور...... بس ڈرامہ ہے...... کوئی حقیقت نہیں ہے۔"

"زیادہ تر منفی رول کرتی ہیں۔ کیوں؟"

"نہیں ...... ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں دونوں طرح کے کردار کرتی ہوں۔ بس کردار اچھا ہونا چاہیے۔ ابھی حال ہی میں ختم ہونے والا سیریل "تنیر" میں میرا پوزیٹو رول تھا...... ایک بڑی کاسٹ کے ساتھ میں نے کام کیا۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ پوزیٹو رولز سے لوگوں کو ہمدردی تو بہت ہوتی ہے مگر ایسے کردار رجسٹر ڈ نہیں ہوتے۔ رجسٹرڈ ہمیشہ نیگیٹو رول ہوتے ہیں۔ کیونکہ نیگیٹو کردار ایک اسپارک ہوتا ہے اور آڈینس کے لیے مسالہ لے کر آتا ہے، انہیں انتظار ہوتا ہے کہ یہ کردار اب سامنے آئے گا تو دیکھو کیا کرتا ہے۔ اس لحاظ سے نیگیٹو رول کرنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ آپ اپنی عام زندگی میں جو کام نہیں کر سکتے وہ آپ ڈرامے میں کر لیتے ہیں۔"

"آج کل کے زیادہ تر ڈرامے سازشوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ کیا یہ رائٹرز اپنی عام زندگی میں بھی ایسی ہی یا ایسے ہوتے ہیں؟"

"مجھے یوں لگتا ہے کہ ہمارے جتنے بھی رائٹرز ہیں، وہ اپنی زندگی اسکرپٹ میں لکھتے ہیں یعنی انہوں نے اپنے اردگرد جو دیکھا ہوتا ہے، اپنی زندگی میں جو دیکھا ہوتا ہے۔ اس کے تجربات ان کے پاس ہوتے ہیں وہ اسکرپٹ میں لکھتے ہیں۔ اور آپ کو میں کیا بتاؤں کہ کبھی کبھی تو میں اسکرپٹ میں ایسے ایسے ڈائیلاگ پڑھتی ہوں جو لوگ عام زندگی میں بول ہی نہیں سکتے۔ پھر ہم اس کو چینج کر کے اپنی زبان میں بولتے ہیں۔ اتنی نیگیٹو باتیں لکھ دیتے ہیں کہ میں بیان ہی نہیں کر پاتی۔"

"جب تم اس طرح کے جیسے "انت الحیات" رول کر رہی ہو تو میں سوچتی ہوں کہ جب بچے بڑے ہوں گے تو بہوئیں ڈھونڈنے میں مشکل تو ہو گی......؟"

قہقہہ "نہیں، ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ اور سچ بتاؤں کہ جب خیر سے میرے بچوں کی شادیاں ہوں گی تو میں بہوؤں کے ساتھ بہت زیادہ فرینڈلی ہوں گی اس لیے فرینڈلی ہوں گی کہ جیسا کہ آپ کو پتا ہے کہ میری کوئی بیٹی نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی میں بہت زیادہ مختلف ہوں ان منفی کرداروں سے جو آپ اسکرین پر دیکھتی ہیں۔ اگر میری بہوؤں کے ساتھ میرے بیٹوں نے کوئی بدتمیزی کی تو وہ مجھ سے "چھتر" کھائیں گے۔ لیکن میں یہ بھی بات بتا دوں کہ میں ایک سخت ماں ہوں، اپنی تربیت اور اپنے اصولوں کے معاملے میں۔ میں اپنے بچوں کے ساتھ بہت سخت اور بہت روڈ رہی ہوں پڑھائی میں...... مینرز میں رکھ رکھاؤ میں بہوؤں کے ساتھ تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی بات ہو۔ بہوئیں میری بہت خوش قسمت ہوں گی۔"

"آج کل کی رائیٹرز میں کون پسند ہے؟ ڈائریکٹرز بھی؟"

"ایمان داری سے بتاؤں گی کہ مجھے تو کوئی رائیٹر پسند نہیں ہے۔ سب کا جو ایک روٹین کام ہے وہ ہی سامنے آ رہا ہے۔ اور ڈائریکٹرز میں عابس رضا پسند ہیں۔ بدر محمود اچھے ہیں اور علی حسن پسند ہیں۔"

"کوئی ڈائریکٹر اور رائیٹر جن کو آپ منع کر دیتی ہوں؟"

"منع کر دینے کا تو آج کل سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... آج کل ڈائریکٹر اور رائیٹر کون دیکھتا ہے۔ آج کل تو اسکرپٹ دیکھتے ہیں۔ پیسہ دیکھتے ہیں۔ اور کردار دیکھتے ہیں۔ ڈائریکٹر کوئی بھی ہو ہمیں تو ان چیزوں سے مطلب ہے۔ انسان کہیں کریکٹر پر

کپرومائز کرتا ہے تو کہیں پیسوں پر اور کہیں اسکرپٹ پر...... میرے لیے جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ کریکٹر ہے۔"

"آج کل جو نئے فنکار آرہے ہیں ان کے بارے میں کچھ کہیں گی؟"

"جو ہماری نسل ہے، اسے پتا ہے کہ محنت کیا ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں ہر چیز کی قدر ہے۔ آج کل کے جو لڑکے لڑکیاں آرہی ہیں انہیں ہر چیز ریڈی ملی ہوئی ہے۔ اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بہت ہی آسان کام ہے۔ کیمرے کے سامنے کھڑے ہوئے،

"جہاں تک ڈراموں کے ہٹ ہونے کی بات ہے تو اس کا انحصار ٹائم پر نہیں ہے۔ کوئی بھی کانٹینٹ ہٹ ہوسکتا ہے۔ کیونکہ مقبولیت کا دارومدار اسٹرونگ اسکرپٹ پر ہے یا کاسٹ پر ہے۔ یا اسٹوری ایسی کہ ہٹ ہوگئی ہے۔ یہ تو سب "جوا" ٹائپ ہے۔ اور جہاں تک میری پسند کا تعلق ہے تو مجھے سوپ بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ بس اب کرلیا ہے اب اس کے بعد نہیں کروں گی۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ سیریلز زیادہ شوق سے دیکھتے ہیں اور اسی کی ویلیو زیادہ ہوتی ہے۔"

لائنیں بولیں...... اور بس اصل میں انہیں پتا ہی نہیں ہے کہ یہ کام کتنا مشکل ہے...... اور کتنا حساس ہے۔ دوسری بات سینئرز کی عزت نہیں ہے بالکل بھی...... چھوٹی چھوٹی بہت ساری ایسی باتیں ہوتی ہیں جو آپ اپنے رویے سے شو کرتے ہیں کہ آپ سینئرز کی کتنی عزت کرتے ہیں، وہ چیز نہیں ہے۔"

"سوپ اور سیریل کیا پسند ہیں۔ اور مقبولیت کا کیا معیار ہے؟ ٹائم ہے کیا؟"

"تمہارے بچے ہیں اس فیلڈ میں؟"

"میرے دو بیٹے تو پڑھ رہے ہیں جبکہ بڑا بیٹا اس فیلڈ میں یعنی شوبز میں آگیا ہے۔ اور وہ بالکل بھی میری مرضی سے نہیں آیا کیونکہ میں تو چاہتی ہی نہیں تھی کہ یہ شوبز جوائن کرے۔ لیکن کیا کریں کہ شوبز میں آنا اس کا جنون ہے۔ اور آج کل کے بچوں کو آپ روک نہیں سکتے۔ میں نے اسے بہت اعلا تعلیم دلوائی ہے اور اس کے لیے میرے کچھ گولز تھے کہ میں

اسے سی ایس ایس کرواؤں اور باہر بھیجوں۔ مگر کیا کریں کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بس اب تو یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اس فیلڈ میں کامیاب کرے۔ آمین۔"

"فلم میں کام کیا تم نے؟"

"جی جی...... میں نے فلم میں کام کیا ہے "ہم سب ایک ہیں" کے نام سے سید نور نے ڈائریکٹ کی تھی اور شاید 2002ء یا 2003ء میں کی ہے جس میں "شامل خان" تھے صائمہ جی تھیں اور شان تھے

......بس ایک ہی فلم کی ہے میں نے۔"

"آئے دن سوشل تقریبات ہوتی رہتی ہیں اور ایوارڈز کی تقریبات بھی......تو کبھی نظر نہیں آئیں تم؟"

"نظر کیسے آؤں ایوارڈ کی تقریب میں، کیونکہ کبھی بلایا ہی نہیں کسی نے...... تو کیسے چلی جاؤں۔ میں سوشلائز کرتی ہوں مگر بغیر دعوت نامہ کے جانا اچھا نہیں لگتا۔ اپنی بھی کوئی عزت ہے۔ بس اسی لیے آپ نے مجھے تقریبات میں نہیں دیکھا۔ اور مجھے یاد ہے کہ "ٹی وی ون" کا ایوارڈ شو ہوا تھا، اس میں مجھے ایوارڈ ملا تھا۔ اور میرا نہیں خیال کہ ایوارڈ ملنا کامیابی کی ضمانت ہے اور میرے نزدیک تو ناظرین کی پسند اولین ہے اور آپ کو تو پتا ہی ہے کہ یہاں فیورٹ ازم بہت ہے۔ تو مجھے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا۔ اگر آپ اپنے کام سے مطمئن ہیں تو میرے خیال سے یہی سب سے بڑا ایوارڈ ہوتا ہے کسی بھی فنکار کے لیے۔"

"اور اپنی نجی زندگی کے بارے میں بتاؤ...... گھریلو امور اور کچن سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"جہاں تک کھانے کی بات ہے تو میں بہت دیسی عورت ہوں، بہت سادہ رکھ رکھاؤ ہے۔ گھر کا کھانا جو بھی مل جائے کھا لیتی ہوں۔ گھر کی دال روٹی بھی آرام سے کھا لیتی ہوں۔ اور پھر آپ کو پتا ہے کہ ہمارا پروفیشن ایسا ہے کہ میں زیادہ تر ڈائیٹ پہ ہوتی ہوں۔ لیکن جب گھر پر ہوتی ہوں تو کچھ نہ کچھ بنا لیتی ہوں۔ شوٹ سے گھر جا رہی ہوں تو گھر جا کر پکانے کی ہمت نہیں ہوتی تو پھر بازار سے ہی منگوا لیتی ہوں کہ مجبوری ہوتی ہے۔ اب بھی جب اتوار کو گھر پہ ہوتی ہوں تو کڑاہی بنا لیتی ہوں۔ ساتھ میں روٹی چپاتی بنا لیتی ہوں۔ عام دنوں میں ڈائیٹ پر ہوتی ہوں۔ گھر کے سارے کام مجھے آتے ہیں بہت سگھڑ اور گھریلو ہوں۔ بس کام ایسا ہے کہ گھر کے کاموں کو زیادہ ٹائم نہیں دے پاتی۔"

"کھیلوں سے لگاؤ ہے؟ کون سا کھیل پسند ہے؟"

"کھیلوں سے بہت دلچسپی ہے۔ کرکٹ میرا پسندیدہ کھیل ہے ایشیا کپ بھی دیکھا اگر چھٹی ہو تو کوئی میچ مس نہیں کرتی۔ شوٹ پر ہوں تو...... پھر جانتی ہی ہیں۔ گزشتہ دنوں پاک انگلینڈ سیریز ہوئی تھی تو ایک آدھ میچ دیکھنے کا موقع مل گیا تھا۔ ہاں پاک بھارت میچ ہو تو اسے نہیں چھوڑتی...... ضرور دیکھتی ہوں۔"

☆☆

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔37۔اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

سونیا ربانی محلہ قاضیاں بالا سے شریک محفل ہیں لکھا ہے کیا تھا اگر میرا افسانہ "فیصلہ" بھی لگا دیتے۔ خیر کیا پتا میری ڈاک دیر سے ملی ہو۔ انٹرویو میں مجھے کم ہی دلچسپی ہوتی ہے۔ ہاں "جب تجھ سے ناتا جوڑا۔" ضرور پڑھتی ہوں۔ اور میری دعا ہے کہ مس۔ الف کے گھر کے حالات ٹھیک ہو جائیں۔ مکمل ناول حبیبہ شیراز کا "تم ملے" پرانی کہانی تھی۔ مگر نئے لفظوں کے ساتھ لکھی گئی تھی۔ شکر ہے کہ سامعہ نے پھوپھو کی باتیں سن لیں (اب بھی جوائنٹ فیملی سسٹم مجھے خوابوں میں لے جاتا ہے) مگر پھر آنکھ کھل جاتی ہے اور اسٹار پلس والا اپنا جوائنٹ فیملی سسٹم یاد آتا ہے ہاہاہا۔

فرزانہ کا "ہم اور بلبلیں" دوسرا حصہ پڑھ کر تبصرہ کروں گی۔

ناولٹ، صرف ایک، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ شازیہ جمال کا تیرے اقرار کا موسم، اچھی کہانی تھی۔ بے شک ایک لڑکی کے لیے عزت نفس ہر چیز سے زیادہ عزیز ہوتی ہے۔

ولید میں اپنا ولید نظر آیا مجھے، افسانے، فیصلہ، نام دیکھ کر دل دھڑکا، مگر وہ تحسین گل کا فیصلہ نکلا اور تحسین گل کی حنا نے بہت اچھا فیصلہ کیا مگر یہ اتفاق کبھی میرے ساتھ کیوں نہ ہوا کہ کوئی میرے بارے میں کچھ کہہ رہا ہو۔ اور میں سن لوں (لوگ کہتے رہے ہیں ناں) محبت یا عادت، ارے ہاجرہ جی ایسے مرد بھی پائے جاتے ہیں۔ جو عادت کا بھی اقرار نہیں کرتے۔

میں ایک ساس ہوں، یہ ظلم کر ڈالا حمیرا جی آپ نے۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ ارے میں نے لکھنا شروع کیا تھا اور آپ نے لکھ کر پوسٹ کر ڈالا میرے خیالوں کو لے اڑیں آپ تو۔ زارا کے لاٹ نے اس پاک ذات پہ یقین بڑھا دیا۔ بے شک وہ ہر لمحے ہمارے ساتھ ہوتا ہے ہمارے اندر ہوتا ہے۔ "سبق" قرۃ العین جی نے اچھا سبق دیا ایسا سبق زندگی بھی اک بار ضرور دیتی ہے، میں جب بیمار ہوئی تو اک دن صبا (بھابھی) نے کہا کہ سونی تمہاری اس نند نے تمہاری خیریت تک نہ پوچھی جبکہ عام حالات میں روز بات ہوتی تھی۔

کیا نظمیں اور غزلیں میں میری اچھی شاعری جگہ بنا سکتی ہے؟

خط آپ کے، سب کے خط لاجواب تھے مگر تسنیم کوثر جی یقین کریں کچھ لڑکیوں کے لیے 120 روپے میں بھی شمارہ لینا مشکل ہے۔

ج: پیاری سونیا! آپ کا افسانہ اکتوبر کے خواتین ڈائجسٹ کے شمارے میں شامل تھا۔ شاید اکتوبر کا خواتین ابھی آپ تک نہیں پہنچا۔ تبصرہ بہت خوب ہے۔ باتیں سننے کا اتفاق ہمارے ساتھ بھی کبھی نہیں ہوا شاید ہم لوگ اپنے خیالوں میں گم رہتے ہیں۔ جو دوسروں کی باتیں سن

Scanned with CamScanner

نہیں پاتے۔

افسانوں اور ڈراموں میں ہی ہوتا ہے، اسی طرح ڈائری لکھنے کی عادت جو سارے راز آشکار کردیتی ہے۔ یہ اتفاق بھی افسانوں میں ہی ہوتا ہے۔ ہمیں بھی احساس ہے کہ ہماری کچھ قارئین کے لیے 120 روپے قیمت بھی زیادہ ہے۔ دعا کریں کہ حالات سازگار ہوجائیں تو ہم پہلا کام قیمت کم کرنے کا ہی کریں گے۔

فرحانہ مہناز نے اسلام آباد سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

سب سے پہلے پیارے نبی ؐ کی پیاری باتیں پڑھیں بہت ہی خوب صورت اور پیارا سلسلہ ہے۔ اس کے بعد "تجھ سے ناتا جوڑا" میں بہن مس۔ الف نے بغیر لگی لپٹی کے اپنے حالات بیان کیے اچھا لگا لیکن کچھ بے ربط اور معصومانہ بچکانہ انداز تھا۔ فضیلہ ایک خوب صورت اداکارہ ہیں (میں بہت چھوٹی سی تھی جب ان کے ڈرامے دیکھتی) لیکن باتیں خوب صورت نہیں لگیں مجھے، باقی بہنیں مجھ سے متفق ہوں یہ ضروری نہیں۔ "دستک دستک" کا میں جواب ہی نہیں دیتی۔ مطلب اس صفحہ کو فوراً پلٹ دیتی ہوں۔ اس کے بعد ترتیب سے خط آپ کے پڑھے، جناب تسنیم جی مخلص مشورہ قیمت بڑھانے کا نہیں دینا چاہیے بلکہ کم کرنے کا ہوتا تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ صدف ناصر کا خط بہت خوب صورت ہوتا ہے۔ اب آتے ہیں کہانیوں کی طرف۔ "والعصر" بہت ہی گنجلک ہے لیکن پھر بھی اچھی لگتی ہے۔ اللہ تعالیٰ امت العزیز کو صحت کاملہ عطا کرے اور کہانی بھی کچھ لبی لکھیں ہمارے لیے۔ "محبت یا عادت" افسانہ پڑھ کر خاموشی۔ کوئی رائے نہیں۔ واش جیسن کا اردو ترجمہ سلیقے بس سمجھ میں آیا "ذرا سی بات" ہاں کچھ سا سیں ایسی ہوتی ہیں نئی بات کوئی نہیں تھی اس میں۔ "تیرے اقرار کا موسم" ہلکا پھلکا سا ناولٹ اچھا تھا حالانکہ کہانی میں جھول تھے۔ فیصلہ، لو جی تائی امی پر بھی افسانہ بن گیا (ہاہاہا) تم ملے ناولٹ سے ملتا جلتا ناول تھا۔ حبیبہ شیراز کو پہلی بار پڑھا تو رعایت بنتی ہے۔ "میں ایک سانس ہوں" حمیرا نے بہت خوب لکھا۔ "نور القلوب" ایک بات تو بتائیں پیاری رائیٹرز! جب اتنا اچھا ناول لکھتے ہوئے اینڈ کرتی ہیں تو آخری قسط میں جان کیوں چھڑاتی ہیں آپ باقی کیا لکھوں! "ہم اور بلبلیں" ماہی ماہی کوک دی میں، میں آپ کو یاد ہوگا اس کہانی پر بھی پہلے والے صفحہ پر یہی تصویر آرٹسٹ کی لگتی تھی فون کے پاس یہ لڑکی تب مجھے بالکل اپنے جیسی لگتی۔ ہاہاہاہا

فرزانہ کھرل کا یہ ناولٹ بھی ان کے باقی ناولز سے ملتا جلتا ہے۔ سبق ہاں جی سستے پیج میں آج کل یہی کچھ ہورہا ہے۔ کھلتا کسی پہ کیوں۔ کبھی کبھی میں بھی شعر بھیجتی ہوں لیکن لگتا نہیں۔ عائشہ قیوم آپ نے شعاع کے ساتھ میں اپنا تعارف کچھ ادھورا سا لکھا۔ کیوں؟ آخر میں ہائبل اور قابیل کے بارے میں پڑھا، اچھا لگا۔

ج: پیاری مہناز! آپ کی یادداشت کی داد دیتے ہیں کہ اتنی پرانی تصویر آپ کو یاد ہے۔ آپ شعر ضرور بھجوائیں ضرور شائع کریں گے۔ آپ کی تعریف اور تنقید بہت اچھی لگی۔ بہت خوشی ہوئی کہ ہماری قارئین باشعور اور ذہین ہیں۔ اپنی ایک رائے رکھتی ہیں اور بہت اچھے انداز میں اپنی رائے کا اظہار بھی کرتی ہیں۔ بہت شکریہ۔

صدف ناصر گوجرانوالہ سے محفل میں شرکت کررہی ہیں

ٹائٹل پرانا مگر پیارا لگا۔ "پہلی شعاع" نے بہت دل برا کیا۔ محترم عابد صاحب کی مغفرت اور درجات کی دعا۔

حمد اور نعت نے بہت سرور دیا۔ "پیارے نبی کی باتیں" پڑھ کر علم میں اضافہ کیا۔ "جب تجھ سے ناتا" ادھورا سا محسوس ہوا۔ جوابات غیر مکمل سے لگے۔ "فضیلہ قیصر" کو دیکھ کر بے اختیار بچپن کی اپنی باتیں یاد کرکے ہنسی نکل گئی۔ کیونکہ جب چھوٹے تھے تب صرف انٹرویو پڑھنے کی اجازت تھی تو ہر دوسرے ماہ "فضیلہ قاضی" کا انٹرویو دیکھ کر غصہ آجاتا تھا اور ہم کہتے تھے فضیلہ قاضی شاہین رشید کی دوست ہیں تب ہی اتنا انٹرویو آتا ہے۔ (ہاہاہا۔ شاہین سے معذرت)

"خط آپ کے" بلاشبہ سچی اور پرخلوص محبتوں سے گندھا ہوا بہترین سلسلہ۔ شکر ہے کہ خواتین ڈائجسٹ کی طرح شعاع کے تبصرے بھی بھرپور ہوگئے ہیں۔ تسنیم کوثر نے درست فرمایا کہ شعاع کی قیمت 150 کردیں کیونکہ اب ڈائجسٹ کے صفحات پر روشنائی بھی اتنی ہلکی ہوگئی ہے

کہ پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ "واحصر" بے حد گھریلو سی، پرسکون سی تحریر۔ مگر "فیروزہ" کا کردار بہت مختصر سا رہ گیا۔

"نورالقلوب" بالآخر اختتام پذیر ہوئی۔ چند اقساط سے زیادہ پڑھ ہی نہیں پائی۔ "عمر یسرا" فہرست میں نام موجود ہے مگر تحریر ندارد! "زندگی تجھے گزاریں گے+ مالا+ دانہ پانی واحصر جیسی دلچسپ اور زبردست تحریریں شروع کریں۔

"ہم اور بلبلیں" فرزانہ کھرل کو واپسی مبارک! مگر تحریر (بہت معذرت) متاثر نہیں کر پائی۔ شاید کافی عرصہ بعد فرزانہ نے لکھا تبھی! بہرحال دوسری قسط پر بات چھوڑتے ہیں۔

"تم ملے" حبیبہ شیراز کی اچھی تحریر۔ اپنے گھر کی اہمیت بتاتی ہوئی تحریر۔ پلاٹ پرانا تھا مگر گرفت مضبوط۔ ناولٹ "تیرے اقرار کا موسم" شازیہ جمال طارق نے زبردست لکھا۔ مگر شازیہ جمال اور حبیبہ شیرازی کی تحریروں کے پلاٹ انتہائی حد تک یکساں رہے۔ امریکہ اور لندن سے رشتہ داروں کا آنا، خودسر ہیروئین کا رشتہ لینا اور پھر اصلیت پر اتر آنا۔ بہت حیرت ہوئی۔

افسانے کی من پسند دنیا میں قدم رکھا تو قرۃ العین خرم ہاشمی "سبق" لے کر آئیں۔ آٹھ صفحات پر مشتمل افسانہ تو نہیں ہوتا بہرحال اچھا سبق رہا۔ ہر عورت ہی سسرال پر میکے کو ترجیح دیتی ہے مگر مشکل وقت میں پھر سسرال ہی کام آیا۔

"میں ایک ساس ہوں" تحریر کے آغاز پر ہی بے اختیار ہنستے رہے۔ حمیرا شفیع نے "ناتا جوڑا" کا ردعمل زبردست پیش کیا۔ مزا آیا پڑھ کر اور دل پریشان بھی ہوا ساس کی الجھن کر۔ ہر جگہ نہ اکیلی بہو غلط ہے نہ ہر جگہ سسرال برا ہے۔

"فیصلہ" تحسین گل کی فیصلہ کن تحریر۔ بہت ہی کمال کا افسانہ ہے۔ واقعی صبر اور اعلا ظرف والوں کو انعام بھی بڑا ہی ملتا ہے۔ سیکھنے کا مقام ہے۔

"زارا ہنجر ۶" لاٹ کے ساتھ حاضر ہوئی ہیں۔ مگر سوری! تحریر بالکل سمجھ سے بالاتر۔ اللہ پر توکل کی تو سمجھ آ گئی مگر باقی سب نافہم رہا۔ حتیٰ کہ تحریر کا عنوان کیونکر مطابقت رکھتا ہے؟ "محبت یا عادت" ہاجرہ ریحان لے کر آئی ہیں۔ پڑھ کر مرد کی بے وقوفی پر ہنسی آئی۔

تحریروں کو الوداع کہہ کر "نظمیں غزلیں" کا جائزہ لیا۔ خمار بارہ بنکوی، نوشی گیلانی کا انتخاب شاندار ہے جناب۔ "باتوں سے خوشبو" یہ سلسلہ پڑھ کر خود کو سنوارنے اور نیکیاں کرنے کا موقع ملتا ہے۔

ج: پیاری صدف! ناول کے سلسلے میں آپ کی فرمائش نوٹ کر لی گئی ہے۔ کوشش کریں گے کہ اگلا ناول آپ کی پسند کے مطابق ہو۔ تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ ہمیشہ ہی بہت اچھا تبصرہ کرتی ہیں آپ۔

اٹک سٹی سے مسرت تنویر شریک محفل ہیں، لکھا ہے

اس دفعہ ستمبر کا شمارہ مہینے کے اینڈ میں ملا جب لینے کے لیے گئی تو یہی پتا چلتا تھا کہ سیلاب کی وجہ سے شمارہ اب تک نہیں پہنچ پایا اسی وجہ سے خط لکھنے میں دیر ہو گئی۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت شریف کے بعد میں ہمیشہ پہلی شعاع پڑھتی ہوں، آپ سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ ہم سب کو مل کر سیلاب زدگان کی مدد کرنی چاہیے۔ دستک میں راجا ماجد کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ غزالہ رشید ہمراہ تجمہ تسیم عرشی کے بارے میں بھی بہت اچھا لگا۔ افسانے تھے اس دفعہ بہت ہی زبردست تھے خاص کر انا۔ سمجھوتہ۔ ہری مرچیں۔ اور حساب برابر۔ سمجھوتہ میں بہت اچھا سبق ملا۔

ج: پیاری مسرت! آپ کا خط تاخیر سے ملا اس لیے اکتوبر کے شمارے میں شامل نہ کر سکے۔ اس شمارے میں خط شامل ہے۔ شعاع آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ۔

فیڈرل بی ایریا کراچی سے تسنیم کوثر لکھتی ہیں۔

اس بار شعاع ہمیں 5 تاریخ کو ملا اور اپنی دلفریب خوب صورتی سے دل میں اتر گیا۔ افسانوں میں حمیرا شفیع نے میں ایک ساس ہوں بہت زبردست اور دلچسپ لکھا۔ سو فیصد حقیقت سے قریب اسٹوری نے مزہ دوبالا کر دیا۔ شازیہ الطاف کا ذرا سی بات بھی خوب رہی خاص کر وہ کھوڑی والی بات نے حیران کر دیا کیا اس زمانے میں اتنے فرسودہ خیالات کی سوچ قائم ہے۔ ناولٹ میں حبیبہ شیراز کا من موہتا دلکش سا ناول تم ملے بے حد اچھا لگا۔ دلچسپ اور پیاری سی اسٹوری سے سجا ہوا ناول اے دن

Scanned with CamScanner

رہا۔ اور اسی طرح ایک اور بیسٹ ناول تیرے اقرار کا موسم بے حد شان دار لگا شازیہ جمال طارق کو مبارک باد۔ اور ہاں تحسین گل کا مختصر مگر بہترین افسانہ فیصلہ بھی لائق تعریف رہا۔

تاریخ کے جھروکوں کو امت الصبور بہت اچھا مرتب کر رہی ہیں۔ ہمیں یہ سلسلہ پسند آتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی باتوں سے خوشبو آئے دل میں گھر کر گیا جیسے آخرت کے خوف کی فضیلت۔ اللہ سے شرم، چھینک میں الحمد للہ اور جدید سائنس۔ روزی دینے والا۔ ماشاء اللہ ماشاء اللہ کتنا اچھا تحریر کیا ہے اتنی اچھی باتیں ہمارے لیے کسی بیش بہا خزانے سے کم نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ضرور آپ سب کو جزائے خیر دے گا۔ ان شاء اللہ

سب سے دلکش منفرد پیارا سلسلہ تو خط آپ کے ہے۔ تمام قارئین بہنیں اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔

ج: پیاری تسنیم! آپ ہم سب کو، ہماری قارئین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں۔ یہ بہت قیمتی بلکہ قیمتی ترین تحفہ ہے ہمارے لیے۔ ہمارا یقین ہے کہ دل سے نکلی اور بے لوث دعائیں اللہ پاک ضرور قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ آمین

شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ بہت شکریہ

زرینہ خانم لغاری نے مظفر گڑھ سے لکھا ہے

"تجھ سے ناتا جوڑا" اف کوئی بہن تو سکھی ہو کسی کے سسرالی انسانیت کے دائرے میں ہوں۔ ویسے یہ بھی ہے جو بہنیں سکھ کی زندگی گزار رہی ہیں انہیں کیا ضرورت ہے اپنے حالات لکھیں۔ یہ تو دکھی بہنیں ہیں جو دل کے پھپھولے پھوڑتی ہیں۔ غزالہ رشید سے ملاقات ہوئی۔ کچھ سمجھ نہیں آئی ایک سوال تھا شادی ہوئی پیار محبت ہوا پھر رشتہ ٹوٹ گیا کیوں؟ لیکن پوری روداد میں انہوں نے اپنے میاں کے ساتھ خوش گوار وقت کا تبصرہ کیا۔ سالگرہ منائی پھر یہ کیسے ہوا جب رشتہ ٹوٹ گیا تھا۔

والعصر متاثر نہیں کر رہی۔ نورالقلوب کی آخری قسط آنے والی ہے خوشل اور لاریب کے تعلق کو خوش گوار بنا دیں۔ عمر یسرا آپ نے حماد اور ہارون کو مار کر بہت ظلم کیا۔ اعظم شیرازی کا سارا طنطنہ ختم ہو گیا۔ جس بچے کو بار بار دھتکارا گیا تھا قدرت نے اسے اعظم شیرازی کی جائیداد کا وارث بنا دیا یہ دنیا کتنی ظالم ہے سگے ماموں نے اکلوتے بھانجے کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ جنید لاشاری کو عمر قید نہیں پھانسی ملنی چاہیے، دو بے گناہوں کو قتل کیا تھا۔ حساب برابر نے ہنسنے پر مجبور کر دیا ایسے کو تیسا ملنا چاہیے۔ ہری مرچیں ایک سفید پوش گھرانے کی کہانی ہے، ماں تمام بچوں کو سالن دے کر آخر ہانڈی کا بچا کھچا کھاتی ہیں باتوں سے خوشبو ایک خوب صورت سلسلہ ہے، طرز حکمرانی سب سے زیادہ پسند آیا۔ کھٹا کسی یہ بہترین شعروں سے مزین صفحہ تھا۔ آئینہ خانے میں پسند نہیں آیا۔ مصحف کے متعلق تفصیل جان کر خوشی ہوئی معلومات میں اضافہ ہوا۔ ہلدی کے فوائد سے آگاہی ہوئی۔ تحریم فاطمہ کا شعر بہت پسند آیا۔

ج: پیاری بہن! تجھ سے ناتا جوڑا ہے سلسلہ ان بہنوں کے لیے ہی شروع کیا ہے جن کو سسرال میں مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا یا جنہوں نے اپنے حالات بہتر بنانے کے لیے کوشش اور محنت کی۔ اس سلسلے کو شروع کرتے ہوئے ہمارے ذہن میں دو مقاصد تھے ایک یہ کہ ان لوگوں کو احساس دلایا جائے جو کسی لڑکی کو بیاہ کر لاتے ہیں اور اس کو بیٹی یا بہو کا مقام تو کیا انسان ہونے کی رعایت بھی نہیں دیتے۔ دوسرے جو بہوویں ان حالات سے نہیں گزریں، وہ ناشکری نہ کریں بلکہ اپنے سسرال والوں کی قدر کریں۔

انٹرویو میں آپ کو غلط فہمی ہوئی۔ نایاب جیلانی کا انٹرویو خواتین ڈائجسٹ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے میاں سے علیحدگی کا ذکر کیا ہے۔

غزالہ رشید اپنے شوہر کے ساتھ بہت خوش و خرم زندگی گزار رہی ہیں۔

نجمہ جبار نے بھاول پور سے ای میل کی ہے لکھا ہے

مجھے یاد ہے کہ سب گھر والے ایک طرف ہوتے اور نجمہ گھر کے اوپر والے کمرے میں گرمی ہو یا سردی اپنی من پسند چیز جو اس وقت سے اب تک عزیز ہے یعنی رسالے ساتھ ہوتے تھے۔ رسالے کی وجہ سے ایک ڈنڈا

ابھی تک یاد ہے کہ بہت شوق سے ایک بار ڈائجسٹ لے کر اسکول میں گئی کہ بریک میں پڑھوں گی مگر ایک پیریڈ ہوا تو ٹیچر کو آنے میں دیر ہوئی اور میں کتاب میں رسالہ کھول کر پڑھنے لگی اور ساری بھی کلاس سے بے خبر اچانک مس پیچھے سے آئیں اور زوردار ڈانٹا کر پڑھنا یا تو اس کے بعد بھی ڈائجسٹ اسکول میں نہیں لے کر گئی اور امتحان کے دنوں میں بھی پیپر کے دن تازہ شمارہ آجاتا تو پیپر اسب چھوڑ کر صرف اپنے پسندیدہ سلسلے وار ناول کی اگلی قسط پڑھنا اور باقی پیپرز کے بعد یہ۔ نہیں کہ پڑھائی کا شوق نہیں تھا بلکہ پڑھائی اور اس کے بعد جاب بھی اپنی مرضی سے کی۔

یقین کیجیے کہ اس بار کا شعاع مجھے سچ کہوں تو سالگرہ نمبر سے بھی زیادہ پسند آیا کہ دلکش سرورق اور اندر بہت منفرد اور الگ موضوع پر دلچسپ تحریریں ہاں مجھے شعاع کی اس بار تحریریں، ہی زیادہ پسند آئیں۔ ہر چیز دوسرے سے الگ ہوتی ہے کہ اسی لیے تو جیسا شعاع ہے یہ ہمیں ایسا ہی پسند ہے۔ کاش آپ شعاع کو 150 کا کر کے صفحات 258 ہی کر دیں اب بیس تیس سے کوئی فرق نہیں پڑتا پھر پڑھنے والوں کو بھی اس مشکل وقت میں ادارے کا ساتھ دینا چاہیے کہ یہ ڈائجسٹ ہمارے پاس اس کٹھن وقت میں آرہے ہیں، یہ ہی کافی ہے۔

سرورق بہت ہی اچھا تھا پچھلے ماہ سے زیادہ اچھا ہاں کبھی سر سے پاؤں کا بھی سرورق دیں۔ آپ کی اداریہ میں باتیں بہت ہی آسان اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ غزالہ رشید سے ملاقات بہت اچھا لگا ہاں یہ جو اداکار ہے ملاقات تھی پسند نہیں آئی کہ اس کا کوئی ڈرامہ نہیں دیکھا اب ہم رہے پرانے ڈرامے کے شوقین تو نئے ڈرامے پسند نہیں آتے اور بس پڑھ لیتی ہوں یہ ہی کافی ہے۔

داؤد اور صندل بی بی میاں بیوی تھے تو یہ بہت ہی حیرت انگیز بات ہوئی واقعی رائٹر ہم پڑھنے والوں سے بہت آگے کا سوچتا ہے۔ اچھا تھا ناول۔ امت العزیز کے ناول کا انداز مجھے بہت پسند ہے برجستگی اور لفظوں کا چناؤ بہت الگ ہے ہاں قسط بہت ہی چھوٹی سی تھی۔ آتش کا ذکر زیادہ کیا کریں۔

مکمل ناول میں نعیمہ ناز سلطان کا اتنا پسند آیا کہ کیا بتاؤں اور شعاع والوں پر پیار کہ اتنی زبردست تحریروں کا ہر ماہ انتخاب تو بچی پیسے وصول ہو جاتے ہیں۔ ناول میں مزاحیہ انداز اور بھائیوں کا بال سر پر نہ ہونا اور ہنسی مذاق نے ناول کو خوش گوار بنا دیا۔ ہر ماہ ایسا ناول دیں۔ دوسرا ناول "بُرے کا نوٹ کر" بھی بہت اچھا تھا اور ساس نندوں کو ناول کے آخر میں عقل آئی بہت کم وہ بھی۔ مجھے ہیروئن کے دیور رضا کا کردار بھی بہت پسند آیا۔ ساس تو بہت ہی بری لگی، یہ تحریر بھی اچھی تھی بہت۔

اب آپ کہیں گی کہ تعریف ہی تعریف مگر کیا کروں کوئی خامی نظر نہیں آرہی ورنہ میں تو خامیاں نکالتی ہوں۔ شازیہ الطاف نے اچھا سبق ناولٹ میں دیا، شازیہ اب طویل تحریر بھی لکھیں، وافسانہ "میں ماں ہوں" بہت منفرد سا تھا۔ حمیرا عروش نے بھی اصلاحی تحریر دی، سگی خالہ نے ایسا سلوک کیا اپنی بھانجی کے ساتھ حد ہے ویسے۔ "ہری مرچیں" افسانہ بھی منفرد اور اصلاحی رہا، ہاں مجھے تو خود ہری مرچیں بہت پسند ہیں خاص کر ان کا اچار۔ حساب برابر میں لڑکے نے بالکل صحیح کیا۔ "انا" افسانہ بھی تلخ مگر بہت پاورفل تھا۔ ہاں واقعی اکثر ہر بات میں انا بیچ میں آجاتی ہے خونی رشتوں میں بھی۔ حسنہ کا ناول بھی ختم ہونے والا ہے اور یہ یاد رہے گا کہ اتنا اچھا جو ہے بس اب جنت اور فارس کو سکون ملے آگے ہاں مجھے بہت انتظار ہے۔ اگلے قسط وار ناولز کا تو پلیز اب کوئی آئیڈیا یا یا اشارہ دیں بتا دیں کاش نگہت سیما ہوں یا افشاں آفریدی کہ میری پسندیدہ ہیں۔ اور اس بار ماشاء اللہ تاریخ کے جھروکے میں مصحف سے متعلق بہت قیمتی باتیں ملیں۔

پیاری نجمہ! آپ ہماری مستقل قاری ہیں اور خط بھی بڑی باقاعدگی سے لکھتی ہیں۔ تاخیر سے موصول ہونے کے باوجود آپ کا خط شامل ہے۔ آپ نے بہت تفصیل سے اور بہت اچھا تبصرہ کیا تہہ دل سے شکریہ۔

رضوانہ وقاص کرلاں ہری پور سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

خط میں نے اپنی امی کو پڑھ کر سنایا میں اب کام نہیں کر سکتی ناں۔ بس نماز پڑھی اور اب خط لکھ رہی ہوں۔ اس

دفعہ شعاع 10 تاریخ کو مل گیا۔ ماڈل انمول شیخ اچھی لگی۔ پہلی شعاع پڑھی۔ عابد صاحب کو اللہ جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے (آمین) حمد و نعت دونوں پڑھیں "پیارے نبی کی پیاری باتیں" بہت ہی پیاری "جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے" پڑھا۔ بھائی تو بہنوں کا اتنا لاڈ کرتے ہیں نخرے اٹھاتے رہیں۔ میرے بھائی میرا اتنا خیال کرتے ہیں۔ آپ کی بہن ٹی وی دیکھتے کرسی کے نیچے چھپ گئی۔ یہ پڑھ کر ہنسی آئی۔ میرے بھائی بہت ہی اچھے ہیں۔ رسالے لا کر دیتے ہیں۔ اور خط بھی پوسٹ کرا تے ہیں۔ "فضیلہ قیصر سے ملاقات" بہت ہی اچھی لگی۔ آپ کو بیٹے کی بات پکی ہونے پر مبارک باد، میرے بھی بڑے بیٹے کا نام احمد ہے۔ مجھے تو بہت تنگ کرتا ہے۔ کیا آپ کا بیٹا چھوٹا تھا تو آپ کو بھی تنگ کرتا تھا۔ بیٹے کی شادی کے بعد بھی انٹرویو دینا ہے۔ لازمی۔ آپ کوئی رسم نہیں کریں گی۔ لیکن مزا تو تب ہے ٹی وی ڈراموں پر اتنی رسمیں دکھائی جاتی ہیں۔ ان کو بند کرنا چاہیے۔ آپ سے ملاقات بہت ہی اچھی لگی۔ "خط آپ کے پڑھے کیونکہ یہ سب دوستوں، بہنوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ سب کے ہی خط بہت اچھے ہوتے ہیں۔ عائشہ قیوم! بیٹیاں واقعی بہت پیاری ہوتی ہیں۔ لیکن ایک نہ ایک دن انہیں اپنے گھر کا ہونا ہی ہے میں نے اپنی امی کو پہلے تو تنگ نہیں کیا لیکن اب شادی ہونے کے بعد جب سے بیمار ہوئی وہ جیسے خیال کر رہی ہیں۔ کوئی نہیں کر سکتا، لیکن اب انہیں بہت غصہ دلانے لگ گئی بچے تنگ کرتے ہیں نا۔

میری امی کے لیے دعا ہے۔ میری امی ہنستی مسکراتی رہیں اور کسی کی محتاج نہ ہو (آمین) "والعصر" پڑھا۔ یہ عامر اپنے بھائی کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے کیا دشمنی ہے۔ عیسیٰ کے ساتھ۔ دادی بیگم نے ٹھیک پہچانا ہے۔ سہراب کچھ ٹھیک لڑکا نہیں لگ رہا۔ اگر اسے ورثی کے ساتھ محبت ہے۔ تو رشتہ کیوں نہیں بھیج رہا ہے طریقے کے ساتھ ورثی کے ساتھ۔ سہراب وقت گزاری کر رہا ہے۔ ورثی پر بہت غصہ آتا ہے۔ جب ملاقات کرنے جاتی ہے۔ "ذرا سی بات" جب اپنی بیٹیوں کے ساتھ برا ہو۔ ساس بہو کے ساتھ ٹھیک ہوتی ہے۔ "نور القلوب" بھی اینڈ ہو گیا۔ لیکن اچھا نہیں کیا اینڈ، صندل بی نے اپنی بیٹی کو بیٹی نہیں سمجھا اور نہ ہی اس سے ملنے آئی۔ زہرہ کے ساتھ انصاف خوش حال نے کر دیا۔ اتنی غلطی نہیں تھی۔ یہ نہیں بتایا حویلی پتا کرنے کون گیا تھا۔ تائی شاہدہ تھیں میرے خیال میں۔ اور نہ ہی گلے کو بتایا کہ کیا ہوا ہے۔ اس کا اینڈ نہیں اچھا ہوا۔ "عسر یسرا" کا مکمل ناول میں لکھا ہوا ہے۔ لیکن اس دفعہ نہیں آئی کہانی۔ "آئینہ خانہ میں" حدیقہ کیانی آپ نے تو اچھا ہی سوچ کر شادی کی۔ لیکن پھر آپ کے شوہر نے ہی آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ لیکن آپ ہی اپنا گھر بچا لیتیں۔ گانا گانا اتنا ضروری تو نہیں تھا۔ "تاریخ کے جھروکوں سے" یہ باتیں اچھی لگتی ہیں۔ اگلے مہینے کی 15 تاریخ کو میرے خالہ زاد کمیر کی برتھ ڈے ہے پیپی برتھ ڈے کمیر ڈھیروں خوشیاں نصیب ہو تمہیں (آمین)

پیاری رضوانہ! تفصیلی خط کے لیے شکریہ۔ صندل بی کا کردار ایک ایسی عورت کا کردار ہے۔ جسے عظمت کا خبط ہے۔ وہ خود کو دوسروں سے افضل سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ سب اس کی تعظیم کریں۔ اس کو عظیم سمجھیں۔ اس کے اشاروں پر چلیں۔ ایسی عورت کے لیے رشتے، ذمہ داریاں، شوہر اور بیٹی ایک بوجھ کے سوا کچھ نہیں۔ اس نے پوری زندگی سب پر حکومت کی۔ سب کو اپنا غلام سمجھا۔ اب اپنی سرشت سے کیسے ہٹ جاتی۔

گلے کا انجام اچھا ہی ہوا۔ اس کا شوہر اس کی طرف لوٹ آیا۔ وہ ماں بننے والی ہے۔ خوش حال بھی خوش اور مطمئن ہے۔ اور لاریب کو بھی عقل آ گئی ہے۔

جہاں تک شادی بیاہ کی رسموں کا تعلق ہے۔ یہ خوشی کے لمحات کو طول دینے کے لیے ہوتی ہیں۔ اس میں بے جا اسراف اور نمود و نمائش بری چیز ہے۔ رسمیں بری نہیں ہوتیں یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ کے بھائی بہت اچھے ہیں لیکن دنیا میں سب انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے۔ اپنی امی کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔

رمشا روشن نے الہ باد سے لکھا ہے

سب سے پہلے مصباح علی سید کے ڈراما سیریل "میرے ہم نشین" کا ذکر کروں گی جوان کے ناول" دیکھو

تمنائے روشنی" پر بنتا ہے۔ بہت پسند آرہا ہے سب کو اور پھر ہم نے تو جو شیخیاں بگھاریں کہ یہ ناول میں نے پڑھا ہوا ہے۔ سب کو اینڈ بھی بتایا۔ لیکن اینڈ دیکھ کر میرے تو گویا چودہ طبق روشن ہو گئے درخزئی مر گیا اور ہادی اور نجمہ کی شادی۔

دس از ناٹ فیئر۔ مجھے اینڈ پسند نہیں آیا۔ بلکہ میری امی کو بھی اعتراض ہے اینڈ پر۔ خیر باقی سارا سیریل سو پر ڈوپر تھا۔

رسالے کی طرف آتے ہیں۔ ٹائٹل خزاں کی آمد آمد کا اعلان کرتا دکھائی دے رہا تھا۔ پیلا پیلا ورق اس پر سرخ رنگ زیب تن کیے ماڈل انمول، خزاں کا پس منظر معلوم ہو رہی تھی (پیلے رنگ کی وجہ سے)

"پہلی شعاع" کے تو ہم گرویدہ ہیں۔ رضیہ آپی حقیقت کا پردہ چاک کرتی نظر آئیں کہ اب امداد کا شور واقعی ماند پڑ گیا ہے۔

ادارہ کے کارکن عابد صاحب کی مغفرت کے لیے بھی دعا گو ہیں۔ "حمد و نعت" اس بار بڑی صاف شفاف اور خوب صورت انداز میں پرنٹ کی گئی تھیں۔ دل خوش ہو گیا۔ "پیارے نبی کی پیاری باتیں" بہت سے حقائق سے جانکاری کا سبب بنیں۔ جزاک اللہ!

"دستک" بھی نارمل ہی لگا۔ شاہین آپی! آپ پھر سے رائٹرز کی لائن چھوڑ کر شوبز کی طرف آ گئی ہیں۔ پلیز چھوڑیں یہ شوبز ہمیں ہماری رائٹرز سے ملوائیں بس۔ پلیز پلیز پلیز!

"ناتا" کچھ ادھورا سا لگا۔ جیسے بہن نے سب کچھ مکمل کر نہ بتایا ہو۔ "والعصر" کی رفتار تیز لگی۔ اس کے بارے میں اندازے لگانے کے لیے میری زبان پھر سے سلپ ہونے کو بے تاب ہے کہ یہ شرر 60 پرسنٹ عیسیٰ ہے۔ 38 پرسنٹ عباد یا مفتاح اور 2 پرسنٹ سہراب ہے۔ اور خولہ رہ جاتی ہے۔ (کوئی رہ تو نہیں گیا؟ ہاہاہا)

امل عزیز آپی! اس بار کچھ میری عزت کا خیال کر کے میرے اندازوں سے ہمدردی دکھایئے گا۔

"نور القلوب" کے اختتام سے دل میں تشنگی سی رہ گئی ہے۔ زہرہ والا معاملہ ابھی بالکل ختم نہیں ہوا تھا۔

خدیجہ کو سزا نہیں ملی تھی اور پھر گلے کا بچہ بھی فی الحال اس دنیا میں نہیں آیا۔ ایسے میں کہانی ختم! بالکل بھی مزہ نہیں آیا اینڈ میں۔ خوشل اور لاریب کی خوش گوار زندگی پر دو چار صفحے تو بنتے تھے نا۔ "عمر یسرا" غائب! لیکن ہارٹ بیٹ مس کرنے کے لیے فرزانہ کھرل تشریف فرما ہیں۔ او بلے بلے! مزہ آ گیا۔ فرزانہ آپی! یار آپ ہی بتا دیں آپ کہاں رہتی ہیں؟ کیا نام ہے! "ہم اور بلبلیں" امیزنگ اسٹوری۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ اب غائب نہ ہو جایئے گا۔ پلیز!

"تم ملے" حبیبہ شیراز کا ناول اچھا لگا۔ "تیرے اقرار کا موسم" اور "تم ملے" میں کافی چیزیں مشترک تھیں۔ ایک میں امریکن پلٹ پھپھو اور بھانجا تو دوسرے میں لندن پلٹ لیکن بازی تایازاد ہی لے گئے۔ ڈھیر ساری کزنز اور دادی ماں کا رنگ لیے یہ کہانیاں زبردست لگیں۔

"محبت یا عادت" میں مسئلہ اینڈ پر بتایا گیا کہ بیوی کو محترم نے خود ناراض ہو کر بھیجا ہے۔ ورنہ میرا تو خیال تھا

کہ خدانخواستہ مر مرا ہی گئی ہے۔ جیسے یاسیت سے وہ سوچ رہا تھا۔ گاؤں والے ایسے مردوں کو پتا ہے کیا کہتے ہیں؟ زن مرید! (ہاہاہا) "فیصلہ" بھی اچھی تحریر تھی۔ "لاٹ" انتہائی مختصر اور کچھ ادھوری سی تحریر لگی کہ صالحہ کے زندگی کے اوراق کو پلٹ کر اس کی مایوسی کی وجہ بیان نہیں کی گئی تھی۔ "میں ایک ساس ہوں" حمیرا شفیع نے ساسوں کا دل جیت لیا (ہاہاہا) "سبق" زبردست تھا۔ باقی سب سلسلے اے ون تھے۔ اور ہمارا "مسکراہٹوں" کا صفحہ ہڑپ کر لیا ادارے والوں نے سویٹ، غزلوں کا ایک صفحہ کم کر دیں چاہے (کیونکہ میں تو شعر و شاعری کی طرف دیکھتی بھی نہیں ہوں) لیکن مسکراہٹیں نہ چھینیں ہماری ہم سے اچھا!

"خط آپ کے" صدف ناصر کو صرف مٹھائی کھلانے پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ کچھ دن صبر کریں۔ دوسرے مہینے میں ہماری شادی ہے۔ مہناز رانی کے شہر مانا نوالہ میں ایک گرینڈ سی پارٹی دیں گے۔ (مانا نوالہ ہمارا متوقع سسرالی شہر ہے) سویرا ظفر آپ میواتی ہیں ناں؟ بتائیے گا ضرور اور آپ کوٹ رادھا کشن کے قریبی گاؤں سے رہتی نا۔ وہیں مرالی نام کے گاؤں میں میری پھپھو اور خالہ رہتی ہیں۔ کبھی آنا جانا ہوا تو آپ کو ضرور تلاشوں گی ان شاء اللہ) سب کے تبصرے جان دار اور شان دار تھے۔

پیاری رمشا! تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ نورالقلوب کے اینڈ میں آپ کو تشنگی محسوس ہوئی۔ ہماری کچھ قارئین نے بھی یہ شکایت کی ہے کہ نورالقلوب کو جلد ختم کردیا گیا۔ ہمارا خیال ہے کہ قارئین کو نورالقلوب بہت پسند تھا۔ اس کا اتنی جلدی ختم ہوجانا قارئین نے ذہنی طور پر قبول نہیں کیا۔

مسکراہٹیں کا سلسلہ آپ کو پسند ہے، کوشش کریں گے کہ اس سلسلے کو ہر ماہ ضرور شامل کیا جائے۔

زل مزمل گجر نے احمد پور شرقیہ، ضلع بہاولپور سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

سلسلے وار ناول نورالقلوب اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس میں کچھ کرداروں کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ جیسے زہرہ کا کردار اور داؤ دستور کا کردار اور تو اور صندل بی آسانی سے فرار ہوگئی۔ اسے اس کے کرموں کی سزا ملنی چاہیے تھی۔ چلیں خیر......! بے تکا سا اینڈ تھا۔ والعصر میرا موسٹ فیورٹ ہے۔ ہر قسط اتنی مختصر ہوتی ہے کہ شروع کرتے ہی صفحہ پلٹوں تو باقی آئندہ ماہ لکھا منہ چڑا رہا ہوتا ہے اور یہ ورئی کیا کرتی پھر رہی ہے۔ سہراب کے ارادے کچھ ٹھیک نہیں ہیں۔ امت العزیز شہزاد سے درخواست ہے کہ اب کرداروں کی گرہ کھول دی جائے۔ اتنا تجسس، اُفف ......! یہ کیا اس ماہ "عمر یسرا" غائب کیوں بھئی؟ زبردست ناول ہے۔ فارس وجدان کے ساتھ بہت غلط ہوا۔ اس کا بچپن مار دیا گیا۔ پلیز راحم آفاق جیسے انٹیلی جنٹ شخص کی ہیروئن بھی ہونی چاہیے۔

مگر فہرست میں فرزانہ کھرل کو دیکھ کر دل شاد ہوگیا۔ دوسری قسط پڑھ کر ایک ساتھ تبصرہ کروں گی۔ کل ٹیسٹ ہے تو اس لیے نہیں پڑھ سکی۔

"تم ملے" حبیبہ شیراز لگتا ہے نئی کوئی رائٹر ہیں۔ بہت اچھا ناول ہے۔ ہلکا پھلکا، مزہ آیا پڑھ کر اور شازیہ جمال طارق ویل ڈن بھئی! "تیرے اقرار کا موسم" مزے کی تحریر تھی۔ ناول اور ناولٹ ایک جیسے ٹاپک تھے۔ دونوں کی ہیروئنیں شرارتی چلبلی تھیں۔ اب بھی باقی کا شمارہ ابھی نہیں پڑھا۔ امی سر پر آگئی ہیں کہ سالن بناؤ۔ تو ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں لیکن اس سے پہلے ہم آپ سے کچھ کہنا چاہیں گے۔ میں مطلب زل مزمل گجر "شعاع ایوارڈ شو" کے نام سے سلسلہ لکھنا چاہتی ہوں۔ جس میں میں پورے سال کے ناول، ناولٹ اور افسانوں پر تبصرہ کروں گی اور پوزیشن دوں گی۔ اور آپ کو دسمبر میں ارسال کردوں گی۔ اگر جنوری 2023 کے شمارے میں آپ اسے شائع کریں تو لکھوں ورنہ ایسے ہی فضول جائے گا۔

پیاری زل آپ شعاع ایوارڈ شو ضرور لکھیں تبصرہ ارسال کریں۔ ضرور شائع کریں گے۔ آپ کا پچھلا خط اس لیے شائع نہ ہوسکا کہ وہ ہمیں تاخیر سے موصول ہوا تھا۔ آپ کے خط میں کوئی خرابی یا غلطی نہیں تھی۔

ناولٹ اور افسانہ کے لیے معذرت آپ کو ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے۔

☆☆

اَمتُ العزیز شہزاد

والعصر

ورئی اپنی نانی اور ماموؤں کے ساتھ رہتی ہے، اس کی ماں مرچکی ہے۔ گھر میں دو ماموں، ممانی اور ان کے بچے ہیں۔ ان میں آپس میں اچھے تعلقات ہیں مگر بڑی ممانی اسے پسند نہیں کرتی ہیں۔ عباد ان کا بیٹا ہے۔ جو ورئی کو چاہتا ہے۔

آتش جو سراپا اسرار ہے، وہ لوگوں کو اپنی گفتگو سے زیر کرتا ہے۔ اس کے بے شمار عقیدت مند ہیں۔

بی زیڈ ایک بے ہوش لڑکی کو لے کر آتش کے ہاں پہنچ جاتی ہے۔ آتش اپنے اسسٹنٹ خاقان کے ذریعے ڈاکٹر کو بلاتا ہے۔ نانی ورئی کو پڑھانے کی ذمہ داری عباد پر ڈال دیتی ہیں۔

لڑکی ہوش میں آتی ہے لیکن حواسوں میں نہیں۔ اپنا نام تک نہیں بتا سکتی۔ آتش کے گھر پولیس آجاتی ہے۔

پولیس کا نام سن کر بی زیڈ گھبرا جاتی ہے۔ آتش اسے پرسکون رہنے کا کہتا ہے۔ پولیس انسپکٹر امیر علی اپنے جونیئر فاروق احمد کے ساتھ آتے ہیں۔ وہ آتش کو تربیتی ورکشاپ میں مدعو کرتا ہے۔ فاروق احمد تھوڑا تلخ ہے۔

عباد، ورئی کو پڑھانے پڑھاتے ہیں، ورئی بتاتی ہے کہ وہ کمپائن امتحان دے رہی ہے، اور اسے ہر سبجیکٹ انتہائی مشکل لگتا ہے۔

فیروزہ کی بیٹی شوبنا کی شادی ہوتی ہے، اس میں بالی کا بھی نکاح کردیا جاتا ہے، بالی انتہائی کم عمر ہے۔

شاکر فیروزہ کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے حکم پر گھر تعمیر کروا رہے ہیں۔ ان کے والد بنگلہ دیش میں کاروبار کے سلسلے میں رہتے ہیں۔

فیروزہ کا چھوٹا بیٹا عامر بہت خودسر ہے۔ وہ عیسیٰ سے بہت چڑتا ہے۔ وہ ماں سے پیسے مانگتا ہے۔ انکار پر عیسیٰ کو بالکونی سے لٹکا دیتا ہے۔

وریٰ کو سہراب سے ملنے کی خوشی اور گھبراہٹ ہوتی ہے عیسیٰ سمجھتا ہے کہ وہ امتحانات کی وجہ سے پریشان ہے۔
بی ڈی کو آتش فون کرکے اطلاع دیتا ہے کہ وہ ٹی وی آن کرکے دیکھے علائنہ سے متعلق خبر آرہی ہے۔ پتا چلتا ہے کہ علائنہ کی لاش اس کے فلیٹ سے برآمد ہوئی ہے۔
وریٰ پیپر دینے خوب تیار ہو کر جاتی ہے، اسے مفتاح چھوڑنے جاتا ہے، واثلہ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔
اینا عامر سے کہتی ہے کہ عیسیٰ سے کہو کہ ایڈمیشن ٹیسٹ میں اس کے بھائی کو پاس کروا دے۔
سید صاحب کو جب سے عامر نے عیسیٰ کے متعلق بتایا تھا کہ وہ سگریٹ نوشی کرنے لگا ہے سید صاحب بہت پریشان تھے۔ وہ فیروزہ بیگم کو واپس پاکستان بھیجنے کی بات کرتے ہیں۔
جلدی سے پیپر ختم کرکے سہراب کے ساتھ اس کی گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہے۔
آتش چند روز کے لیے اسلام آباد جاتا ہے۔ خاقان دوسرے کاموں میں معروف ہوتا ہے خولہ کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ فون کرے وہ فون کرتی دوسری طرف فون اٹھالیا جاتا ہے۔ وہ جواب نہیں دے پاتی۔ دوبارہ نمبر ملاتی ہے اس وقت کوئی اسے ... دیتا ہے۔
شریفہ سہراب کی دعوت کرتی ہیں ... اسے گھیر لیتی ہیں، وہ دل ہی دل میں ان کے بے وقوف بن جانے پر ہنستا ہے۔ فاروق احمد، امیر علی خان سے کہتا ہے کہ علائنہ خان کے قتل کے تانے بانے آتش کدہ سے ملتے ہیں۔
عامر، عیسیٰ سے پوچھتا ہے کہ اس نے اس کا کام کر... کے منع کرنے پر وہ اسے ڈانٹتا ہے۔ فیروزہ عامر کو سخت سست کہتی ہیں اور عیسیٰ کو اپنے ساتھ لے جاتی ہیں۔ عیسیٰ واپس ... تو وہاں سے اس کا جرنل غائب ہوتا ہے۔
بی ڈی اپنا پروموشنل ٹرپ کرکے واپس آتی ہے تو اس کے دوست پارٹی رکھتے ہیں پارٹی میں اس کو ایک فون آتا ہے۔ وہ علائنہ خان قتل کیس کے سلسلے میں بی ڈی سے بات کرنا چاہتا ہے ... بی ڈی خوف زدہ ہو کر لائن کاٹ دیتی ہے۔
شاکر کی بیوی فرح عیسیٰ اور عامر کی بحث کو بڑھا چڑھا کر جھگڑے کی شکل میں شوہر تک پہنچا کر کہتی ہے کہ ہمیں اپنے بچوں کو اس ماحول سے بچا کر الگ ہونا ہوگا۔ وہ اپنے بہنوئی سے کینیڈا یا امریکا جانے کے سلسلے میں بات کا کہتی ہے۔
وریٰ ریڈ سوٹ میں سہراب سے ملنے آئی تھی وہ اسے اپنے گھر لے جانے کی بات کرتا ہے۔ وریٰ حامی بھر لیتی ہے۔ سہراب بہت خوش ہوتا ہے اسی وقت گاڑی کے سامنے عیسیٰ آجاتے ہیں۔ وریٰ ڈر جاتی ہے۔

چودھویں قسط

اے رب......!
اے بنی نوع انسان کے رب!
اے زمین و آسمان کے رب!
اے ہر "جان" و "بے جان" کے رب!
اے ابن سلیمان کے رب!!
(اے ابن سلیمان! بے شک وہ سنتا ہے ہر پکارنے والے کی پکار)
وہ زبان جو خوگر حمد تھی، وہ شکوے سے تر ہوئی
(ہر شکوے سے بہتر صبر ہے...... صبر، جو اجر لاتا ہے)

وہ دل، جو تیرا مسکن تھا، وہاں سناٹے نے ڈیرا ڈال لیا۔
(ہاں...... وہیں تو گھات لگائے بیٹھا تھا تمہارا عدو)
اور وہ نعمت کہ جن کے ذریعے میں نے ہر سو تجھے دیکھا، اب تیرے دیدار سے قاصر ہوئیں......
(وائے افسوس کہ اندھیرا چھن لیا تم نے)
اور میں نے جانا کہ میری ہر صدا، تیرے نزدیک بے نوا ہے......
(افسوس...... صد افسوس)
سو میں نے اپنے ''پھیلے ہاتھ'' آج سے پہلو میں گرا دیے......
(تو تم سے بڑا ظالم اور کون ہوگا؟)
اور میری نظر، عرش بریں کو اب امید سے نہیں تکتی......
(حالانکہ ''وہ'' تمہیں دیکھ رہا ہے)
کہ احساس ہوا ہے...... میرے لیے وہاں اب کچھ نہیں......
(افسوس صد...... افسوس!)
سو آج سے میں اپنی تنہائی کا اعلان کرتا ہوں......!!
(اے ابن سلیمان...... یا دو ہائی ہو کر مایوسی کفر کے سوا کچھ نہیں)......!

☆☆☆

''امی نے عیسیٰ کو کچھ نہیں کہا...... الٹا مجھے ہی ڈانٹنے لگیں کہ میں ہر وقت چھوٹے بھائی کے پیچھے لگا رہتا ہوں۔''
لان چیئر پر بیٹھے بیٹھے اس کی شاداب اور جڑنے والی پلکیں اس وقت بند تھیں...... سو یہ منظر اس پر قسمت سے مہربان ہونے والی نیند میں خلل انداز نہ ہونے کا ارادہ کیے دبے پاؤں، بس یوں ہی از خود غالباً خود کو دہرانے کے لیے در و دیوار پر منعکس ہو گیا...... جہاں عامر اس وقت بڑی بہن بالی کے ہاں آیا بیٹھا، دل کے پھپھولے پھوڑنے میں مصروف دکھائی دیتا تھا۔
بالی کے بد دماغ، غصیلے شوہر نامدار ابھی دفتر سے نہ لوٹے تھے اور اوپر تلے کے چاروں نمونوں کو مار کوٹ کر انہوں نے مدرسے بھیجا ہوا تھا۔ سو وہ خاصے اطمینان سے کم چینی اور برائے نام پتی والی چائے کی پیالی عامر کے سامنے رکھ کر اس کی بپتا خاصے ذوق و شوق سے ہمہ تن سننے میں مصروف تھیں۔ عامر چائے کا گھونٹ بھرنے کو ذرا تھما تو درمیان میں وہ جلے کٹے سے لہجے میں بول پڑیں۔
''امی کو تو لگتا ہے بس تین ہی اولادیں ہیں۔ ایک بھائی جان، دوسرا وہ عیسیٰ اور تیسری شانی...... ہم سے تو چھپاتی ہیں۔ مگر ہم بھی جان ہی لیتے ہیں کہ اس کے لیے آج کل اونچے گھروں میں رشتے دیکھ رہی ہیں۔''
''ہاں......'' وہ بدمزہ چائے کا گھونٹ بھرنے کے سبب کڑوا ہو جانے والا منہ مزید بگاڑ کر بولا۔ ''رشتے تو نمی اور شانی دونوں ہی کے لیے تلاش کر رہی ہیں۔''
''واہ...... واہ...... واہ...... واہ...... واہ......'' وہ جلبلا کر بری طرح ہاتھ نچا کر بولیں۔
''ان مہارانیوں کے لیے رشتے تلاش کر رہی ہیں اور ہمیں اٹھا کر جیسے تیسے بیاہ دیا۔ کوئی عمر تھی ہمیں رخصت کرنے کی...... پھر کوئی ڈھنگ کا رشتہ ہوتا تو بات بھی تھی۔'' وہ روہانسی ہی تو ہو گئیں۔
''سچ......'' وہ آنکھوں میں تبسم لیے بظاہر بڑی ہمدردی سے بولا۔ ''واقعی بہت ظلم ہوا آپ کے ساتھ۔''
''تم ہی بتاؤ......'' وہ دوپٹے کے پلو سے آنکھیں رگڑ کر بولیں۔ ''ہم کوئی عیب دار تھے یا کہیں بھاگے جا رہے تھے جو جلدی مچا دی۔''

"امی تو ہیں ہی ایسی۔" وہ جلے پیر تنک تنک کر ٹہلتا ہوا بولا "میں اور آپ سے کیا کہہ رہا ہوں --- بھابھی کو بھی انہوں نے بہت چھوٹ دے رکھی ہے۔ آج بھی میکے گئی ہوئی ہیں وہ......"

"اے لو --- "بالی صدقے سے گھر گئیں۔" آج بھی چلی گئیں۔ اور ایک ہم ہیں --- حق ہا --- ہمارے میاں تو چھٹی کے دن بھی میکے لانے میں ناک چڑھاتے ہیں۔ شاپنگ وہ پنگ کرنے گئی ہوں گی۔" آنے والے" کے لیے اور کس لیے جائیں گی۔" بولتے بولتے آخر میں قیاس آرائی کی۔ جس پر عامر نے کندھے اچکا دیے۔

"مجھے کیا پتا۔"

"خیر --- تم فکر مت کرو..... ہم گھر آئیں گے تو بات کریں گے امی سے --- کہ وہ کا ہے عیسیٰ کو شہ دیے چلی جارہی ہیں۔"

"ہاں ..... ہاں ضرور کہیے گا۔" وہ تو ظاہر ہے، یہاں کرنے ہی چغل خوری آیا تھا سو خوش ہو کر بولا۔ "کچھ کھانے کو دل چاہے تو بتا دیا کریں۔ میں لا دوں گا۔"

"ہاں پاکستان چوک سے بہاری کباب لائے دو نا ہم کو --- بہت دن سے کھائے نہیں ہیں ہم ---"

☆☆☆

digest novels lovers group 🌹

"سر --- سر عیسیٰ ---"

"کون سر عیسیٰ؟" سہراب نے تعجب سے پوچھا --- وہ حیران تھا کہ یکایک اس پری وش کے چہرے پر سفیدی کیوں چھا گئی۔

"وہی --- " وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں بولی۔ "وہ جو سامنے کھڑے ہیں۔"

"سامنے کھڑے ہیں؟" اور سامنے کھڑا جو اپنی بظاہر پرسکون مگر تلاطم خیز نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اور جس پر سہراب کی نظر اب پڑی تھی۔ وہ پورے اطمینان و اعتماد سے چلتا ہوا ورنی کی جانب نہیں بلکہ سہراب کی سمت آیا تھا۔

"صاعقہ کا بیٹا --- سہراب خان ---" اس نے اپنی گھنے بالوں سے اٹی مضبوط ہاتھ میں کلائی گاڑی کی کھلی کھڑکی پر آرام سے بچھاتے ہوئے سرسراتے لہجے میں خدا جانے اسے پکارا تھا یا پھر کچھ "باور" کرایا تھا۔ سہراب سمجھ نہیں سکا مگر وہ چونکا ضرور بے بھرپور انداز سے تھا۔

"تم!" جواباً اس نے محض اس "تم" پر اکتفا کیا مگر لہجے میں جو زہر آلود تنفر موجود تھا۔ وہ اس "تم" کا پورا سیاق و سباق بیان کرتا تھا۔

"ہاں میں ---" وہ سرد لہجے میں بولا۔ "تو تم باز نہیں آئے اپنی حرکتوں سے"

"میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔" وہ سخت لہجے میں تقریباً اسے جھڑک کر بولا۔

"ہٹو پیچھے......"

"تم جانتے ہو کسی کو تباہی کے دہانے پر دیکھ کر بے شرموں کی طرح پیچھے ہٹ جانا میری سرشت نہیں۔" یہ جواب گو کہ متوقع تھا مگر پھر بھی سہراب بھڑک گیا۔

"بکواس بند کرو اور ہٹو یہاں سے۔"

"جسے ساتھ بٹھا رکھا ہے، اسے باہر نکالو ---" وہ سہراب کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر تندی سے بولا۔

"اے --- "سہراب اسے "بیٹا" نہ دیکھ کر اکھڑے لہجے میں بولا۔ "تمیز سے بات کر رہا ہوں تو اسے میری کمزوری مت سمجھو --- اور ہٹ جاؤ پیچھے۔"

"گاڑی سے باہر نکلو ورنی ---" اس بار عیسیٰ نے اسے نظر انداز کر کے، اس عجیب و غریب صورت حال کو سمجھنے کی کوشش میں تھر تھر کانپتی ورنی کو براہ راست مخاطب کر کے حکمیہ لہجے میں کہا تھا۔ سہراب اچنبھے میں پڑ گیا۔

"تم......" اس نے گردن گھما کر ایک عجیب نگاہ پہلے حال سے بے حال ہوتی ورنی پر ڈالی پھر دوبارہ عیسیٰ کی جانب متوجہ ہوتا، تحیر آمیز لہجے میں بولا۔ "تم کیسے جانتے ہو اسے؟"

"نہ صرف اسے...... بلکہ ورنی کے پورے خاندان سے واقف ہوں میں......" اس نے بڑے آرام سے بتایا اور ایک مرتبہ پھر ورنی کو سابقہ لہجے میں مخاطب کر کے بولا۔

"باہر نکلو ورنی......" اور ورنی جس کے رہے سہے اوسان بھی خاندان کا ذکر آ جانے پر جاتے رہے تھے اس بار بنا کچھ سوچے سمجھے جھٹ گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی...... تب عیسیٰ نے ایک سخت ملامتی، متاسف نگاہ بنا کچھ کہے اس کے بے رنگ چہرے پر ڈالی اور پاس سے گزرتا رکشہ روک کر ڈرائیور سے کچھ بات چیت کر کے اس تک آیا۔

"ڈرائیور کو میں نے تمہارے گھر کا پتا سمجھا دیا ہے۔ رکشے میں بیٹھ جاؤ اور سیدھی گھر جانا۔ شام کو گھر پر ملاقات ہوگی۔"

اور وہ جو اس لمحے حد درجہ سراسیمگی کے باعث خالی الذہن سی ہو رہی تھی، بنا کچھ کہے، سنے میکانگی انداز سے فوراً ہی رکشے میں بیٹھ کر روانہ ہوگئی۔

اور اس کے منظر سے جاتے ہی عیسیٰ نے ایک سلگتی طیش آمیز نگاہ تا حال وہیں جے کھڑے سہراب خان پر ڈالی اور پھر مڑ کر اپنی بائیک پر سوار ہو گیا۔

"مرے گا...... یہ مرے گا میرے ہاتھوں سے" بائیک کے وہاں سے آگے بڑھتے ہی گویا سہراب کسی نیند سے جاگ کر تلملاتے بڑبڑایا تھا۔

اس کی رگوں میں اس وقت لہو کی جگہ لاوا گردش کر رہا تھا۔

شکاری کے جبڑے سے "شکار" ایک بار پھر وہ خدائی فوج دار باحفاظت نکال لے گیا تھا۔ اور اس بار یہ "شکست" اس سے برداشت نہ ہو پا رہی تھی۔

"اس بار تجھے تہس نہس نہ کر دیا تو میرا نام بھی سہراب خان نہیں۔"

☆☆☆

"ہاں راجپوت...... کیا رہا؟" امیر علی خان نے اس وقت "اپ ڈیٹ" لینے کی غرض سے تیمور راجپوت کو فون ملایا تھا۔

"پہلے تو ہاتھ نہیں آ رہی تھی......" تیمور راجپوت اس وقت راستے میں تھا اور کسی کام کے سلسلے میں ڈی سی آفس کی طرف جا رہا تھا۔ بہت محتاط اور نپے تلے سے لہجے میں جواباً تفصیل ان کے گوش گزار کرتا ہوا بولا۔

"مگر جب میں نے اس کے گھر جانے کی بات کی تو اب دو چار روز بعد ملاقات کا وقت دے دیا ہے۔"

"ویلیں ویری گڈ......" امیر علی خان بے ساختہ توصیفی انداز سے بولے۔

"کیا کہتے ہو...... کوئی سرا ہاتھ لگ سکتا ہے؟"

"امید تو ہے...... پر حتمی طور پر تو اس سے ملاقات کے بعد ہی کچھ کہہ سکوں گا۔" وہ پیشہ ورانہ لہجے میں بولا۔

"او کے...... او کے۔" ظاہر ہے کہ یہ ان کے سوال کا موزوں ترین جواب تھا سو وہ مطمئن سے ہو کر بولے۔

"آل دا بیسٹ اور بہت شکریہ کہ تم نے میرے کہنے پر یہ اہتمام تفتیش کر لیا۔"

"مائے پلیژر خان۔" وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔ "ایک طرح سے اچھا ہی ہوا جو تم نے میری توجہ ادھر مبذول کروا دی...... ویسے یہ وقائل کیس بن جائے گا اب تو یہ...... شہرت ملنے کے بہت مواقع ہیں۔"

"ہاہاہا......" امیر علی خان اس کی ازراہ تفنن کی گئی اس بات پر دل کھول کر ہنسے۔

"اچھا خان رکھتا ہوں۔۔۔" ڈی سی آفس قریب آتے دیکھ کر اس نے اجازت چاہی۔
"او کے۔۔۔ او کے۔۔۔ اللہ حافظ۔۔۔"
"کیا ہوا سر؟" ان کے کان سے فون ہٹاتے ہی میز کی دوسری جانب بے قرار بیٹھا فاروق احمد نے بے صبری سے استفسار کیا۔
"دو چار دن بعد کا وقت دیا ہے ڈی پی او نے۔" انہوں نے فون میز پر رکھتے ہوئے اسے بتایا۔
"اور ان دو چار دنوں میں وہ کیا کرے گی؟" وہ تیوری پر بل ڈال کر بولا۔
"ظاہر ہے کہ اپنی حفاظت کا انتظام۔"
"لیکن سر! پھر اس طرح تو۔۔۔"
"پلیز ینگ مین۔۔۔" امیر علی خان نے اس کے اتاؤلے پن پر عینک کی اوٹ سے اسے تیکھا گھورتے ہوئے کہا۔ "بی پیشنٹ۔۔۔ کام کر رہے ہیں ہم۔۔۔ اور تم جانتے ہو کہ ہمارے ہاں کام اس طرح ہی ہوتا ہے۔"

☆☆☆

"ہیں۔۔۔ یہ یہاں کیا کر رہا ہے اس وقت؟"
زنگ آلود صدر دروازے کے کھولے جانے کی تیز چیختی سماعت کو گراں گزرتی آواز پر اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اور سامنے موجود پورچ اب خالی نہ تھا بلکہ چند مانوس سے "اجنبی" چہرے وہاں موجود تھے۔ ان کے ہاتھوں میں شاپنگ بیگز کا ڈھیر تھا۔ لبوں پر کسی کو خاطر میں نہ لانے والی مسکراہٹ، چمکتی آنکھوں میں سفاکی، چال میں غرور اور لہجے میں دوسروں کے لیے تمسخر آمیز حقارت۔
"سو ہی رہا ہوگا۔۔۔ اسے اور کام ہی کیا ہے؟" گھر کے اندرونی حصے کی جانب اپنی ہمشیرگان کے ہمراہ بڑھتی ویسا مذاق اڑاتے لہجے میں جواباً بولی کہ جسے سن کر اس کا دم گھٹنے لگا۔
شاید فضا زہر آلود ہو گئی تھی۔۔۔ اس قدر کہ گویا ایک سانس بھی لینا دشوار ہو گیا۔۔۔ تب وہ اپنے حلیے، وقت، طبیعت ہر شے سے بے پروا ہو کر وہاں سے اٹھا اور گھر سے باہر نکل آیا۔
"آوارہ۔۔۔ رات کے اس وقت گھر سے باہر کہاں جا رہا ہے۔"
اپنے عقب میں اس نے ایک بدلحاظ مگر کھنکناتی آواز سنی۔۔۔ جسے ان سنی کرنا اس کی مجبوری تھی۔۔۔ " پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے، چہار اطراف پڑے سناٹے کے فراخ سینے پر بے نشان قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے دور چلا آیا۔ جہاں اب سے بس کچھ ہی دیر پہلے اس کا گھر موجود تھا۔
اب اس کے ہر بڑھتے قدم کے ساتھ ایک منظر لپٹ رہا تھا، اور وہ جو سر جھکائے خراماں خراماں چلتا جا رہا تھا۔ اب اس منظر میں کھو چکا تھا کہ جس میں اس کے گھر کے باہر واقع سرسبز کیاری کے ساتھ کھڑا عثمان عیسیٰ سے استفسار کر رہا تھا۔

"کیا ہوا ملا جرگل؟"
"نہیں یار۔۔۔" جواباً عیسیٰ بے پناہ تفکر سے بولا۔
"کہیں نہیں ملا۔۔۔"
"حیرت کی بات ہے۔" اس نے کہا۔ "یوں گھر سے آخر تمہارا جرگل غائب کہاں ہو گیا؟"
"پتا نہیں یار۔۔۔" وہ بددلی سے بولا۔ "ابھی تو میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ کل کیا کروں گا؟"
"یار۔۔۔ اب اتنی جلدی جرگل دوبارہ ملنا تو ممکن نہیں۔" عثمان نے بھی کہا۔
"تو اب کیا کروں؟"

"اب تو یہی ہو سکتا ہے کہ جو بنے بنائے جرنل ملتے ہیں، وہی خرید کر سب مت کروا دو۔" عثمان نے صلاح دی۔
"تمہارا مطلب ہے کہ ریڈی میڈ جرنل؟" عیسیٰ نے پرسوچ سے لہجے میں پوچھا۔
"ہاں......"
"پر ٹیچر ان کے نمبر کاٹ لیتے ہیں یار......" وہ بے چارگی سے بولا۔
"ہاں یہ تو ہے۔" عثمان نے تاسف سے گردن ہلائی۔ "پر اب اتنے کم وقت میں اور کر بھی کیا سکتے ہو تم......"
"اتنی محنت اور لگن سے بنایا تھا میں نے اپنا جرنل۔" وہ رنجیدگی سے بولا۔
"پتا نہیں کہاں چلا گیا...... حالانکہ میں نے نماز حاجت پڑھ کر دعا بھی مانگی مگر وہ نہیں ملا......"
"چل یار...... کوئی بات نہیں۔" عثمان اسے دلاسا دینے کی خاطر کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔
"ہو جاتا ہے...... بہرحال...... میں بک اسٹال جا رہا ہوں...... چاہو تو میرے ساتھ چل کر جرنل خرید لو...... اگر وہاں نہیں ملا تو پھر اردو بازار جانا پڑے گا۔"

☆☆☆

"اے بیٹی...... اگر طبیعت زیادہ بگڑ رہی تھی تو وہاں سے گھر میں کسی کو فون کر دیا ہوتا...... یوں اس طرح رکشے میں اکیلے بیٹھ کر آنے کی کیا ضرورت تھی......"

وہ جیسے تیسے گھر تک پہنچ تو گئی تھی پر گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے ہاتھ پیر ڈال دیے تھے۔ سو قدرتی طور پر گوشہ عافیت کے سارے ہی موجود مکین اس کی دگرگوں حالت دیکھ کر پریشان ہو اٹھے تھے۔

"بہت چکر آ رہے تھے تائی بیگم......" وہ جو عارفہ کا فافٹ لا کر دیا ہوا لیموں والا ٹھنڈا ٹھار لال شربت گھونٹ گھونٹ حلق سے اتار رہی تھی، لیاقت بیگم کے تشویش زدہ سے لہجے میں کہنے پر ان سے نگاہیں چراتے ہوئے بولی۔ "اس لیے اس وقت جو سمجھ میں آیا۔ وہ میں نے کر لیا۔"

"ہاں...... ہاں ٹھیک ہے۔" وہ بے چاری اپنی عزیز از جان کی خستہ حالی دیکھ کر واقعتاً سخت متفکر تھیں، تب ہی جلدی سے اس کی "وضاحت" تسلیم کرتے ہوئے سادگی سے بولیں۔ "جو کیا اچھا ہی کیا...... اب بہتر محسوس کر رہی ہو یا ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟"

"میرا خیال ہے کہ گرمی کے باعث بی پی لو ہو گیا تھا اس کا......" عارفہ ساس کے چہرے پر چھایا تفکر دیکھ کر ہمدردی سے ان کی تسلی کی خاطر بولیں۔ "ایسی کوئی پریشانی کی بات نہیں کہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت محسوس ہو۔ کیوں ورنی؟"

"جی امی بیگم......" ورنی نے خالی گلاس سامنے کھڑی متاسف نگاہوں سے اسے دیکھتی واطلہ کو تھماتے ہوئے تائیداً کہا۔ "آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ آج گرمی بھی تو بہت تھی۔"

"ہائے نقاہت کے چہرہ دیکھو کیسا پیلا پھٹک ہو رہا ہے۔" لیاقت بیگم کے دل کو تو ہولے لگ گئے تھے سو وہ غیر مطمئن سے لہجے میں عارفہ کی جانب دیکھ کر بولیں۔ "میں تو کہتی ہوں، اتنی آسانی سے کیسے قائل ہو جائیں، تب ہی ڈاکٹر کے پاس لے ہی چلتے ہیں اسے۔"

"لڑکی ذات کو حد درجہ نازک مزاج بنا رکھا ہے۔" شریفہ نخوت سے بولیں۔ "سب اسی کا نتیجہ ہے۔" وہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں کہ یہ وقت ان کے قیلولے کا تھا اور جسے وہ اس ورنی کی بچی کے لیے برباد نہیں کر سکتی تھیں۔

"میں کہہ تو رہی ہوں کہ اب ٹھیک ہوں......" ورنی، شریفہ کے تبصرے پر روہانسی سی ہو کر بولی۔ "نہیں بابا مجھے کسی ڈاکٹر وغیرہ کے پاس

"ہاں ...... ہاں مت جاؤ۔" عارفہ اس کی کیفیت کے پیش نظر اسے پکار کر بولیں۔

"بس اب اپنے کمرے میں جا کر اچھا سا غسل کرو اور اطمینان سے سو جاؤ۔ چلو رجا ..."
انہوں نے بولتے بولتے بے تاثر چہرے کے ساتھ صوفے پر لاتعلقی سے براجمان رجا کو اچانک مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "وری کو سہارا دے کر کمرے تک پہنچا دو بیٹا۔"

"چلو ......" رجا دل نہ چاہنے کے باوجود ماں کو انکار نہ کر سکی سو کرسی سے اٹھ کر اس تک آئی اور مشفق انداز میں ہاتھ اس کے سامنے کر دیا ...... جو وری نے ایک نظر اسے دیکھ کر تھام یوں لیا کہ وہ واقعتاً اس وقت کسی مضبوط سہارے کی شدید متلاشی تھی۔

"اماں بیگم ...... اب آپ بھی آرام کریں۔" ان دونوں کے سیڑھیوں کی سمت بڑھتے ہی عارفہ نے علاوت سے لیاقت بیگم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی ایک سرد سی سانس لے کر گھٹنوں پر زور دے کر اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں ......

"چاہو تو اپنی اس "حالت" کا اصل سبب مجھے بتا سکتی ہو۔" رجا نے اس کے ساتھ چلتے سرگوشی کی تھی اور وہ جو پہلے ہی خستہ حال تھی مزید لڑکھڑا گئی۔

"شک کرنے لگی ہو مجھ پر؟" پتا نہیں کیوں مگر اسے افسوس ہوا۔

"جواز تو تم ہی نے فراہم کیا ہے۔" وہ اجنبیت سے بولی تو وری کو غصہ آ گیا۔

"چھوڑ دو میرا ہاتھ ......" وہ ناراضی سے بولی۔ "خود جا سکتی ہوں میں ......"

"ہاں جانتی ہوں ......" رجا معنی خیز سے لہجے میں بولی۔ "بہت کچھ ایسا ہے جو اب تم اکیلے کر سکتی ہو جانا چاہتی ہو جاؤ۔" رجا نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ اور وہ جو اب کسی حد تک اعصابی دباؤ پر قابو پا چکی تھی۔ ایک خفگی بھری نگاہ پلٹ کر نیچے جاتی رجا پر ڈال کر تیزی سے اوپر چڑھتی چلی گئی۔

☆☆☆

"آپ کی غیر موجودگی میں یوں تو سب ٹھیک رہا مگر یہ جواز کی خولہ ہے، یہ کہیں فون ملانے کی کوشش کر رہی تھی۔"

دو چار روز بعد تو نہیں، البتہ موسم صاف ہوتے ہی ڈیڑھ دن بعد آتش پہلی دستیاب پرواز سے آتش کدہ لوٹ آیا تھا۔ سفر کی تکان ابھی اتری نہ تھی مگر "باخبر" رہنا بھی ناگزیر تھا۔ سو آتے ہی اچھا سا غسل کرنے کے بعد اپنے لکھنے، پڑھنے کے کمرے میں آ بیٹھا تھا اور اب بھی بلیک کافی کے گرما گرم گھونٹ بھرتے ہوئے اپنی غیر موجودگی میں یہاں ہونے والی سرگرمیوں کی بابت خاقان سے رپورٹ لے رہا تھا۔

اور خاقان تو گویا اس خولہ کی شکایت لگانے کو ہمہ تن تیار ہی بیٹھا تھا سو سب سے پہلے آتش کو اس نے اس کے متعلق آگاہ کیا۔

"کہاں ملایا تھا اس نے فون؟" وہ یہ اطلاع پا کر نہ بے چین ہوا نہ فکر مند اور نہ ہی مضطرب۔ بلکہ حد درجہ معمولی سے لہجے میں پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔" خاقان جیسے اپنی "نااہلی" از خود بھانپ کر شرمندہ سا ہو کر بولا۔

"ہوں ......" خاقان کافی کا خالی کپ میز پر دھرنے کے بعد، اطمینان سے صوفے کی پشت سے کمر ٹکا کر بایاں بازو پھیلا کر آرام دہ انداز سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اب تم ہی بتاؤ کہ میں اس ادھوری معلومات کا کیا کروں؟"

"معذرت چاہتا ہوں سر ......" وہ بے پناہ شرم ساری سے بولا۔ "یقیناً مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے فوراً پتا کرنا چاہیے تھا کہ اس نے کہاں فون ملایا ہے۔"

"خیر دیکھا جائے گا ..." وہ بے پروائی سے دایاں ہاتھ ہلا کر بولا۔ "اور کوئی خاص بات؟"
"جی سر ..." وہ اگلی "خاص بات" چونکنے سے انداز میں بتانے لگا "وہ بی ڈی میڈم بہت پریشانی میں دھر آئی تھیں۔ اور وہ شرر ... وہ بھی آپ سے ملاقات کی غرض سے آیا تھا۔"
"یہ تو میں جانتا ہوں ..." وہ متانت سے بولا۔ "اگر اس کے علاوہ کوئی اور اہم بات ہے تو مجھے بتاؤ ... پھر میں کچھ دیر آرام کر لوں گا۔"
"نہیں سر ..." وہ مؤدب سے لہجے میں بولا۔ "اور تو کوئی بات نہیں ..."
"ہوں ... تو چلو میں کچھ دیر آرام کرنے جا رہا ہوں ... ڈنر پر ذرا اہتمام کروا لینا اور شام ڈھلنے کے بعد بی ڈی کو کال کر کے رات کے کھانے پر مدعو کر لینا۔ اس سے کہنا کہ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں ..."

☆☆☆

میرے ہاتھوں میں نو نو چوڑیاں ہیں
ذرا ٹھہرو سجن، مجبوریاں ہیں ...

رات بھر علاقے کی سڑکوں پر سرگرداں رہ کر جس دم وہ گھر کی جانب واپس پلٹا صبح کا تارا طلوع ہو چکا تھا۔ گھر کے دروازے اب اس پر کھولے نہیں جاتے تھے سو وہ لوہے کا دروازہ پھلانگ کر اندر پورچ میں کودا اور بجائے لاؤنج کے لان سے گھر کے پچھلے صحن کو جاتی پتلی سی گلی سے گزر کر اپنے کمرے میں چلا آیا اور اس کے تعاقب میں ایک یاد بھی چلی آئی تھی۔
اس کے دسویں کے امتحانات میں چند ہی روز باقی تھے کہ جب آپا ہاشمی کی شادی کی تاریخ ٹھہرا دی گئی۔
چوں کہ روپے پیسے کا کوئی مسئلہ نہ تھا لہٰذا جھٹ پٹ ساری تیاریاں بھی ہو گئیں اور آج گوٹا کناری سے سجے گہرے پیلے سوتی شلوار قمیص میں گھنی کرن سے سجا دھنک رنگ دوپٹا آدھے چہرے پر ڈالے، کنارے منڈوں میں ڈھیروں بیٹے سجائے صبیح و روشن چہرے والی آپی کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔
وہی روایتی ہنگامہ خیزی ... عزیز و اقارب کا شادی سے ہفتہ، دو ہفتہ قبل گھر میں پڑاؤ ... سہاگ گیت ... ڈھیروں سرتیں ... مگر پھر بھی ... کچھ تھا ... کوئی نامعلوم سا احساس، جو اس سارے خوش گوار ماحول پر سرمئی سائے کی مانند رفتہ رفتہ چھاتا جا رہا تھا۔ مگر فی الوقت کوئی بھی سمجھنے سے قاصر تھا۔
عیسیٰ کو کمرے میں بند ہو کر پڑھائی کرنے کا حکم ملا تھا۔ سو وہ باہر جاری سارے شور و غل سے بمشکل تمام دھیان ہٹا کر ساری توجہ پڑھائی پر مرکوز کیے ہوئے تھا۔ تب ہی دھیرے سے کمرے کا دروازہ کھول عامر اندر داخل ہوا۔
"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ یقیناً اپنے تئیں سب سے نظر بچا کر بہت محتاط انداز سے یہاں آیا تھا مگر یہاں پہلے ہی سے موجود عیسیٰ کو دیکھ کر ٹھٹک ہو گیا۔
"سارے گھر میں کہیں جگہ نہیں ... اس لیے یہاں بیٹھ کر پڑھ رہا ہوں۔"
"بڑے پڑھاکو بن رہے ہو ..." وہ نہ جانے کیوں تلملا گیا۔
"چند روز سے پیپر ہیں میرے ..." اس نے سنجیدگی سے بتایا۔
"پیپرز کا اتنا ہی خیال تھا تو پہلے ہی سے تیاری کرتے ..." وہ طنزیہ بولا۔
اب وہ اس پر کیا کہتا کہ تیاری تو ظاہر ہے وہ پہلے ہی سے کر رہا تھا۔ یہ تو اس کے امتحانات کے دنوں میں شادی کی تاریخ ٹھہرانے والوں کو سوچنا چاہیے تھا کہ اس کے امتحان ہیں۔ شادی کی تاریخ درمیان میں آ گئی۔
"چلو ابھی باہر جاؤ ... مجھے تھوڑا کام ہے کمرے میں ..." وہ تحکمانہ لہجے میں چند ثانیے بعد بولا تو عیسیٰ

بے بسی سے جھنجلا گیا۔
"مگر میں پڑھ رہا ہوں۔"
"ہاں سن لیا ۔۔۔ پر کہانا، ابھی باہر جاؤ۔" اس نے آنکھیں دکھائیں۔ "تھوڑی دیر بعد واپس آجانا۔"
وہ اپنے "حکم" سے پیچھے ہٹنے پر تیار نہ تھا۔ موسیٰ نے ایک بے چارگی بھری احتجاجی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنی کتاب وہیں پٹخ کر کمرہ عبور کر گیا۔ تب اس نے سرعت سے کمرہ مقفل کیا اور ایکس ٹینشن سے وینا کو فون ملا کر بیٹھ گیا۔
"کیا تکلیف ہے ۔۔۔ بار بار فون کیوں کر لیتے ہو؟" فون بار بار وہ اٹھا لیتی تھی تاہم خفگی سے بولی۔
"بار بار ۔۔۔" وہ بشاشت سے بولا۔ "اللہ کو مانو ۔۔۔ آج پورے چار دن بعد فون کر رہا ہوں۔"
"ہاں تو کیوں کر رہے ہو۔ مت کیا کرو۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔
"حق ہا ۔۔۔ اب تک ناراض ہو؟" وہ مایوسی سے بولا۔
"ناراضی تو اپنوں سے ہوتی ہے۔" اس نے خاص طور پر جتایا۔
"تو کیا میں تمہارا اپنا نہیں۔" وہ شاکی ہوا۔
"ہوتے تو ثابت بھی کرتے۔" وہ طنز سے بولی۔
"میں کوشش کر تو رہا تھا۔ پر تم نے اعتبار ہی نہ کیا" اس نے اپنی صفائی دی تھی گویا۔
"جتنی دیر تم انکار رہے تھے۔ ایڈمیشن کا وقت نکل جاتا تھا" وہ اس کی وضاحت کو اہمیت نہ دیتے ہوئے بولی۔
"کیا ہوا ۔۔۔ ایڈمیشن ہو گیا تونی کا؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں تو ۔۔۔" وہ اترا ہٹ سے بولی۔ "کیا تم یہ سمجھ رہے تھے کہ اگر تم ایڈمیشن نہیں کراؤ گے تو نہیں ہوگا ۔۔۔؟"
"میں ایسا کیوں سمجھوں گا۔" وہ کھسیا کر بولا۔
"خیر یہ بتاؤ اس وقت فون کیوں کیا ہے؟"
"دیدی کی شادی ہو رہی ہے۔" اس نے بتایا۔
"کون دیدی؟" وہ ذرا سا چونکی۔
"میری بہن۔"
"اچھا ۔۔۔" وہ مطمئن ہو کر بولی۔ "تو؟"
"تو یہ کہ میں تمہیں انوائٹ کرنا چاہتا ہوں ۔۔۔"
"اتنا تو ڈرتے ہو اپنے گھر والوں سے۔" وہ اس پر تمسخر سے ہنسی۔ "مجھے بلا ہی لیا تو گھر والوں سے کیا کہہ کر متعارف کرواؤ گے۔"
"کہہ دوں گا کہ تم ۔۔۔ تم زندگی ہو میری ۔۔۔" وہ سوچتے ہوئے مجنونانہ سے لہجے میں بولا۔
"ہا ہا ۔۔۔" وہ بے ساختہ ہنسی۔ "فلمی ڈائیلاگ۔ اور وہ یہ سن کر مجھے سر آنکھوں پر بٹھائیں گے نا ۔۔۔"
"تم ابھی مجھے جانتی نہیں ہو۔" وہ اس کے مذاق اڑانے پر سخت برا مان کر بولا۔
"میں چاہوں تو یہ کرشمہ کر بھی سکتا ہوں۔"
"اچھا ۔۔۔ چلو ۔۔۔ پھر دکھاؤ اپنی یہ کرشمہ سازی۔" اس نے جیسے عامر کو کھلا چیلنج دیا۔
"یعنی تم آنے کی ہامی بھر رہی ہو۔" وہ خوش ہو کر بولا۔
"ہاں ۔۔۔" وہ معنی خیز انداز سے بولی۔ "میں بھی تو دیکھوں کہ تم میں کتنا دم خم ہے۔"

☆☆☆

اب کیا سوچیں کیا ہونا ہے
جو ہوگا اچھا ہوگا.....

''کیسے..... اس مسکی کے ہوتے ہوئے اب جو ہوگا وہ کیسے اچھا ہوگا؟'' اس کے نیم تاریک وخنک کمرے میں گونجتی اس کے من بھاتے مغنی کی آواز تو اسے دلاسے دے رہی تھی مگر وہ کوئی نادان طفل نہ تھا، تب ہی اپنے داہنے ہاتھ سے بائیں ہتھیلی پر پوری شدت سے مکا مارتے ہوئے دانت کچکچا کر بڑبڑایا تھا۔

''کیا کروں..... اس حرام زادے کا کیا کروں میں؟'' اس نے وحشت سے کمرے کی ہر شے تہس نہس کر ڈالی۔

''تم نے پہلے بھی کیا کرلیا تھا؟'' کوئی اندر سے اس پر ہنسا تھا۔

''کس قدر سنہری موقع تھا آج اس مہکتے گلاب سی، شوخ وشنگ، دھنک دھنک سی تتلی کے رنگ چرانے کا۔ اور وہ کمینہ جانے کہاں کدھر سے وہاں آٹکا اور آٹکا تو ٹکا..... اب کیا یہ ضروری تھا کہ وہ ورتی سے واقفیت بھی رکھتا۔'' وہ سوچ سوچ کر دونوں ہاتھوں سے پاگلوں کی طرح اپنے بال نوچنے لگا۔

''اب تک تو وہ ''بہت کچھ'' بتا چکا ہوگا ورتی کے گھر والوں کو میرے بارے میں۔'' اس کی اصل تشویش یہی تھی۔

''کیا کروں؟ فون کروں اسے.....'' اس نے سرعت سے اپنے بال چھوڑ کر لپکتے ہوئے فون اٹھا کر ورتی کا نمبر ڈائل کیا مگر.....

''آپ کے مطلوبہ نمبر سے فی الوقت رابطہ.....''

دوسری طرف چلنے والی ٹیپ نے اسے یاد دلایا کہ وہ دن میں فون آن ہی کہاں کیا کرتی تھی۔

''ڈرپوک، بزدل، کم ہمت.....'' وہ فون بستر پر اچھال کر جلے بھنے لہجے میں بڑبڑایا کیا سے اس وقت اس قبالہ پر بھی بے طرح طیش آرہا تھا اور ایک اسی پر کیا موقوف..... وہ تو اس سے زمین سے لے کر آسمان تک کو یا ہر شے پر غبار کر رہا تھا ماسوائے اس ''امرت جل'' کے..... جو ایسے ''کڑوے وقتوں'' میں ہمیشہ ہی اس کا بے لوث ہمدرد ساتھی ثابت ہوا کرتا تھا۔

سو اس لمحے بھی اس نے نیم دیوانوں کی سی حالت میں، سرمئی صوفے کے سامنے دھری شیشے کی سطح والی چھوٹی سی میز پر بڑے اہتمام سے سجے اس دیرینہ رفیق کو اٹھا کر لبوں سے لگا لیا اور کچھ دیر کے لیے جیسے دنیا و مافیہا کے ہر غم سے بے نیاز ہوگیا۔ کچھ دیر کے لیے!

☆☆☆

''یہ کیسے پاگل شخص کو تم نے یہاں تک رسائی دے رکھی ہے؟''

خاقان کے فون کی دیر تھی، رات وہ پہلی فرصت میں آتش کے مقابل موجود تھی..... مشائیہ تناول کیا جاچکا تھا۔ اور اب وہ آتش کدے کے کتب خانے میں اس کے سامنے بیٹھی ''باقاعدہ گفتگو'' کا آغاز کررہی تھی کہ کھانے کی میز پر تو وہ بوجوہ زیادہ تر لب کشائی سے گریزاں ہی رہی تھی۔

''کون؟'' وہ پیپر کی نسبت، سیاہ شلوار اور گھٹنوں سے ذرا اونچے آرام دہ کرتے میں ملبوس بشاش سا آتش دل چسپی سے پوچھنے لگا۔ ''کس کی بات کررہی ہو؟''

''وہ آئی کھنگ شرر.....'' وہ ٹانگ پر ٹانگ جما کر ذرا ترچھے انداز سے بیٹھتی ہوئی ذہن پر زور ڈال کر اس کا نام یاد کرتے ہوئے بولی..... ''شرر نام بتایا تھا اس نے اپنا.....''

''شرر.....'' آتش مسکرایا۔ ''تو تمہاری اس سے ملاقات ہوگئی۔''

Scanned with CamScanner

"ہاں اس روز جب تم یہاں نہیں تھے۔" وہ تنفر سے بالوں کا جوڑا سا بناتی ہوئی بولی۔

"اور وہ تمہیں پاگل لگا؟" آتش متبسم لہجے میں گویا ہوا۔

"کیا نہیں ہے؟" بی زی نخوت آمیز بےزاری سے بولی۔

"اگر ہے بھی..." دفعتاً آتش کی آنکھوں میں وہی چمک ابھری کہ جس کے آگے ہزار ہا ہیروں کی جگمگاہٹ ماند محسوس ہوتی تھی۔ "تو بس جان لو... کہ اس کی یہی دیوانگی تو ہمارے لیے کارآمد ہے..."

"کبھی کبھی میں تمہاری باتیں سمجھ نہیں پاتی ہوں..." وہ کچھ خائف سی ہو کر سیدھی ہوئی۔

"تمہیں ہر بات کی سمجھ ہو... یہ ضروری بھی نہیں..." وہ گمبھیر سے بولا۔

"بس میری تقلید ضروری ہے تمہارے لیے، سو کیے جاؤ..."

"کرتی ہوں..." وہ جیسے کسی سحر کے زیر اثر لہجے میں بولی... "تب ہی تو ہر پریشانی میں سب سے پہلے تم ہی سے رجوع کرتی ہوں..."

"کیا بنا تمہارے مسئلے کا؟" آتش کو بی زی کی عقیدت مندی نے محظوظ کیا تھا، سو مسرور سے لہجے میں اس کے "مسئلے" کی جانب آتا مستفسر۔

"تم یہاں تھے نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بتانے لگی۔ "اور اس بارے میں تم سے فون پر کچھ ڈسکس کرنا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ کیا پتا میرا فون ٹیپ ہو رہا ہے۔"

وہ یقیناً خوف زدہ ہو کر ضرورت سے زیادہ محتاط ہو رہی تھی... پر اس بات کا امکان رد بھی نہیں کیا جا سکتا تھا سو آتش دھیرے سے سر ہلا کر تائیداً بولا۔

"ممکن ہے... بہرحال تم نے کیا حل نکالا اس مسئلے کا؟"

"اس روز وہ "پاگل" کہہ رہا تھا کہ اللہ کے بعد اگر کوئی ہماری مدد کر سکتا ہے؟ تو وہ ہم خود ہیں۔ سو میں نے اپنی مدد آپ کے تحت جو سمجھ میں آیا وہ کیا۔"

"کیا کیا؟" پتا نہیں کیوں مگر یہ سن کر آتش کے روم روم میں جیسے ہیجان بپا ہو گیا تھا مگر چوں کہ کسی پر یوں "ظاہر" ہو جانا اس کی فطرت نہ تھا سو بظاہر تحمل سے اس نے جاننا چاہا تھا۔

"میں نے اس آفیسر سے دو چار روز کا وقت مانگ لیا تھا۔" بی زی نے اپنا حل اس کے گوش گزار کرتے ہوئے کہا۔ "خیال یہی تھا کہ تب تک تم یقیناً آ ہی جاؤ گے... اب اس سے زیادہ میں اپنی مدد اور کیا کر سکتی تھی..."

"ہوں..."

"تو بتاؤ... اب میں کیا کروں؟" وہ احمقوں کی طرح اس کا تاثر سے عاری چہرہ تکتی ہوئی بولی۔

"اپنے وکیل کے ہمراہ اس سے ملاقات کر لو..."

"وکیل؟" بی زی یہ سن کر ذرا سی حیران اس لیے ہوئی کہ وہ گمان کر رہی تھی کہ شاید آتش اس آفیسر کا کوئی خاطر خواہ "انتظام" کروا دے گا۔

"ہاں بی زی۔" وہ ناصحانہ بولا۔ "مسئلے کا سامنا کرنا سیکھ جاؤ اب... فرار کسی مشکل کا کوئی پائیدار حل تو نہیں..."

"واقعی... ٹھیک کہہ رہے ہو تم..." بات جیسے فوراً ہی اس کی عقل میں آ گئی تھی تب ہی زور و شور سے سر ہلا کر بولی۔ "اور پھر میں نے کیا ہی کیا ہے جو خوامخواہ اتنا ڈر رہی ہوں۔"

"بالکل..."

"بہت شکریہ آتش۔" چوں کہ ہمیشہ کی طرح وہ آتش سے بات چیت کر کے قلبی طور پر شانت ہو چکی تھی، سو عقیدت سے آنکھیں بند کر کے، اپنا سر اس کے سامنے ذرا سا خم کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کرنے والے لہجے میں کہا۔
"تم عظیم ہو..... تم عظیم ہو....."
اور آتش..... پہلے کی طرح ہی ذی کے اس عقیدت مندانہ انداز پر نہ شاد ہو سکا اور نہ ہی مسرور..... نہ جانے کیا بات تھی۔

☆☆☆

"کہاں جا رہے ہو؟"
باہر دن ابھر رہا تھا مگر اب اس کی "رات" ہو گئی تھی سو خواب کی مانند ایک اور منظر پلکوں تلے آ بیٹھا۔
دو دن قبل ذکی کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا اور اب کل لڑکے والوں نے بری لے کر آنا تھا۔ سو گھر میں اس حوالے سے انتظامات کیے جا رہے تھے۔
پورے گھر میں ہاہاکار مچی ہوئی تھی۔ اور مہمانوں کی موجودگی کے باعث حقیقتاً کوئی "جائے پناہ" نہ تھی سو بحالت مجبوری عیسیٰ اپنی کتب اٹھائے عثمان کی طرف جا ہی رہا تھا کہ عقب سے عامر نے اپنے مصنوعی میٹھے لہجے میں اسے پکارا کہ جسے عیسیٰ اب بخوبی سمجھنے لگا تھا۔
سو وہ چوکنا سا ہو کر ٹھہر ضرور گیا مگر پیچھے نہیں مڑا۔
"میں نے پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟"
"پڑھنے..... عثمان کے گھر....."
"اچھا..... اچھا....." وہ اس کے نزدیک آتے ہوئے بولا۔ "ہاں دیکھو..... میں کچھ کہوں گا تو خواہ مخواہ برا مانوں گا..... مگر گھر کے بڑوں کو سوچنا تو چاہیے تھا کہ ان دنوں تمہارے پیپر....."
"آپ کو کوئی کام تھا مجھ سے....." اس نے اکتا کر ٹوکا۔
"کہیں منسٹر لگے ہو، جو تم سے کام ہوگا....." وہ اس پر ہنس کر بولا۔
"تو پھر روکا کیوں ہے مجھے....." اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔
"ہاں ہاں....." وہ لہجہ سرسری سا بنا کر بولا۔ "وہ میں پوچھ رہا تھا کہ کیا تم اپنے دوستوں وغیرہ کو بھی ذکی کی شادی میں بلا رہے ہو؟"
"صرف عثمان کو....."
"کیوں؟" وہ تعجب سے بولا۔ "تمہارے تو اتنے سارے دوست ہیں، ان سب کو کیوں نہیں بلا رہے؟"
وہ کہہ نہیں سکا کہ وجہ تو آپ ہی ہیں..... ہاں یہی سچ تھا کہ وہ ان سب کے سامنے اس کے ہاتھوں اٹھائی ذلت کو تاحال فراموش نہیں کر پایا تھا۔
اس روز کے بعد اس نے اپنے لیے کسی کی آنکھ میں ہمدردی دیکھی تھی، تو کسی کی آنکھ میں استہزائیہ تمسخر، سو اس نے بھلائی ان سب سے کنارہ کش ہو جانے ہی میں جانی تھی۔
"کیا سوچنے لگے؟" اس نے بغور عیسیٰ کی جانب دیکھ کر پوچھا۔
"کچھ نہیں....." وہ سر جھٹک کر بولا۔ "اب جاؤں؟"
"چلے جانا..... پہلے پوری بات تو سن لو....." وہ خفا سا ہو کر بولا۔
"کہیں؟" وہ کسی قدر بےزاری سے بولا کہ اسے دیر ہو رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

"وہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ جو لڑکا نہیں تھا نونی ـــ" اس نے سنبھل کر کہنا شروع کیا۔
"کون نونی؟" عینی نے ماتھے پر بل ڈال کر ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
"وہی جس کا ایڈمیشن کروانا تھا ـــ" اس نے بتایا۔ "اس کا ایڈمیشن ہو گیا تمہارے ہی اسکول میں ـــ"
"یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" وہ سادگی سے بولا۔
"ہاں، تب ہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ تم اس سے دوستی کرلو اور اسے بلالینا نغمی کی شادی میں۔" وہ ہاتھ ہلا ہلا کر بہت مزے سے کہہ گیا۔
"جی؟" عینی نے بے حد حیران ہو کر اسے دیکھا۔
"کیوں؟ کیا میں نے کوئی بہت ہی ناسمجھ میں آنے والی بات کردی ہے؟" عینی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر وہ ثبالت سے بے طرح چڑ کر بولا۔
"بات تو ناسمجھ میں آنے والی کی ہے آپ نے ....." وہ صاف گوئی سے بولا۔
"تو تمہیں سمجھ کر کرنا بھی کیا ہے۔" وہ رعونت سے بولا۔ "بس جو میں کہہ رہا ہوں، تم وہ کرو ـــ"
"ٹھیک ہے ـــ" وہ جان چھڑانے والے انداز میں کہہ کر جلدی سے گھر کا صدر دروازہ عبور کر گیا مبادا وہ کوئی اور مطالبہ لے بیٹھے۔
اس نے تو ہامی بھر لی تھی پر عامر اب بھی غیر مطمئن تھا کہ وینا اگر نونی کے ساتھ شادی میں آ بھی جاتی تو تب بھی وہ بات نہ بنتی کہ جو وہ بنانا چاہ رہا تھا۔
"کیا کروں ـــ کیا کروں میں؟" وہ پورچ میں بھاگتے دوڑتے بچوں کو پریشان نظروں سے دیکھ کر سوچے گیا اور پھر ـــ
یکایک اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

☆☆☆

"کب سے جانتی ہیں آپ اس میراب کو؟"
وہ کمرے میں جا کر لیٹ تو گئی تھی مگر ساری دوپہر شام میں عینی کا سامنے کرنے کے خیال نے اسے ہراساں کیے رکھا تھا۔ چنانچہ جب وہ اپنے وقت پر اسے پڑھانے آیا تب اس نے ایک موہوم سی امید کے تحت خرابی طبیعت کا بہانہ بنا کر اسے ٹال دینا چاہا مگر وہ ٹلنے پر راضی نہ ہوا، اور اسے یہ کہہ کر بلوا لیا کہ بس آدھ گھنٹے میں فارغ کر دے گا سو مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق، اپنے اڑے اڑے سے تاثرات لیے وہ اس وقت ڈرائنگ روم میں عینی کے بالمقابل موجود تھی۔
"اسے ـــ مینا بجو کی شادی کے دنوں سے ـــ" وہ خشک ہو جانے والا گلا تر کرنے کی شدید خواہش لیے، مدھم سی آواز میں جواباً بولی۔
"ہوں ـــ" اس نے اپنے چوڑے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے مخصوص انداز سے کرسی کی پشت سے ٹکاتے ہوئے پرسوچ سے لہجے میں اگلا سوال کیا۔
"اور کیا کچھ جانتی ہیں آپ اس کے بارے میں؟" یہ نسبتاً زیادہ مشکل تھا۔ تب ہی ناسمجھی سے اسے دیکھ کر پوچھا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ ـــ" وہ ناچاہتے ہوئے بھی درشتی سے بولا۔ "کہ کتنا جانتی ہیں آپ اس شخص کے بارے میں جو اس طرح ... اس سے ملاقات کرنے چل پڑیں؟"

"اس نے بتایا ہے کہ اس کے ڈیڈ یو کے میں ہوتے ہیں۔" وہ جیسے بڑا مان کر اس کے بارے میں جو کچھ بھی جانتی تھی، جلدی جلدی بتانے لگی۔ "اور اس کی مدر بھی ان دنوں ان ہی کے پاس گئی ہوئی ہیں اور وہ خود یہاں اپنے ڈیڈ کا بزنس......"

"آپ کو ذرا بھی اندازہ ہے کہ آپ کر کیا رہی ہیں؟" وہ اس کے جواب پر اس قدر بے چین ہوا کہ خلاف عادت اسے درمیان ہی سے ٹوک کر کہہ بیٹھا۔

اس کے لہجے میں کوئی ایسا تاثر تو ضرور تھا کہ ایک لمحہ کو ورنی چپ رہ گئی۔

"وہ...... وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" چند ثانیے بعد جب وہ گویا ہوئی تو فوراً اسے اپنا لہجہ بہت بودا سا محسوس ہوا تھا۔

"ہاں...... شادی......" عیسیٰ اس کی یہ منطق سن کر بے ساختہ طنز آمیز طیش سے بولا۔ "کتنا فرسودہ اور گھسا پٹا جال ہے۔ جس میں آپ جیسی نادان لڑکیاں با آسانی پھنس جاتی ہیں۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس نے مجھے پھنسایا ہے؟" وہ حد درجہ ناگواری سے بولی......

"اگر نہیں۔" وہ اس مرتبہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر گویا اسے سمجھانے کی غرض سے بولا۔ "تو پھر آپ خود ہی بتا دیں کہ جو کچھ وہ آپ کے ساتھ کر رہا ہے۔ اس طرز عمل کو اور کیا کہتے ہیں۔؟"

"محبت......" اس بار ورنی کے لہجے میں کسی بھی قسم کی شرمندگی، خجالت یا کھسیاہٹ کا شائبہ تک نہ تھا بلکہ اس نے جیسے بہت تفاخر سے عیسیٰ کو آگاہ کیا تھا۔

"محبت......" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی استہزائیہ لہجے میں کہہ گیا۔

"اس پاکیزہ لفظ کی معنویت سے واقف بھی ہیں آپ؟"

"پہلے نہیں تھی......"

"ہوں......" اس کا انداز عیسیٰ کو بے طرح کھلا تھا تب ہی وہ سخت سے لہجے میں ہنکارا بھرتا۔ بولا۔ "یعنی مجھے آپ سے نہیں...... اب عماد سے بات کرنا پڑے گی۔"

"سر پلیز......" عماد کے ذکر پر وہ بوکھلا گئی...... تب ہی منت بھرے لہجے میں بولی۔ "آپ میرے ٹیوٹر ہیں...... ٹھیک ہے...... مگر اس سے زیادہ آپ میرے معاملے میں مت پڑیں۔"

"اچھا...... تو آپ کے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اس نے جاننا چاہا۔

"بہتر ہے کہ آپ...... آپ بس اپنے کام سے کام رکھیں۔" وہ بری طرح انگلیاں چٹخاتے بول گئی۔

"اور آپ کو کھائی میں گرنے دوں؟" وہ بولا۔ "نہیں بدر اور انظر...... میرے ضمیر کو یہ بات کسی صورت گوارا نہیں۔"

"سر پلیز......" وہ گلوگیر ہو کر بولی۔ "زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کی خالص محبت اور توجہ کا ذائقہ چکھا ہے۔ کوئی ہے جو صرف اور صرف میرا ہے۔ مجھ سے میری یہ خوشی مت چھینیں......"

"ورنی......!" وہ ظاہر ہے اس کی نفسیات سے کسی حد تک واقف ہی تھا سو اس بار بہت ہمدردی سے اسے دیکھتا، متاسف سے لہجے میں بولا۔ "مجھے آپ کی محرومیوں کا احساس ہے۔ مگر آپ سمجھ نہیں رہیں۔ سہراب ایک خطرناک انسان ہے۔"

"یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں؟" وہ پہلی بار عیسیٰ کے لہجے پر چونکی۔

"کیوں کہ میں اچھی طرح جانتا ہوں اسے۔" عیسیٰ گمبھیرتا سے بولا۔

"وہ آفندی...... وہ میری بھابھی کا بھانجا ہے۔"

☆☆☆

"اس بات سے سب ہی واقف ہیں کہ آپ کے اور مرحومہ کے درمیان کچھ عرصے سے سنجیدہ قسم کی دشمنی چل رہی تھی......"

بی ڈی کے وکیل شاہ زیب ہمدانی کے نفاست سے آراستہ دفتر کے ملاقاتی کمرے میں بیٹھا۔ خوب رو خوش قامت تیمور راجپوت اپنے سامنے براجمان پھول دار سرمئی پاجامہ اور اسی پرنٹ کی ڈھیلی ڈھالی سی شرٹ میں ملبوس بی ڈی سے سوالات کا باقاعدہ آغاز کر چکا تھا۔ اس کے ساتھ صوفے پر اس کا معاون بیٹھا نوٹس لے رہا تھا۔ جب کہ اس نے اپنے فون کا ریکارڈر بھی آن کر رکھا تھا۔

"دشمنی؟" جواباً بی ڈی سے قبل شاطر صورت، مکار آنکھوں والا ہمدانی گویا پھڑک کر بولا تھا۔ "کیا بات کرتے ہیں آفیسر...... آپ سے کس نے کہا؟"

"میں میم سے بات کر رہا ہوں۔" اس نے بی ڈی کے سنگل صوفے کے ساتھ دھرے صوفہ کرسی پر چوکی سے براجمان ہمدانی کو گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔ تو وہ خواہ مخواہ اپنی گردن سہلانے لگا۔ بی ڈی نے ایک نظر ہمدانی کو دیکھا۔ پھر بہت محتاط لہجے میں بولی۔

"یہی جواب میرا بھی سمجھ لیجیے۔"

"مگر آپ کے سوشل میڈیا اکاؤنٹس تو اس ضمن میں کچھ اور کہتے نظر آتے ہیں۔" راجپوت نے گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر سوال کیا۔

"وہاں تو یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔" وہ بناوٹی بے پرواہ لہجے میں بولی۔ "اسے کون اہمیت دیتا ہے؟"

"نہ صرف عوام الناس بلکہ سائبر کرائم والے بھی......" اس بار وہ سخت سے لہجے میں گویا اسے باور کرتے ہوئے بولا۔ "اس لیے بہتر یہی ہوگا کہ آپ بات کو یہاں وہاں گھمانے کے بجائے میرے ہر سوال کا سیدھا سیدھا جواب دیں۔"

"آپ اس لہجے میں میری معزز کلائنٹ سے بات نہیں کر سکتے۔" ہمدانی نے پھر مداخلت کی۔

"ہمیں کس سے کس لہجے میں بات کرنی ہے؟ یہ آپ سے سیکھنے کی ضرورت نہیں۔" وہ درشتی سے بولا تو ہمدانی تلملا گیا۔

"اچھی بدمعاشی ہے۔"

"ہمدانی پلیز......" بی ڈی جو دل ہی دل میں راجپوت کے لہجے سے متفکر ہوگئی تھی، ہمدانی کو ٹوکتے ہوئے بولی۔ "میں جواب دے رہی ہوں نا...... آپ پوچھیے جو پوچھنا چاہتے ہیں۔"

"آپ دونوں کے درمیان Rivalry (مخاصمت) کس حد تک تھی؟"

"بس یہی...... سوشل میڈیا کی حد تک......"

"مگر ہماری معلومات کے مطابق مرحومہ نے آپ کی شہرت کو زک پہنچانے کے لیے عملی اقدامات بھی کیے تھے۔"

"ہاں......" وہ اس کی خود پر ہی کھوجتی نگاہوں سے بے آرام ہو کر پہلو بدلتے ہوئے بولی۔ "کیے تھے۔"

"بدلہ لینے کا دل نہیں چاہا کبھی؟"

"وہ آل ریڈی تباہ ہو چلی تھی......" اس بار بی ڈی کا لہجہ خود بخود تمسخرانہ سا ہو گیا۔ "مجھے اس سے بدلے لے کر کیا کرنا تھا؟"

"پھر وہ بار بار آپ کی راہ میں حائل تو ہو رہی تھی۔" وہ اس کے جواب سے مطمئن نہ ہوا۔

"ہاں وہ کوشش تو کر رہی تھی پر مجھے اس سے کیا فرق پڑ رہا تھا؟" بی زی لاپرواہ سے لہجے میں بولی۔
"ملکی تاریخ کی سب سے بڑی بجٹ مووی اس فرائے ڈے ورلڈ وائلڈ ریلیز ہونے جا رہی ہے، جس کی لیڈنگ ایکٹریس — میں ہوں...... ساری دنیا کا میڈیا مجھے کوریج دے رہا ہے۔ شاید یہی سب اس سے برداشت نہیں ہو سکا۔ وراس نے سوسائیڈ کر لی۔"
"آپ اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتی ہیں کہ اس نے سوسائیڈ ہی کی تھی؟" راجپوت نے اس کے خاموش ہونے پر ترنت اگلا تند سوال پوچھا۔
"آفیسر...... یہ کس طرح کا سوال ہے؟" وہ ماتھے پر بل ڈال کر ترشی سے بولی۔
"سوال تو کسی طرح کا بھی ہو سکتا ہے۔" وہ بے لچک لہجے میں بولا۔ "پر لگتا ہے۔ آپ اس کا جواب دینا نہیں چاہتیں۔"
"خبروں میں یہی سنا تھا۔" وہ چبا چبا کر بولی۔
"تب یہ بھی جانتی ہوں گی کہ خودکشی کی کیسے گئی۔" راجپوت کے اس سوال کا جواب بی زی نے نفی میں سر ہلا کر دیا تھا۔
"کافی میں زہر تھا ان کی۔" وہ بڑے آرام سے گویا اسے مطلع کرتے ہوئے بولا۔ "یعنی پہلے انہوں نے کافی بنائی، پھر بڑے اہتمام سے اس میں زہر ملا کر پی لیا۔"
"آفیسر......" وہ جز بز ہو کر بولی۔ "یہ بات آپ مجھے اس طرح جتا کر کیوں بتا رہے ہیں؟"
"آئم سوری کہ اگر آپ کو ایسا محسوس ہوا۔" وہ خفیف سا مسکرایا۔ "میں بس یہ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ کیا یہ بات آپ کو کچھ عجیب نہیں لگتی؟"
"اب میں اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں...... اینی وے۔" وہ دائیں کلائی پر بندھی بڑے سے ڈائل والی سیاہ رسٹ گھڑی دیکھ کر اچانک ہی بڑے مصروف سے لہجے میں بولی۔ "اگر کوئی اور سوال رہ گیا ہے تو ذرا جلدی کر لیں...... ایکچوئلی آدھ گھنٹے میں مجھے کہیں ضروری پہنچنا ہے۔"
"وقت دینے کا شکریہ......" راجپوت خشک لہجے میں بولا۔ "لیکن اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں دوبارہ آپ کو زحمت دوں گا۔"

☆☆☆

"گھر سے نکلتے وقت عامر بھائی نے مجھ سے ایک عجیب بات کی......"
اسے نیند نہیں آ رہی تھی...... سو اس نے بستر پر یوں ہی مزید پڑے رہنا بے سود خیال کیا اور اٹھ بیٹھا مگر اسے جانا ہی کہاں تھا؟ اس خیال نے اسے بددل کر دیا اور بہت زیادہ مضطرب بھی...... سو اس نے سائیڈ ٹیبل پر پڑے سگریٹ کے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ کھینچا اور اسے لبوں سے یوں لگایا جیسے وہ قطعی غیر مترقبہ ہو اور وہ شاید اس کے لیے تھا بھی...... کڑوا، کثیف ناگوار دھواں فضا میں پھیلنے لگا تھا اور اس کے ساتھ ایک اور نیا...... نہیں نیا تو نہیں کچھ پرانا منظر کہ جس میں وہ اور حنان، حنان کے گھر کے ڈرائنگ روم میں آمنے سامنے براجمان محو گفتگو تھے۔
"اب کیا کہہ دیا انہوں نے؟" اس کے آگے ملازمے کی پیالی دھرتے ہوئے حنان نے مسکرا کر پوچھا۔
"کہہ رہے تھے کہ نولی سے دوستی کرو اور اسے کی باجی کی شادی میں بلالو......" اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کر کے رکھتے ہوئے اسے کچھ پریشان سے لہجے میں بتایا۔
"بھابی کرن ڈائریکٹ ......مرلیاب ہے؟" وہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولا۔

''وہی لڑکا جس کا ایڈمیشن کروانا تھا......'' وہ چائے کی پیالی اٹھاتے ہوئے بولا۔

''اوہ...... '' عثمان کی یہ ''بی سی'' ''اوہ'' بڑی معنی خیز تھی...... جس پر عیسیٰ مزید الجھ کر بولا......

''میں سوچ رہا ہوں کہ عامر بھائی جیسا آدمی اس لڑکے پر اس قدر مہربان کیوں ہو رہا ہے؟''

''اس کی جو وجہ میرے ذہن میں آ رہی ہے، بتا دوں؟'' عثمان نے شرارت سے عیسیٰ کا گمبھیر چہرہ دیکھ کر استفسار کیا تو اس نے جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیا کہ وہ واقعی یہ گتھی سلجھانا چاہتا تھا۔

''کہیں ٹونی کا تعلق اس لڑکی سے تو نہیں جسے اس روز عامر بھائی نے اپنے گھر ایٹ پر بار بار کہا تھا......''

''کیا ایسا ہو سکتا ہے؟'' عیسیٰ بڑے بھرپور انداز سے یوں چونکا گویا اس کے ذہن میں بھی کہیں نہ کہیں یہی نکتہ موجود تھا۔

''اب اس اندازے کی تصدیق تو موصوف سے مل کر ہی کی جا سکتی ہے۔'' عثمان تبسم لہجے میں بولا۔

''تو کیا کہتے ہو؟'' عیسیٰ نے مشورتاً پوچھا...... میں مل لوں اس سے؟''

''کیا ہرج ہے؟'' وہ ترنت بولا۔ ''دیکھیں تو سہی کہ ہمارے قیاس کے گھوڑے درست سمت میں دوڑ رہے ہیں یا نہیں۔''

دل امید تو ڑا ہے کسی نے

سہارا دے کر چھوڑا ہے کس نے

''تم سر عیسیٰ کے رشتے دار ہو؟''

عام حالات میں، ورنی نہیں، خود سہراب اسے کال کر لیا کرتا تھا مگر آج چوں کہ بات ذرا مختلف تھی اور پھر عینا بھی اپنے گھر لوٹ چکی تھیں سو جوں ہی رات ہوئی، ورنی نے عینا کے کمرے میں بند ہو کر سہراب کو فون ملا کر بڑی بے صبری سے چھوٹتے ہی سوال کر ڈالا تھا۔

''اور کیا بتایا ہے اس نے تمہیں میرے بارے میں؟'' اگرچہ اس وقت بھی وہ ہنوز ''کیف و سرور'' ہی کی کیفیت کے زیر اثر تھا، مگر یہ نام ہی ایسا تھا کہ جسے سن کر اس کا ''بھا گھما'' نشہ فوراً ہی ہرن ہو گیا۔

''بس یہی کہ تم ان کی بھابھی کے بھانجے...... اور......'' وہ آگے کچھ کہتے کہتے یک دم خاموش سی ہو گئی......

اور اس کی دانستہ اختیار کی گئی اس خاموشی نے سہراب کو بڑے بھرپور انداز سے چونکا دیا۔

''اور؟''...... اس نے بے چینی سے جاننا چاہا۔

''اور......'' وہ کچھ ہچکچاہٹ سے بولی۔ ''وہ کہہ رہے تھے کہ تم خطرناک ہو......''

''سالا بکواس کرتا ہے......'' وہ یہ سن کر اچانک ہی آپے سے باہر ہو کر بے طرح دھاڑا تھا...... ورنی اس کے اس انداز پر ششدر رہ گئی۔

''سہراب؟'' اس نے ٹوکنا چاہا پر وہ متوجہ ہی کب تھا؟ سو اس کی پروا کیے بغیر بے تکان بولے گیا۔

''وہ خود ایک نمبر کا آوارہ اور بدکردار ہے۔ مجھے تو سمجھ میں یہ نہیں آ رہا کہ سارے زمانے میں آخر تمہیں وہی کیوں ملا ٹیوشن پڑھنے کے لیے؟'' اور سہراب کے اس سوال کا جواب چونکہ ورنی کے نہیں، کاتب تقدیر کے پاس تھا، سو وہ بے حد جھنجلا کر بولی۔

''مجھے کہاں ملنے تھے...... یہ تو عباد بھائی کے دوست ہیں۔''

''انہیں عقل نہیں ہے۔'' اسے اور کچھ نہ ملا تو اب عباد پر شروع ہو گیا۔

''یہ کیسے دوست پال رکھے ہیں تمہارے عباد بھائی نے۔''

"یہ سب چھوڑو اور مجھے بتاؤ کہ میں اب سر میسی کا کیا کروں؟" وہ چڑ کر بولی۔ "وہ تو عباد بھائی کو سب بتا دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔"

"یعنی اب تک اس نے کسی کو کچھ نہیں بتایا؟" اس عرصے میں پہلی بار سہراب کے دل نے کچھ اطمینان محسوس کیا۔

"ابھی تک تو نہیں......" وہ بولی۔ "بس مجھے وارن کیا ہے کہ میں تم سے بات چیت ختم کر دوں۔"

"اس خدائی فوجدار کو تو میں بتاتا ہوں۔" وہ تیزی سے کچھ سوچتا ہوا بولا۔

"پر بتاؤ گے کیا؟" وری نے متفکر ہو کر پوچھا۔

"وہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔" وہ شاطر لہجے میں بولا۔ "اور جو کچھ میں کر رہا ہوں بس اس پر عمل کرتی جاؤ۔"

☆☆☆

"ڈیم اٹ۔ یہ تو کچھ بھی نہ ہوا......" امیر علی خان کی زبانی، راجپوت اور بی ڈی کے مابین ہونے والی تفتیشی ملاقات کی تفصیلات جان کر فاروق احمد از حد طیش زدہ سے انداز میں میز پر زوردار ہاتھ مار کر بے ساختگی سے بولا تھا۔

"تو تمہارا کیا خیال تھا؟" امیر علی خان خود بھی کچھ مایوس سے ہوئے تھے تاہم اس کی جذباتیت پر اسے ٹوکتے ہوئے بولے۔

"وہ دو چار معمولی سے سوالات پر گھبرا کر اتنی آسانی سے پکڑائی دے دے گی؟"

"نہیں سر......" وہ بے بسی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا۔ "مجھے اچھی طرح اندازہ ہے کہ اس کی پشت بہت مضبوط ہے۔"

"ہوں......" امیر علی خان نے دائیں ہاتھ کی دو انگلیوں سے ہاتھ سہلاتے ہوئے پر سوچ سے لہجے میں ہنکارا بھرا۔ "سو تو ہے...... پر دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے؟" اور پھر وہ دیکھتے ہی رہ گئے مگر کچھ نہ ہوا۔

"سوائے اس کے بی ڈی کی پہلی ہی فلم نے عالم گیر شہرت حاصل کر کے اسے جیسے راتوں رات سپر اسٹار بنا دیا۔

☆☆☆

"تم یہاں ہو؟"

تاریکی میں ڈوبے ٹیرس پر پڑے جھولے میں بیٹھی رجا ونیڈ فری کان میں لگائے ایف ایم پر نشر کردہ اپنے من پسند پروگرام "تاروں بھری رات" میں پوری طرح کھوئی ہوئی تھی کہ اسے ڈھونڈتی وری وہاں چلی آئی۔

"کیا ہوا؟" اب وہاں اتنا اندھیرا بھی نہ تھا کہ رجا سامنے کھڑی وری کو پہچان نہ پاتی۔ تب ہی کچھ تعجب سے دائیں کان میں گھسا ونیڈ فری نکال کر سنجیدگی سے بولی۔

"سارے گھر میں ڈھونڈ رہی تھی میں تمہیں۔" وہ اس کے برابر میں آہستگی سے براجمان ہوتے ہوئے بولی۔ "اور تم یہاں بیٹھی ہو......"

"یہ خاموش رات، میں اور تنہائی......" وہ سر جھٹک کر کس قدر دل گرفتگی سے بولی۔ "ہم تینوں تو روز ہی یہاں ہوتے ہیں۔"

"کیوں کیا اب مفتاح کے ساتھ لڈو یا کیرم کی بازی نہیں جمتی؟" کس قدر بے خبر ہو گئی تھی وہ ان دنوں اپنے اردگرد سے...... اسے خود پر حیرت ہوئی۔

"نہیں......" رجا کے چہرے پر نامحسوس سی اداسی بکھر گئی۔

Scanned with CamScanner

"وہ کیوں؟" وری نے تعجب سے پوچھا۔ اب وہ اس "کیوں" کا اسے کیا جواب دیتی سو بات بولتے ہوئے بولی۔

"کیوں کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ آج تم نے کمرے کی جان کیسے چھوڑ دی؟" وہ طنز نہیں کر رہی تھی پر وری کچھ خفیف سی ہو کر بولی۔

"وہ......بس......آج پڑھنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"ہاں آج تمہاری طبیعت بھی تو ٹھیک نہیں۔" وہ بولی اور پھر ان کے درمیان خاموشی کا ایک مختصر سا وقفہ در آیا گویا دونوں کے پاس مزید بولنے کو کچھ نہ بچا ہو۔

"مجھے تم سے ایک بات شیئر کرنی ہے رجا۔" خاموشی کا دورانیہ طویل ہوتا دیکھ کر وری ہی نے لب کشائی میں پہل کی تھی کہ رجا کا تو ایسا کوئی ارادہ نہ دکھائی دیتا تھا۔

"اچھا......" رجا اس کے غیر معمولی انداز پر چونکی تو ضرور تاہم ظاہر کیے بغیر سپاٹ سے لہجے میں بولی۔ "تو کرو۔"

"پہلے وعدہ کرو......" وری بے چینی سے پوری کی پوری اس کی جانب گھوم کر پریشان کن لہجے میں بولی۔ "تم سن کر مجھے غلط نہیں سمجھو گی۔"

"ایسی کیا بات ہے وری؟" اس بار اس نے جملہ ہی ایسا کہہ دیا تھا کہ اس پل رجا گویا سب کچھ فراموش کر کے وری کے لیے پہلے والی رجا بن گئی "تم جاننا چاہتی ہو کہ آج......آج میرے ساتھ کیا ہوا؟" اس نے سوچی سمجھی بلکہ سوچ، سمجھ کر اسے "سمجھائی گئی" تمہید باندھی۔

"کیا ہوا تھا؟" رجا فون بند کر کے ایک جانب رکھتے ہوئے ہمہ تن گوش ہوئی۔

"وہ......وہ سر عیسیٰ......" وہ اٹک اٹک کے بتانے لگی۔ "انہوں نے زبردستی مجھے ملنے بلایا تھا۔"

"کیا؟" حیرت، بے یقینی، غصہ، تاسف......کیا نہیں تھا رجا کے اس ایک "کیا" میں۔

"ہاں رجا......" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "وہ فون بھی انہوں نے مجھے زبردستی دیا تھا۔ میں لینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ......وہ اتنے دن سے مجھے ہراساں کر رہے ہیں۔"

"او میرے خدا......" رجا نے بے اختیار اسے گلے سے لگا لیا۔

"اور تم اتنے دن سے یہ سب فیس کر رہی ہو......" چند لمحوں بعد وہ اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے اسے بڑے بھرپور انداز سے ڈپٹ کر بولی۔

"تو اور کیا کرتی میں؟" پتا نہیں کیا بات ہوئی کہ وہ اس وقت حقیقتاً رو پڑی تھی۔

"مجھے بتاتیں۔" وہ بے حد خفگی بھرے لہجے میں بولی۔

"نہیں بتا سکتی تھی۔"

"کیوں نہیں بتا سکتی تھیں؟"

"کیونکہ انہوں نے......انہوں نے مجھے دھمکی دی تھی۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔ اور اس سے قبل کہ رجا جواباً کوئی ردعمل ظاہر کرتی۔ ان دونوں کے عقب سے ایک غصے سے بھرپور آواز ابھری تھی۔

"کیسی دھمکی؟"

دونوں نے بیک وقت بے طرح چونک کر آواز کی سمت دیکھا تھا

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆☆☆

گمراہ

قرۃ العین سکندر

سبک روی سے چلتی ٹھنڈی ہوائیں ماحول کو بے حد خوش گوار بنا رہی تھیں۔

وہ اپنے جھولے پر پتنگ بنی جھول رہی تھی۔

جب اچانک ہی اس کے پاؤں سے کوئی شے ٹکرائی تھی اس نے چونک کر جھولے کو بمشکل روک کر اس شے کا مشاہدہ کیا تھا۔ وہ پتھر میں لپٹا کوئی کاغذ تھا۔ اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا اور اسے اپنے دوپٹے کے پلو میں چھپا کر غیر محسوس طریقے سے چھت کی طرف دیکھا تھا۔

سامنے والے گھر کی بالکونی میں اسد کھڑا اسے ہی مسکرا کر دیکھ رہا تھا یہ لوگ عزیز دار تھے۔ پرانی جان پہچان تھی۔ مگر حال ہی میں ادھر شفٹ ہوئے تھے۔ وہ لفظ محبت سے نابلد ضرور تھی۔ مگر اماں کے ساتھ مستقل مزاجی سے ٹی وی دیکھ دیکھ کر وہ کئی باتوں کو وقت سے پہلے ہی سمجھنے لگی تھی۔ وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اندر کمرے میں بھاگ گئی تھی کہ سامنے سے آتے ہوئے علی سے جا ٹکرائی تھی۔

"اندھی ہو کیا نظر نہیں آتا؟"

علی کے ماتھے پر چوٹ لگی تھی اور اس کے پاؤں پر وہ چڑھ گئی تھی۔

"ایک تو اس لڑکی کو نجانے کب عقل آنی ہے میں کہتی ہوں لڑکی ذات ہے سنبھل کر چلا کر اے ندرت! سن اپنی بیٹی کو کوئی ادب آداب سکھا۔" دادی جان کے لیکچر پر ٹی وی میں ڈوبی ندرت نے برا سا منہ بنا کر اماں کی طرف دیکھا ضرور تھا مگر دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

علی کرکٹ کھیلنے چلا گیا تھا جبکہ دعا کمرے میں گھس گئی تھی۔

عالیہ بیگم نے تاسف سے بہو کی طرف دیکھا تھا۔ جیسے ہی ٹی وی پر مظلوم بہو کے ڈائیلاگ آنے لگے تو ندرت نے تیزی سے ٹی وی کا والیم بڑھا دیا تھا۔ "جب کسی کی بیٹی بیاہ کر لائی جاتی ہے، اس پر ظلم کیا جاتا ہے تب یہ کیوں یاد نہیں رہتا کہ گھر میں اپنی بھی کوئی بچی بیاہنے کے قابل ہے۔"

اور ٹی وی میں بہو کے اس ڈائیلاگ کے بعد ساس نے اس کے منہ پر زوردار چانٹا رسید کیا تھا بہو فل میک اپ میں نیر بہا رہی تھی۔ ندرت نے کن انکھیوں سے ساس کو دیکھا تھا۔ جبکہ عالیہ نے دکھ سے گہری سانس بھری تھی۔

ندرت اس بات سے قطعی طور پر بے خبر تھی کہ

اندر اُس کی بیٹی لو لیٹر پڑھ کر آنے والے دنوں کے منصوبے بنارہی ہے۔

☆☆☆

ندرت تیزی سے دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مصروف بار بار مضطرب انداز میں کچن سے باہر ملحق لاؤنج میں لگے ہوئے وال کلاک میں وقت دیکھ رہی تھی۔ آج وہ علی کا من پسند آلو گوشت بنا رہی تھی۔ دعا بھی کھا تو لیتی تھی مگر اسے بھنا ہوا گوشت پسند تھا۔ وہ شوربا پسند نہیں کرتی تھی اس لیے وہ خوب اچھی طرح سے گوشت کی بھنائی کررہی تھی۔ مگر اس کے ذہن میں بیک وقت بہت سی باتیں گردش کررہی تھیں۔ مگر اسے زیادہ سرعت سے کام نبٹا کر رات کا لوڈشیڈنگ کی وجہ سے مس ہوجانے والا ڈراما نشر مکرر میں دیکھنا تھا۔

اتفاق سے بچوں کے گھر آنے کا بھی یہی وقت تھا۔ علی میٹرک میں تھا اور دعا سیکنڈ ایئر کالج کی طالبہ تھی وہ قدرے توقف سے گھر آتی تھی۔

اس نے بھنا گوشت تھوڑا سا نکال کر الگ باؤل میں رکھ دیا تھا۔ اور باقی گوشت میں آلو ڈال کر شوربا بنادیا تھا ہلکی آنچ پر ڈھک کر وہ آٹا گوندھنے لگی تھی۔ جب اس کی ساس نے کچن میں جھانکا تھا۔

''بہو! کافی دیر پہلے چائے کا کہا تھا کیا بنی نہیں۔'' وہ جی بھر کر بدمزہ ہوئی تھی۔

''جی بنا رہی ہوں، آپ سکون سے بیٹھ جائیں۔'' ندرت نے تیز لہجہ میں کہا تھا اس کے لیے تو ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔

''میں کہتی ہوں...... ان ڈراموں میں کچھ نہیں رکھا، اپنی بچی پر نگاہ رکھو یہ عمر بہت نازک ہوتی ہے۔ صبح وہ کالج جاتے ہوئے لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل لگا کر گئی ہے۔ کیا کنواری لڑکیوں کے یہ چھچھن ہوتے ہیں۔ کچھ کرو ایسا نہ ہو کہ گیا وقت ہاتھ نہ آئے۔

ساس کا اتنا کہنا تھا کہ ندرت کو تو گویا پتنگے لگ گئے تھے، اس نے وہی آٹے والے ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے سخت لہجہ میں ساس سے دو بدو ہو کر کہا تھا۔

''نہ آپ صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتیں آپ کو میرا ٹی وی دیکھنا کھلتا ہے اور عامر نے ٹی وی میرے کمرے میں لگادیا جبکہ آپ چاہتی تھیں کہ ادھر برآمدے میں لگ جائے، آپ کی نہیں مانی تو اب میری معصوم بچی کو بددعائیں دینے پر اتر آئی ہیں۔

ندرت کی زبان کے آگے تو خندق تھی اس نے ساس کو سنادیں۔

مگر عالیہ اس قدر بدتمیزی کے بعد بھی لب بستہ تسبیح کے دانے پھیرتی ہوئی اپنے کمرے میں داخل ہوگئی تھیں۔ اب کہاں کی چائے کہاں کا ہوش......

ندرت فطرتاً ایک نیک دل لڑکی تھی جب بیاہ کر اس گھر میں آئی وہ سیدھی سادی تھی۔ رفتہ رفتہ ارد گرد کے ماحول اور نت نئے سازشی ڈراموں سے وہ ساس بہو اور نند بھاوج کی گیم کھیلنے لگی تھی۔ وہ برملا کہتی تھی کہ یہ اصلاحی ڈرامے ہیں۔

اور واقعی وہ ڈرامے اصلاحی ہی ہوا کرتے تھے مگر وہ اینڈ تک صبر کیے بنا اپنے حصے کے اور اپنی طرف داری پر چند چیدہ ڈرامے گھر میں فال والیوم پر لگایا کرتی تھی۔ وہ تو ان سے بھی کوئی نصیحت حاصل نہیں کرنا چاہتی تھی وہ بس چاہتی تھی کہ ساس اور نند کو ہر صورت نیچا دکھا سکے۔ جب ساس کے حق یا دفاع میں کوئی سین آتا تو وہ جھٹ چینل بدل دیا کرتی تھی۔ معاشرے میں جنم لینے والی کہانیاں معاشرے کی عکاس ہوتی ہیں، کچھ اس انداز میں کہ انسان اصلاح معاشرہ کی طرف پہلا قدم رکھے مگر وہ تو بس آنکھ بند کر کے اپنی من پسند راہ پر گامزن رہتی تھی۔ اور اس معاملے میں وہ کسی کی بھی نہ سنتی تھی۔

☆☆☆

اس دن بہت دیر ہوگئی مگر دعا گھر نہیں لوٹی...... شام ڈھلنے کو تھی۔ تب دعا کی ایک دو دوستوں کو فون کیا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ تو دو دن سے کالج ہی نہیں آرہی ہے۔ اب تو ندرت کی جان نکل گئی۔ اللہ تعالیٰ

نے توبہ کے دروازے اپنے بندے پر کھول رکھے ہیں وہ تو کہتا ہے۔ ہے کوئی مانگنے والا کہ اس میں اسے نواز دوں۔

اس وقت ندامت کے آنسو موتیوں کی طرح اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ ساس طعنے دینے کے بجائے حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

"لو یہ گلوکوز والا پانی پی لو پھر تمہارا بی پی لو ہو جاتا ہے۔"

"ہائے اماں! علی کے ابا گھر آنے والے ہیں۔ میں ان کو کیا جواب دوں گی۔"

"ایسا کریں اس پانی میں زہر ملا دیں تا کہ یہ قصہ ہی ختم ہو۔"

وہ مسلسل رو رہی تھی۔

"توبہ کرو بہو۔ ایسے نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے وہ اپنے بندوں پر بھی ظلم نہیں کرتا ہاں مگر جو وہ خود اپنی جانوں پر کر بیٹھتے ہیں۔ تم معافی مانگو، مدد مانگو وہ ضرور سنتا ہے۔"

ندرت آج شرم سے پانی پانی ہو رہی تھی۔ ڈراموں اور اصل زندگی میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ساس کی باتوں سے اس کے دل کو ڈھارس بندھی تھی۔

اسی وقت دعا علی کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی تھی۔ دعا کانپ رہی تھی اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔

"اس کو میں قریبی کیفے ٹیریا سے لایا ہوں، سامنے والے اسد کے ساتھ پیزا کھا رہی تھی۔" یہ سنتے ہی ندرت کے تو اشتعال کی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ کچھ سخت سست کہنے اور مارنے والی تھی جب گھر میں عامر داخل ہوئے تھے۔

"یہ دعا کیا اب آئی ہے کالج سے۔"

اس سوال پر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

تب عالیہ بیگم نے بڑے سبھاؤ سے کہا تھا۔

"گھر تو آ گئی تھی۔ اب علی کے ساتھ دوست کے گھر کچھ نوٹس لینے گئی تھی اس کا ٹیسٹ ہے نا۔"

ماں کے سامنے عامر کچھ نہ بولے اور صحن میں لگے نلکے سے منہ ہاتھ دھونے لگے تھے۔

عالیہ کے اشارے پر سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے تھے۔

دعا جھٹ کمرے میں چلی گئی تھی اور ندرت ساس اور شوہر کے لیے چائے بنانے لگی تھی۔

آج ندرت نے پہلی مرتبہ دل سے عالیہ کے لیے چائے بنائی تھی۔

اور تب اس کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹتے بچی تھی، جب عامر نے کہا۔

"اماں! اپنی دعا کے لیے فرجاد کے بیٹے اسد کا رشتہ آیا ہے۔"

"ارے اسد تو بہت اچھا لڑکا ہے تم فوراً ہاں کہہ دو۔" عالیہ کی بات پر ندرت نے ساس کو ممنونیت سے دیکھا تھا۔ عامر نے ہنکارا ابھرا تھا۔

"مگر ابھی تو وہ پڑھ رہی ہے۔"

وہ متامل ہوئے۔

"دیکھو بچیاں مناسب وقت پر اپنے گھر کی ہو جائیں تو اچھا ہے بعد میں بے شک پڑھتی رہے۔"

ماں کی بات پر وہ مسکرا کر بولے تھے۔

"ٹھیک ہے اماں! پھر کل ہی چلتے ہیں بات پکی کر آتے ہیں۔"

ندرت کی آنکھ نم مگر لب مسکرا رہے تھے اور دعا اندر اللہ سے سچی توبہ کر رہی تھی کہ گمراہی کے رستے سے بچ گئی۔ اس نے اسد سے واشگاف لفظوں میں کہا تھا کہ وہ اب اس سے روز روز مل نہیں سکتی، سیدھے راستے سے رشتہ بھیجے وہ خوش تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کا پردہ رکھ لیا۔

اس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ کبھی گمراہی کے گڑھے میں نہیں گرے گی۔

وہ آنسو پونچھ کے عزم کر چکی تھی۔ کل کی منگنی کی تیاری بھی تو کرنی تھی۔

☆☆

آزمائش

ماجرہ ریحان

"کچھ لوگوں کو دیکھ کر تو پہلی ہی نظر میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے بڑے ہی پسندیدہ ہیں۔ یعنی ہر لحاظ سے نوازے گئے۔ کھلی حلال کمائی، بڑے دل والے، لوگوں کے کام آنے والے، خوش اخلاق، خدا ترس، دیکھنے سننے میں اچھے، تعلیم، خاندان، صحت، شکل وصورت...... کون سی نعمت ہے جو نہیں ملی ہوئی اور پھر اور پھر......

دوسری بار ان پر غور کریں تو کتنا عجیب لگتا ہے کہ اس قدر ہر طرح سے نوازے گئے اس مرد کو بھری دنیا میں کوئی اللہ کی بندی نہ ملی کہ جس کو وہ نوازی گئی ان نعمتوں میں اپنا حصہ دار بنا سکے۔ یہ نہیں کہ شادی محض ایک ضرورت ہے بلکہ یہ بھی تو ہے کہ ایک اس عمل میں اللہ تعالیٰ نے ایک بہت ہی عمدہ، خوب صورت اور دل گداز سا فلسفہ رکھ چھوڑا ہے۔ ایک مرد کے لیے یہ کتنا اچھا اور دلفریب احساس ہو سکتا ہے کہ وہ کسی جیتے جاگتے، سانس لیتے، دل رکھتے انسان کی کفالت اپنے ذمہ لے رہا ہے۔ نجانے کتنے ہی مدد کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ کچھ جو صرف نظروں سے اپنی ضروریات بیان کرتے ہیں۔ پھر بھی آپ اس قدر تو ان کے لیے نہیں کرتے کہ اپنے ہر مال و دولت میں اس کو حصہ دار ہی بنا ڈالیں۔ صدقہ خیرات بھی کرتے ہیں تو ایک حد تک صرف وہ ایک عورت ہوتی ہے جس کو آپ اپنے نکاح میں لیتے ہیں اور اس طرح وہ آپ کی زندگی میں شامل ہوتی ہے کہ آپ کے وقت، دولت، صحت، عزت اور گھر تک میں آپ کی باقاعدہ حصہ دار بن جاتی ہے اور آپ اس کی پوری ذمہ داری لیتے ہیں۔ اس کی عزت، اس کا رکھ رکھاؤ، ہنسی خوشی سب کچھ آپ سے منسوب ہوتا ہے۔ بہت حیرت ہوتی ہے اس طرح کے مکمل مردوں کو دیکھ کر جو شادی کے نام سے کترانے لگتے ہیں یا اپنے بڑوں کے شادی کرنے کی تلقین کرنے پر طنزیہ قہقہہ لگاتے ہیں آخر اس میں کیا راز ہے؟"

آخری جملے پر اس نے نظریں جھکا لی تھیں۔ گو اب تک اس پورے لیکچر کے دوران اس نے ایک بار

بھی میری طرف نہیں دیکھا تھا مگر میں جانتا تھا کہ وہ مخاطب مجھ سے ہی تھی۔ میں مسکرایا۔

یہ جو طنزیہ قہقہہ لگانے والی بات اس نے مجھ پر ہی کی تھی اس کا جواب دینا تو لازمی تھا۔ اس جملے نے ہی تو محفل میں بننے والے اس چھوٹے سے حلقے میں اس کی بات سننے والے ہر ایک کو میری ہی طرف متوجہ کر دیا تھا.....!

"شاید اس لیے کتراتے ہوں کہ ایک عورت جس کو وہ عزت و احترام کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کریں اور جس کی کفالت بھی اپنے ذمہ لے لیں اور وہی عورت احسان مند ہونے کے بجائے نہ تو شوہر کی عزت کا خیال کرے نہ ہی شوہر کے گھر والوں کا۔ بلکہ الٹا یہ جتانے میں لگ جائے کہ شادی کر کے اس نے احسان کیا ہے.....؟"

میرے بروقت جواب پر چند ایک شادی شدہ مردوں نے بڑی ہی خوب صورتی سے اپنے ہونٹوں پر بے اختیار آئی مسکراہٹ کو چھپالیا۔ جبکہ ان کے اردگرد منڈلاتی ان کی بیگمات نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اور اب باقاعدہ محفل کی توجہ اس کی طرف پلٹ گئی تھی، محبت سمیت سب کو اس کے جواب کا انتظار تھا۔

"آزمائش صرف پیسے عزت اور صحت کی نہیں ہوتی۔ میں تو یہ جانتی ہوں کہ ہر نعمت جو ہمیں دی گئی ہے زندگی کے کسی موڑ پر کہیں نہ کہیں اس کی آزمائش بھی لازمی ہوگی اور حسن سلوک کی عادت بھی ایک نعمت ہے۔ جس کی آزمائش یہی ہوگی ناں کہ ہمیں ہر دم کوئی ایسا ٹکرائے جو ہمارے مزاج پر بھاری پڑے۔ جو ہماری برداشت کو آخری حد تک آزمائے۔ کیا معلوم وہ عورت اپنے شوہر کے حسن سلوک کی آزمائش ہو؟"

میں لاجواب تو نہیں ہوا تھا مگر اس سے بحث در بحث کرنے کا ابھی ارادہ بھی نہیں رکھتا تھا کیونکہ میں اس کے منجھلے بھائی کی بیوی کو ہمارے حلقے کی طرف آتے دیکھ چکا تھا اور یہ تو ہم سب ہی جانتے تھے کہ اگر اس کی بھابھی نے اسے اس طرح ہم سب سے بے تکلفی سے باتیں کرتے دیکھ لیا تو اس کے ساتھ محفل میں ہی وہ سب ہو جائے گا جو اکثر اوقات شرارتی بچوں کے محفل میں بدتمیزی کرنے کے بعد گھر جانے پر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ میری دونوں بڑی بہنیں بھی اپنے شوہروں کو لیے تیزی سے حلقے سے نکل گئیں۔

اس کی بھابھی طنزیہ سی مسکراتی ہم کچھ بچے ہوؤں پر نظریں ڈالتی آگے بڑھ گئی۔ اس کے سامنے سے گزرنے پر شاید اسے بھی ہوش آیا اور وہ بھی برق رفتاری سے اٹھ کر ہم سب سے اجازت یا معذرت کیے بغیر اسٹیج کی طرف چلی گئی۔ جس کے اردگرد سجے صوفوں پر اس کے خاندان کے بقایا لوگ بڑے ٹھسے اور رعب سے بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم دونوں خاندانوں میں کئی سالوں سے ملنا ملانا تو کیا سلام دعا تک بند تھی۔ وجہ اس کی وہی جو عام رشتہ داری میں ہوتی ہے۔ دونوں طرف لڑکیاں تھیں اور لڑکے بھی اور دونوں طرف صرف لڑکوں کو حاصل کر لینے کی خواہش تھی جبکہ لڑکیوں سے ہر ممکن اجتناب برتا جاتا تھا۔

ایک دو بار بڑی مصیبتوں اور جتن کے ساتھ کسی لڑکے اور لڑکی نے اپنے والدین کی پسند ناپسند کو نظر انداز کر کے اگر رشتے کی بات چلانی بھی چاہی تو اس قدر ہنگامہ، فساد اور جھگڑا ہوا کہ شادی تو دور کی بات ...... ناچاقی دوچند ہو گئی۔ حیرت بھی ہوتی تھی کہ کیا ایک ماں کے دو بچے آپس میں سگے بھائی بہن کے درمیان زندگی میں اس قدر دوریاں بھی آ سکتی ہیں کہ ایک دوسرے کی اولادوں سے نفرت محسوس ہونے لگے؟

پھوپھی جان ویسے تو کافی سمجھدار پڑھی لکھی اور بردبار تھیں مگر نجانے ان کی ساری عقل مندی اور دانائی ایک ہماری امی جان کے سامنے آتے ہی جیسے پاتال میں جا گرتی اس طرف امی جان کا بھی ایسا ہی کچھ حال ہوتا۔ خواتین کی ہاں میں ہاں ملانے کے

Scanned with CamScanner

لیے ان کے جوان ہوتے کچھ بچوں نے بھی اپنا اپنا کردار بھرپور نبھایا۔

ایسا نہیں کہ یہ ناچاقی ہمیشہ سے تھی۔ مجھے یاد ہے جب میں شاید آٹھویں میں پڑھتا تھا تو امی جان مجھے تیار کر کے بہت سے تحفے تحائف اور مٹھائی وغیرہ لے کر پھوپھی جان کے ہاں پہنچی تھیں، جن کے ہاں چار بیٹوں کے بعد ایک بیٹی آئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جب دونوں خاندان یک دل دو جان تھے۔

امی جان اپنی نند پر جان چھڑکتی تھیں اور نند بھی بھابھی جان، بھابھی جان کرتے نہ تھکتی تھیں۔ مجھ سے بڑی دو بہنیں اور پھوپھی جان کے چاروں بیٹے گھل مل کر بیٹھا کرتے تھے اور تب ہی کا وہ چند سالوں کا دور تھا جب میں نے پھوپھی جان کے ہاں اسے دودھ پیتی بچی سے بڑے ہو کر پاؤں پاؤں چلتے دیکھا۔ امی جان مجھے ہمیشہ ساتھ رکھتی تھیں۔ لہٰذا پھوپھی جان کے ہاں آنے جانے میں بھی میرا ناغہ نہیں ہوا۔

اس کے چند سالوں تک ہمارے درمیان ایسا ہی بھائی چارہ رہا اور پھر پھوپھی جان کے بڑے بیٹے سلمان بھائی کی طرف سے جب بڑی باجی کے لیے پہلی بار پسندیدگی کے اشارے ملنے شروع ہوئے تو جیسے پھوپھی جان کی زبان میں بھی کانٹے اگنے لگے۔ مانا سلمان بھائی بڑے ذہین، صحت مند اور مضبوط مستقبل کے حامل نظر آتے تھے مگر بڑی باجی بھی کچھ کم خوب صورت اور جس کم نہ تھیں۔ پھر بھی پھوپھی جان کو نجانے اپنے بھائی کی سب سے بڑی بیٹی میں ایسا کوئی گن نظر نہ آیا کہ جس کی بدولت وہ ان کی بہو بن سکتیں۔ بس پھر یہی وہ دور تھا جب پہلی بار دونوں خاندانوں میں گھمسان کی جنگ چھڑ گئی۔ چند سالوں ایک دوسرے کی شکلوں سے بے زار رہنے کے بعد پھوپھا جان کے انتقال پر امی جان کو پھوپھی جان سے ایک بار پھر محبت ہوگئی۔

☆☆☆

بڑی باجی اور سلمان دونوں کی قسمت کا فیصلہ بھی ان کے والدین کی مرضی سے ہو چکا تھا لہٰذا میدان بھی صاف تھا مگر کب تک رہتا ایک بار پھر پھوپھی جان کے تیسرے نمبر کے صاحبزادے عیان بھائی کو ہمارے گھر میں اپنا محبوب نظر آنے لگا اور ایک بار پھر پھوپھی جان نے بڑی نخوت سے بیٹے کی خواہش کو رد کر دیا اور نتیجے میں دونوں خاندان ایک بار پھر جدا ہو گئے۔

دوسری بار کی جدائی کا دور میری غیر موجودگی میں آیا تھا۔ اس سے پہلے میں بڑا بن ٹھن کر لندن پڑھنے کے سلسلے میں جانے کی خوشی میں پھوپھی جان کے ہاں باقاعدہ اپنے خاندان سمیت کھانے پر مدعو بھی کیا گیا تھا۔

لندن میں رہائش کے دوران ہی امی جان نے ایک دن مجھے روتے ہوئے پھوپھی جان کا یوں عیان بھائی کا منجھلی باجی کے لیے رشتے کے ٹھکرانے کا بتایا تھا۔ میں نے امی جان کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ جب ان کو معلوم ہے کہ پھوپھی جان اس ایک بات پر خوش نہیں ہوتیں تو آخر امی جان ہی اس ایک بات کو بار بار کیوں چھیڑتی ہیں؟ امی جان کا خیال تھا کہ دونوں خاندانوں میں اتفاق کی ایک یہی صورت ہے جبکہ ہمیشہ اسی ایک صورت کے پیدا کرنے کی کوشش میں دونوں خاندانوں کے درمیان اتفاق کو بری طرح نقصان پہنچا تھا۔

☆☆☆

میرے لندن سے پڑھائی مکمل کر کے واپس آنے پر امی جان اور پھوپھی جان میں پرانی دوستی جیسا تو کچھ نہ بچا تھا مگر ایسی دشمنی بھی نہیں تھی کہ ملنا ملانا ہی بند ہو۔ کسی مشترکہ رشتہ دار کی محفل میں ملاقات ہوتی تو دونوں اچھے سے بات چیت کر لیتیں۔

میرے آنے کے بعد پھوپھی جان نے بقول امی جان کئی سالوں بعد ہمیں اپنے گھر مدعو کیا تھا۔ میں میری دونوں بڑی بہنیں جو اب شادی شدہ تھیں اور مجھ سے چھوٹے دو بھائی سب ہی تو خوشی خوشی پھوپھی

جان کے گھر جا پہنچے تھے۔ وہاں بھی بے حد والہانہ پن سے ہماری خاطر داری ہوئی اور تب مجھے محسوس ہوا کہ اب کی بار بھی ہمارے خاندان میں جدائی قریب ہے کیونکہ پھوپھی جان مجھ پر واری صدقے جا رہی تھیں۔

میں اس بات پر کافی حیرت زدہ ہوا تھا جب امی جان کو پھوپھی جان کے اس والہانہ پن پر بے حد خوشی ہوئی تھی۔ انہوں نے تو واپسی پر باقاعدہ زینت کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بہت تقدس سے چوما بھی تھا۔ مگر کیا کرتے کہ زندگی کے اس ڈرامے میں ولن بھی کہیں نہ کہیں سے کسی نہ کسی صورت ٹپک ہی پڑتے ہیں۔

بڑی باجی بے حد خفا تھیں اور ان کی ہی بار بار کی تلقین اور یاد دہانی کے سبب زینت ہمارے گھر کی زینت نہ بن سکی۔ میں چند سالوں کے لیے ایک اچھی نوکری کے سلسلے میں آسٹریلیا آیا ہی تھا کہ امی جان نے مجھے زینت کی شادی کا بتایا، ان کو ڈر تھا کہ میں پردیس میں اکیلا اس کی شادی کی خبر سن کر کچھ کر نہ بیٹھوں۔

مجھے اپنی ماں کی معصومیت پر ہنسی آئی اور ایک دوبارا اپنے دل کو ٹٹولا...... ایسا کیوں تھا کہ میں تو کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا مگر مسلسل میرے اردگرد موجود ہر کسی کو میری بے حد پروا ہو رہی تھی۔ خیر دن گزرنے تھے گزر گئے۔

☆☆☆

امی جان کے انتقال پر میں کئی سالوں بعد پاکستان لوٹا...... اس خاندان میں بھی اب ایسا کوئی نہیں بچا تھا کہ جو دشمنی ہونے پر بھی کبھی کبھار ہی سہی شکل دکھا جائے۔ اب جو کدورت پھوپھی جان کے بچوں نے اپنے دل میں ہمارے لیے پالی تھی اس سے کہیں زیادہ میرے بھائی بہنوں کے دل میں ان کے لیے تھی مگر ہاں یہ بات بھی تھی کہ بڑی باجی سمیت اب ہم سب میں مشترکہ طور پر یہ بات تسلیم کی جاتی تھی کہ پھوپھی جان کے خاندان میں ایک شخصیت ایسی ضرور ہے جس کے دل میں ہمارے والدین اور ہم سب کے لیے ابھی بھی ویسی ہی محبت اور عزت ہے جیسی امی جان اور پھوپھی جان کے درمیان تھی۔

اس کی باقاعدہ کئی ٹھوس وجوہات تھیں۔ پہلی تو یہ کہ اکثر ہم لوگ اپنے مشترکہ رشتہ داروں سے سنتے کہ زینت اپنی ممانی جان یا ماموں جان یعنی میرے والدین کو یاد کرتے رو پڑتی ہے۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ امی جان یا بابا جانی کی برسی کے موقع پر اس کا فون آ جاتا یا پھر دعا کا کوئی اہتمام جس میں باقاعدہ امی جان اور بابا جانی کے لیے خصوصی دعا کروائی جاتی۔

زینت کی شخصیت ہمیشہ سے ہی ایسی تھی یا سخت گیر شوہر کی بدولت وہ نرم پڑ گئی تھی، اس کا تو مجھے اندازہ نہیں کیونکہ سچ بات تو یہ ہے کہ میں نے بھی اسے ایک انسان ایک عورت یا لڑکی کے روپ میں جانچنے کی کوشش ہی نہیں کی...... وہ تو بس امی جان کی پسندیدہ بھتیجی تھی۔ بہت نازک اور حساس دل والی، فوراً نرم پڑ جانے والی۔

عموماً ایسے لوگوں کے دل صاف شفاف ہوتے ہیں۔ بہت زیادہ کٹھن اور ٹیڑھے مزاج کے بھی نہیں ہوتے اور شاید اس نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ آزمائش تو دیے گئے ہر جذبے ہر نعمت کی ہوگی تو پھر اس جیسی نازک دل کی لڑکی کو اگر بدمزاج، بددماغ اور اکھڑ شوہر مل گیا تھا تو یقیناً یہ اس کے صاف شفاف دل کی آزمائش ہی تو تھی۔

پاکستان آنے کے بعد میں اس کے شوہر کی آئے دن کی بدتمیزیوں کے بارے میں سن کر خاموش رہتا تھا اکثر ہی رشتہ داروں میں اس کے شوہر کی حالیہ کسی بدتمیزی کا ذکر چھڑ جاتا۔ مزے کی بات یہ تھی کہ اپنی ان حرکتوں کا پرچار بھی وہ خود ہی تمام رشتہ داروں کو فون کر کے کرتا تھا۔ اس نے چند ایسے رشتہ داروں کو خاص طور سے فون کرنا ہوتا جو اس کی نظر میں اس کی بیوی زینت یا اس کی بیوی کے خاندان سے خار رکھتے ہوں۔ یوں بڑی باجی اس کے لیے بہت اہم تھیں ہر دو چار دن بعد بڑی باجی کو فون کرے کسی کم ذات

گھرانے کی لڑا کا عورت کی طرح زینت کے ساتھ کی گئی اپنی حالیہ بدتمیزی کا مزے سے تذکرہ کرنا نہ بھولتا۔

وہ سمجھتا تھا کہ شاید یہ سب باتیں ہمیں مسرور کریں گی اور ہم سب زینت کی ایسی درگت پر دل سے خوش ہوتے ہوں گے۔ بڑی باجی بھی پریشان تھیں۔ کئی بار منع کرنے کے باوجود وہ فون کرنے سے باز نہ آیا۔

ایک روز اتفاق سے میں بھی بڑی باجی کے گھر پر موجود تھا۔ بڑی باجی کے پاس فون آیا تو انہوں نے چند لمحے سن کر بے دلی سے فون مجھے پکڑا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ شاید کسی مرد کو بات کرتا سن کر وہ شرمندہ ہو کر فون جلدی سے بند کر دے گا۔ مگر میرا نام سنتے ہی اس کو تو جیسے پتنگے لگ گئے۔ یعنی وہ میرے اور زینت بارے میں جانتا تھا۔

اب تو اس نے ایسی ایسی اندرونی باتیں کرنا شروع کر دیں کہ زینت کا کزن ہونے کے ناتے تو کیا ایک مرد ہونے کے ناتے بھی مجھے بڑی غیرت آنے لگی۔ میں نے اسے بری طرح جھڑک دیا اور یہ کہہ کر فون بند کر دیا کہ اس کا ساتھ زینت کے بدقسمت ہونے کی دلیل ہے۔

اس دن تو ہم سب بھائی بہن بڑی باجی کے ہاں کھانے پر مدعو تھے اور ہمیشہ کی طرح میری دونوں بھاوجیں اور بڑی بہنیں مجھ سے شادی کر لینے جیسے ہنسی مذاق میں مصروف، ہیں مگر دوسرے ہی دن صبح ہی صبح مجھے بڑی باجی کا فون آ گیا اور انہوں نے گمبھیر آواز میں مجھ سے باز پرس شروع کر دی۔

ہوا یوں کہ میری بات سن کر زینت کے شوہر نے اسے گھر سے نکال باہر کیا اور اب اس کی ضد تھی کہ جب تک میں اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی نہ مانگوں، وہ زینت کو واپس نہیں بلائے گا۔ ادھر زینت کے گھر والے ایک بار پھر ہم سب بھائی بہنوں پر بگڑ رہے تھے۔

معاملات کی سنگینی کا احساس ہم سب کو تھا مگر میں کسی بھی طرح ایسے شخص سے ملنا نہیں چاہتا تھا جو فون پر اس قدر کھلے الفاظ میں زینت کے بارے میں ایسی مغلظات بک سکتا ہو، وہ میرے سامنے کیا کیا نہ کہے گا اور پھر میں کہاں تک خود کو روک سکوں گا۔ مجھے خود پر پہلی بار حیرت ہوئی تھی، ویسے میں اب تک خود کو بہت ٹھنڈے مزاج کا شخص سمجھتا تھا مگر یہ عجیب بات ہوئی تھی کہ زینت کے بارے میں ایسی ویسی بات کے شروع ہوتے ہی میرا مزاج گرم ہوا تھا۔

بہرحال میں نے بڑی باجی، بھائیوں، بہنوں اور دیگر رشتہ داروں کے اصرار پر بھی ملنے سے صاف انکار کر دیا اور یوں زینت بقول اس کے گھر والوں کے اب تک میکے میں براجمان تھی مگر یہ بات اب بہت حد تک ذوق و شوق سے بھی گردش کر رہی تھی کہ زینت کو اس کے شوہر نے اس دن طلاق دے کر بھیجا تھا اور میری معافی اور شوہر سے ملنے والی بات محض اس کے شوہر کی ایک شرارت تھی۔

زینت نے چند دنوں گم صم رہنے کے بعد اپنے بھائی بہنوں کو خود پر گزر چکے سانحے کے بارے میں بتا دیا تھا اور اس کے گھر والے کسی نہ کسی پر زینت کی تباہی کی ذمہ داری ڈالنے پر تلے ہوئے تھے اور مجھ سے بڑھ کر اچھا ہدف ان کو کوئی ملا نہیں تھا۔

اس بات کو آج محفل میں ایک بار پھر اس طرح باور کرایا گیا کہ جیسے ہی ہمارا خاندان ہال میں داخل ہوا، زینت کے خاندان والے ہم سب سے کترا کر اسٹیج کے پاس سجے صوفوں پر جا بیٹھے تھے۔ زینت کے اٹھ کر جانے پر میں سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے آج باقاعدہ آ کر مجھے یہ کیوں سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ مجھے شادی کر لینی چاہیے۔

کیا وہ خائف تھی......؟ مجھے اتنا تو اندازہ تھا کہ چار بھابیوں کے درمیان ایک طلاق یافتہ نند کو کیا کیا سہنا پڑتا ہوگا جبکہ اس کے ماں باپ بھی نہ ہوں۔ ایسے میں چھوٹے سے چھوٹا اسکینڈل بھی اس کے خاندان میں اس کے کمزور اور نازک مقام کو بہت نقصان پہنچا سکتا تھا مگر وہ مجھ سے ہی کیوں ڈر رہی

تھی؟ میں نے تو اب تک کسی رشتہ دار کے سامنے اس کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔ اسے جب میں نے پہلے بھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تو اب کیسے پہنچا سکتا تھا۔

ہاں یہ الگ بات کہ بڑی باجی کو آج کل اس پر کچھ زیادہ رحم آنے لگا ہوا اور وہ ہر دم اس کے بارے میں معلومات اکٹھی کرتی رہتی تھی اور انہوں نے ہی تو مجھے اس کی علیحدگی کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ کھانے کا وقت ہو چکا تھا اور لوگ چند لمحوں میں ہی کھانا کھانے میں مگن ہو چکے تھے۔

زینت ایک خالی میز کے پاس اکیلی نظر آئی تو مجھے موقع مل گیا۔ میں اس کے پہلو میں پہنچا ہی تھا کہ میرے منہ سے نکل گیا۔

''میں شاید چند دنوں بعد واپس آسٹریلیا نکل جاؤں۔''

اس نے بے اختیار پلٹ کر میری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں نمی آئی تھی یا مجھے دھوکا ہوا تھا بہر حال اس نے فوراً ہی مجھ سے نظریں پھیر لی تھیں۔

''چاند گرہن بہت چھوٹے سے وقفے کے لیے ہی ظہور پذیر ہوتا ہے مگر بس وہی لمحہ ہوتا ہے جاند سے سورج کے ملاپ کا...... اور دونوں کے اتنے کم سے وقت کے ملاپ پر بھی زمین والوں میں کھلبلی مچی رہتی ہے کچھ سراسیمہ اور کچھ بے چین رہتے ہیں۔ کون جانے دونوں کا ملاپ زمین والوں کے لیے کیسی ہی آزمائش لے آئے؟''

میں اپنی ہی بات پر حیران ہو گیا تھا۔ یہ میں کیا اور کیوں کہہ رہا تھا اور وہ بھی اس سے جس سے شاید کبھی اس طرح کی کوئی بے تکلفی نہیں تھی۔ وہ زیر لب مسکرا دی تھی۔

''بہت شکریہ!''

دو لفظ کہتی ہوئی وہ آگے بڑھ گئی تھی اور مجھے بہت بے چین کر گئی تھی۔ جدائی پر کوئی کسی کو شکریہ کیسے کہہ سکتا ہے؟ ہاں صرف اس وقت جب کہ جدا ہونے والا کوئی بہت ہی نامناسب اور ناپسندیدہ شخص ہو جس کے جدا ہونے سے ہی ہمیں سکون ملنے کی امید ہو۔

مجھے پہلی بار اپنی قسمت کے اچھے ہونے پر شک سا ہوا تھا۔ چند دنوں بعد میرے واپس جانے کی بات پر بڑی باجی بلا تامل بپھر گئیں۔

''یہ کیسے اور کیوں کرو گے تم؟ اتنی بزدلی دکھاؤ گے اب؟''

بڑی باجی کے اس سوال پر میں حیران ہو گیا۔ آسٹریلیا جانا بزدلی ہے؟ میں نے پوچھنا چاہا مگر خاموش رہا، آج کل ہر کوئی مجھ سے نجانے یوں پہیلیوں میں کیوں بات کرنے لگا تھا۔

آخر بڑی باجی نے ہی بات بڑھائی۔

''چند دنوں بعد جانا ہے تم کو میرے ساتھ پھوپھی جان کے گھر...... زینت کا باقاعدہ رشتہ مانگنے۔'' میں نے گھبرا کر پہلو بدلا۔

''پہلے کی بات اور تھی۔ ہم اپنے والدین کی خواہشات کے آگے مجبور ہوئے۔ کبھی اپنی ہی خود غرضی میں اپنا نقصان کر بیٹھے مگر اب وقت بدل گیا ہے۔ تم دونوں نے ہی اپنی اپنی جگہ بہت کچھ آزمائشیں سہہ لی ہیں۔ بہت مشکل حالات سے گزر چکے ہو۔ میرے خیال میں اب تم دونوں کے اوپر خاندان یا رشتہ داروں کی بلاوجہ کی زور زبردستی کوئی اثر نہیں کر سکتی۔ ان دونوں خاندان کے ملاپ کے لیے تم دونوں کا ایسا ہی مضبوط، ایسا ہی سخت جان ہونا ضروری تھا۔ میں زینت کو جانتی ہوں۔ وہ اس وقت بھی لڑنے کی طاقت رکھتی تھی اگر تمہاری طرف سے اسے مثبت اشارہ ملتا۔ مگر اب تم کو ہی ہمت دکھانی ہے۔ اب وہ وقت آن پہنچا ہے۔''

پھر وہ مجھے بہت ہی تفصیل اور سہولت سے ایک ایک بات سمجھانے لگیں اور میں...... میں یہ بات سوچ کر حیران ہو رہا تھا کہ کس قدر مشکل لگتا ہے مگر اتنا ہی آسان ہے انسان کے لیے پرانی رنجشیں بھلا کر نئے سرے سے رشتوں کو جوڑنا۔

☆☆

حمیرا نوشین

ارماں دل ہی میں رہ گئے

لکھو: ”خالہ جبین بمع اہل وعیال۔“ اماں نے عینک درست کرتے ہوئے معمر کو کارڈز لکھوانے شروع کیے۔

”لکھ دیا اماں!“ اس نے لکھا ہوا کارڈ ایک سائیڈ پر رکھا اور دوسرا کارڈ اٹھایا۔

”اماں!“ تائی سروری کو تو جلدی کارڈ بھیج دینا حیدرآباد سے خانیوال کا سفر بھی لمبا ہے اور کچھ تیاری بھی تو کرنی ہوگی شادی کی۔“ چھنو نے اماں کو یاددہانی کروائی۔

”دفع کر تائی، سروری لے کے کیا آئے گی شادی میں۔ ہمیں ہی بھگتنا پڑ جائے گا اسے، ساتھ میں دو چار پوتا پوتی کو لٹکا لائی تو کونڈا کر دیں گے ہمارا تو۔“

”ہاں اماں! ٹھیک کہتی ہو، پلنگ پر پڑی پڑی حکم چلائے جائیں گی اور پان کا خرچا الگ کروائیں گی۔“

”اے بیٹا! جلدی سے بنارسی تمباکو کا سانچی پان بنوا کر لائیو، سر چکرا رہا ہے۔ طبیعت بڑی بوجھل ہو رہی ہے۔ گلوری منہ میں رکھوں تو کچھ طبیعت سدھرے۔ پورے ساٹھ پان بنوا کر چلی تھی گھر سے ٹرین میں یونہی اپنا چاندی کا پاندان کھولا۔ پورے ڈبے میں پان کی دل فریب مہک سب کے نتھنے مہکا گئی۔

”کیا مرد، کیا عورت سب ہی نے للچائی نظروں سے ایسے دیکھا کہ منہ میں رکھا پان چبانا مشکل ہو گیا۔ میں نے بھی سارے پان ندیدوں میں بانٹ دیے۔ نظر میں آئے پان کھا کر مجھے اپنی طبیعت تھوڑی خراب کرنی تھی۔“ عماز نے ہو بہو تائی سروری کی پوپلے منہ کے ساتھ نقل اتاری تو سب کی بھونڈی ہنسی سے فضا گونج اٹھی۔

”حالاں کہ تمہاری تائی تو وہ بخیل ہستی ہے جو کسی کو اپنا بخار بھی نہ دے۔ ساٹھ پان تو اس نے اپنی زندگی میں نہ کھائے ہوں گے۔ ایک پان کو چٹکی چٹکی کھاتے ہفتہ نکال دیتی ہے۔“ اماں نے تائی سروری کے نخریے گن گنوائے تو سب نے ان کی تائید میں اپنی موٹی گردنیں پورے زور سے ہلائیں۔

”چل اب ماموں شرف کا کارڈ بھی لکھ دے، سگا نہیں ہے تو کیا ہوا؟ سگوں سے بڑھ کر چاہتا ہے تمہیں۔ بہن سمجھ کر ہمیشہ ہر موقع پر کھڑا رہا ہے تو اس موقع پر کیسے بھول جاؤں میں اس کو۔“ ماموں زاد کی محبت امڈ کر آئی۔

”اماں! رشتے داروں کے کارڈ تو مکمل ہوگئے۔ اب ذرا محلے والوں کی طرف آجاؤ۔“

”ہاں بھئی۔ محلے والوں کا تو پہلا حق ہے ان کو بھلا میں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔“ انگلیوں پر محلے داروں کو گننے لگیں کہ کس کس کو بلانا ہے۔

”ابھی تک کارڈ لکھنے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا؟ یہاں پیٹ میں چوہے دوڑ دوڑ کر بے دم کر رہے ہیں۔ خدا کے لیے اٹھ کر کچھ شکم سیری کا سامان بھی کر لو۔“

کاشی اماں کے پاس آکر دھم سے گرا تو وہ اسپرنگ والے صوفے کی وجہ سے اچھل پڑیں اور

اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورتے ہوئے بولیں۔

''ایک دن پیٹ پوجا نہ کی تو کچھ نہیں ہوگا۔ اگر پھر بھی اتنی ہی بھوک ستا رہی ہے تو جاناصر بیکری والے سے دو کریم رول پکڑ لا اور دودھ کے ساتھ کھالے۔'' انہوں نے اسے اپنے پاس سے اٹھا کر باہر کی طرف دھکیلا اور پھر کارڈز کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

''اماں! ذرا جلدی بولو، ایمان سے میری تو کمر بھی تختہ ہوگئی۔ لکھتے لکھتے انگلیاں بھی دکھنے لگیں۔ اتنی دیر تو میں بھی امتحانی کمرے میں نہیں بیٹھا جتنی دیر سے میں اس حبس زدہ کمرے میں بیٹھا کارڈ لکھ رہا ہوں۔'' معمر کارڈز پکڑے پکڑے اماں کی گود میں لیٹ گیا۔

''لو تم تو لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم تمہیں دیکھ دیکھ کر ہی اکڑ گئے ہیں۔'' چھنو پر جھنجلاہٹ سوار تھی کیونکہ اس کے پسندیدہ ڈرامے کا ٹائم ہو چکا تھا مگر

"اماں کا حکم تھا کہ یہاں سے کوئی نہیں ہلے گا جب تک کارڈ مکمل نہ لکھ لیے جائیں، کیا پتا دماغ میں کوئی ضروری نام لکھنے سے رہ جائے تو ان میں سے کوئی یاد تو کروا دے گا۔

"اے زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں۔ ڈرامے کی آگ لگ رہی ہے تو جا دفع ہو، جا کے دیکھ اپنی پرکٹی سفید پاؤڈر میں لتھڑی چٹی کبوتریوں کو، یہ عمار ہے ناں میرا بچہ دماغ کا تیز، اس سے پوچھ لوں گی اگر کوئی نام ذہن سے نکل بھی گیا تو۔"

عمار اپنی تعریف سن کر مزید پھیل کر بیٹھ گیا اور چھنو قلانچیں بھرتی ہوئی ساتھ والے کمرے میں دوڑ گئی۔

اماں پھر سے معمر کو نام لکھوانے لگیں۔

"اکرام کباڑیے کا نام بمع فیملی لکھ دے، یہ تو بے چارا کباڑیا پر دل کا بڑا سخی ہے جتنا اس کے گھر والے کھا کے جائیں گے، اس سے چار گنا زیادہ دے کے جائیں گے۔"

"اماں! جلدی جلدی بولو، اب تو پنسل بھی جواب دینے لگی ہے پھیکا پھیکا سا لکھ رہی ہے۔"

"ہاں بس اب اپنی یہ گلی میں وہ جو لمبا سا لڑکا رہتا ہے...... ارے وہی جو دفتر میں کام کرتا ہے۔ بے ے ے...... لمبی سی کار ہے جس کے پاس، اماں نے نام یاد نہ آنے پر عمار کی طرف دیکھا۔

"نور عالم، عمار نے فوراً اماں کا مطلوبہ نام زبان سے ادا کیا۔

"ہاں وہی نور عالم! انہوں نے محبت سے عمار کے لبوترے سر پر اپنا سیاہی مائل ہاتھ پھیرا۔

"اماں! ان سے تو ہماری کوئی سلام دعا نہیں ہے، ان کو تو رہنے ہی دو۔ ویسے بھی وہ اچھے خاصے پڑھے لکھے ہیں۔ ہمارے عجیب الخلقت خاندان کو دیکھ کر وہ کیا سوچیں گے؟" معمر نے نام لکھنے سے صاف انکار کر دیا۔

"اے میں کہہ رہی ہوں لکھ۔ اس کی بیوی سے سلام دعا ہے میری۔ ایک دو مرتبہ گلی سے گزرتے ہوئے اس نے مجھے سلام بھی کیا اور اپنے گھر آنے کی دعوت بھی دی ہے۔ اتنا...... بڑا گھر ہے اس کا تو دل بھی بڑا ہی ہو گا ناں۔"

وہ اس کے ٹائلوں والے گھر سے کچھ زیادہ ہی متاثر لگ رہی تھیں۔

"لو بھئی اماں! میرا کام تو ختم، ایمان سے اب تو نیند بھی آنکھوں میں بھر گئی ہے۔" اس نے انگڑائی کے ساتھ ہی بڑی سی جمائی بھی لی مگر اگلے ہی پل اس کے انگڑائی لیتے بازو فضا میں ہی رہ گئے۔ اماں نے بھی صوفہ چھوڑا اور اپنے بھاری بھر کم وجود کو سنبھالتی باہر تخت کی طرف بھاگیں۔ جہاں منور حسین سر جھکائے شکست خوردہ سے بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا منور حسین! ٹھیک تو ہو؟" مگر ادھر گمبھیر خاموشی تھی۔

"اے کچھ تو بتاؤ۔ یوں منہ لٹکا کر بیٹھ گئے میرا تو دل ہولائے دے رہے ہو۔" اماں بھی وہیں تخت پر بیٹھ گئیں۔

چھنو بھی ادھورا ڈرامہ چھوڑ کر منور حسین کے قدموں میں بیٹھ گئی اور منور حسن چھنو کے سر پر ہاتھ رکھ کر دھیمی آواز میں بولے۔

"مجھے معاف کر دینا میری بٹی! تجھے اب چند جوڑوں اور معمولی جہیز میں ہی اس گھر سے رخصت ہونا گا۔"

"کیا اول فول بولے جا رہے ہو، کیا سٹھیا گئے ہو؟ سیدھی طرح اصل بات کی طرف کیوں نہیں آتے۔"

اماں نے جھنجلا کر ان کے ناتواں کندھے پر ہاتھ مارا تو ان کی ہڈیوں کے چٹخنے کی آواز واضح سنائی دی۔ باقی سب بھی منہ کھولے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"وہ...... وہ......" منور حسن ہکلائے۔

"ہاں...... ہاں بولو۔" اماں نے ان کے خضاب لگے بالوں پر ہاتھ پھیر کر حوصلہ دیا اور پانی کا گلاس ان کے کپکپاتے لبوں سے لگایا جو عمار ان کی

حالت کے پیش نظر لے آیا تھا۔

پانی پی کر کچھ حالت تو سنبھلی تھی مگر آواز ابھی بھی کانپ رہی تھی۔ مگر صورت حال سے سب کو آگاہ کرنا بھی لازمی تھا۔

وہ...... ہاجرہ بیگم! ابیہ سلطانہ نے شادی سے انکار کردیا ہے۔" خبر سنا کر وہ چور سے بن گئے۔

"کیا......" الفاظ تھے یا بم، ہاجرہ بیگم کو غش آ گیا۔

چھنو اپنے میلے دوپٹے کو منہ میں پھنسا کر دبی آواز سے رونے لگی۔ عمار اور بلو کے چہروں پر بھی یہ خبر سن کر مردنی چھا گئی مگر اماں کی حالت دیکھتے ہوئے انہیں جلدی سے ان ہی کے لہسن پیاز کی بسائندھ میں رچے دوپٹے سے ہوا دینے لگے۔ چلو بھر پانی ان کے منہ میں ٹپکایا تو انہوں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور بھرائی ہوئی آواز میں منور حسین سے مخاطب ہوئیں۔

"پر منور حسین! انکار کی کوئی وجہ بھی تو بتائی ہوگی اس نے۔"

"ہاں۔" منور حسین نے سرد آہ بھری۔

"وجہ سن کر ہی تو میرے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔"

"اے اب بتا بھی چکو، نہیں ہو رہا صبر مجھ سے۔" انہوں نے اپنا سینہ مسلا۔

"دو دن پہلے ہارٹ اٹیک ہوا ہے اسے۔ کل ہی اسپتال سے گھر آئی ہے۔ آج اس نے مجھے فون کر کے بلایا۔ کہنے لگی میری زندگی کا کوئی بھروسا نہیں میں تمہیں دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتی۔ میں نہیں چاہتی کہ تم شادی کے چند دن یا چند ماہ بعد ہی رنڈوے ہو جاؤ۔ میں تمہارے جیسے مخلص شخص کو یہ دکھ ہرگز نہیں دوں گی۔"

منور حسین یہ بات بتاتے ہوئے تقریباً رو ہی دیے اور اماں ان کا تو یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔

"ہائے یہ کیا ہوا؟"

لاکھوں کی جائیداد کی اکلوتی وارث ابیہ سلطانہ منور حسین کی دور پرے کی رشتہ دار تھیں۔ بھاری بھرکم ہونے کے باعث رشتہ ہی نہ ہو سکا جو آتا انکار کر کے چلا جاتا اور شادی کی عمر نکلتی چلی گئی۔

ماں باپ کے دنیا سے رخصت ہوتے کے بعد وہ اس مکان میں بالکل تنہا رہ گئیں۔ سرکاری اسکول میں نوکری کرتی ہزاروں کما رہی تھیں۔ ابھی ریٹائرمنٹ لے کر لاکھوں روپے کی مالک بنی تھیں۔ سنا تھا جوانی میں منور حسین پر بڑی آس لگائے بیٹھی تھیں اور اسی آس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہاجرہ بیگم نے اپنے شوہر منور حسین کا رشتہ ابیہ سلطانہ کے سامنے رکھا تو وہ بھی کچھ پس و پیش کے بعد مان گئیں کہ تنہا رہتے رہتے وہ بھی اوب گئی تھیں اب اپنی زندگی کے باقی ماندہ ایام وہ بھرے پرے گھر میں گزارنا چاہتی تھیں۔

ہاجرہ بیگم نے ان کو شیشے میں ایسا اتارا کہ وہ منور حسین کی سادگی اور پرخلوص رویہ دیکھ کر آنے والے دنوں کے تصور سے ہی کھلی کھلی رہنے لگیں مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہاجرہ بیگم کا یہ خواب کہ دو کمروں کے گھر سے ابیہ کے بڑے سے پختہ و خوب صورت مکان میں شفٹ ہو جائیں گے، بیٹی خوب جہیز لے کر رخصت ہوگی اور ابیہ کی ساری کمائی میرے بیٹوں کے کام آئے گی۔ ان کے تو دن ہی پھر جائیں گے۔

بڑی دور کی سوچی تھی، انہوں نے تو، اپنے شوہر میں بٹوارہ بھی اسی بنیاد پر برداشت کرنے کی ٹھان لی تھی۔ یہ کڑوی گولی نگلنے کا فیصلہ اپنے بچوں کے خواب پورے کرنے کے لیے کیا تھا مگر سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔

ابیہ کے انکار کی خبر سن کر وہ اس شعر کی تفسیر بنی ہوئی تھیں۔

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب لب بام رہ گیا

☆☆

فرزانہ کھرل

ہم اور بلبلیں

مکمل ناول

محسن لندن سے فلم اینڈ ٹیلی ویژن پروڈکشن میں ڈپلوما حاصل کر کے کام کا آغاز کر چکا ہے۔ عون لندن فیشن میک میں انعام حاصل کر چکا ہے، وہ ایک ان پروفیشنل ماڈل ہے۔ محسن اپنے نئے سیریل کے لیے عون کی منت سماجت کرتا ہے اور ایک مشہور اداکارہ سے ملاقات رکھتا ہے۔ عون اسکرپٹ پڑھنے کے بعد اسے انکار کرتا ہے جبکہ محسن اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

نیاز منزل میں صباحہ اپنی بھابھی نرگس، بھتیجے فاخر اور بھتیجی بدرا کے ساتھ رہتی ہے۔ نوکری کرتی ہے کسی پر بوجھ نہیں ہے۔ جواد سے الگ رہتی ہے، گھر میں فاخر کی شادی کی تیاری چل رہی ہے۔

عون کو ڈکیہ خالہ کا بیٹا سمجھ کر بدرا اور نرگس اسے شادی کے کاموں میں مدد کے لیے رکھ لیتی ہیں۔

صباحہ عون کے سپرد اپنا ایک کام کرتی ہے اور مکمل رازداری برتنے کی کو کہتی ہے۔

(دوسری اور آخری قسط)

اگر تم یہ سمجھ رہے ہو کہ اطلس کی ملائم شرٹ کے ساتھ کھدر کی شال لینے والی صباحہ کے لیے اس گھر میں ایسی جہالت کی بنا پر کوئی جگہ نہیں تھی تو اس بھول سے نکل آؤ کہ جواد کا گھر، اس کی بیوی کی ایسی احمقانہ اور بچگانوں حرکتوں کی وجہ سے ٹوٹا تھا کیونکہ جواد کی شادی کے اگلے ایک سال تک یاقوت نے سوائے عون عالم کے جیسے اپنے ہر فیملی ممبر کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا جن میں سر فہرست اس کی بیٹی ریسہ تھی۔

شہود کی پہلی منگنی سے شروع ہونے والی اسٹوری جو ریسہ کے ذکر پر روک کر باقی آئندہ جیسے الفاظ کے ساتھ عون کو منہ چڑا رہی تھی، اگر وہ کسی فولڈر میں مسودے کی صورت ہوتی تو اس وقت وہ جس اضطراب کا شکار تھا، وہ فولڈر باہر گلی میں پڑا

ہوتا۔

بالآخر عینی نے اسے ہر ایک راز بتانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

عینی کا اپنے گھر والوں سے لڑ جھگڑ کر ان کے گھر رہنا اور پھر کسی اسکرپٹ پر کام کرنا کاش یہ سب کچھ پہلے کی طرح اس کے لیے ایک عام سی بات ہوتی، اس

Scanned with CamScanner

کی سوشل ورکر کزن اس کے گلے کی ہڈی
ثابت ہو رہی تھی اس کا منتشر ذہن اس کے واٹس
ایپ پر پڑی اسٹوری کی ایک ایک لائن دہرا رہا تھا، وہ
سمجھ نہیں پایا کہ کس لائن میں چھپا کون سا کردار اسے
زیادہ ہرٹ کر رہا ہے، وہ ابھی حتمی نتیجے پر پہنچنے سے
قاصر تھا۔ عینی پہلے بھی گرینی کے خلاف بولتی رہتی
تھی۔ بسا اوقات وہ اپنی ماں کو بھی نہیں بخشتی تھی۔

وہ اگر اس حقیقت سے ایک ہفتہ قبل پردہ اٹھاتی
تو وہ دھاڑ کے کہہ سکتا تھا۔ ''یہ جو تم نے ڈرامہ لکھا ہے،
جھوٹ کا پلندہ ہے، سراسر بکواس ہے۔''

''مگر اب حالات رخ بدل چکے تھے اپنی
کلائیوں میں لاکھوں پہننے والی صباحہ ہزاروں کمانے
کی غرض سے خوار ہوتی پھر رہی تھی تو کیوں؟''

اس کی اس حالت کا ذمہ دار گر عالم ولا سے
متعلقہ کوئی فرد تھا تو وہ کون تھا۔

اسٹوری کے پہلے حصے نے اسے الجھا کے رکھ
دیا تھا۔ اس کے نزدیک صرف دادی کا ہی نہیں اپنے
باقی فیملی ممبرز کا امیج بھی اس قدر قد آور تھا جس کے
آگے عون شہود کو ہر کوئی بونا محسوس ہوتا تھا دوسری
جانب صباحہ اگر شیش محل جیسی شخصیت کی حامل تھی۔ وہ
اس بات کو تسلیم کر سکتا تھا پھر اس کے بعد کیا ہوتا۔ وہ
جانتا تھا کہ شیش محل میں ہر قد آور شے کا عکس بونا ہو
کے جھلکتا ہے ٹکڑوں میں بٹ کے جھلکتا ہے، درمیان
میں کوئی حقیقت تھی جو اس بے فکر نوجوان سے مخفی تھی۔

اس نے ایک بوجھل قسم کا سانس خارج کرتے
ہوئے آج پہلی بار محسوس کیا کہ ہر چھوٹی بڑی یا مہلک
بیماری کے علاوہ بھی کوئی تکلیف ہوتی ہے جو آپ
کو تنگ کر سکتی ہے، اس وقت وہ اپنے منفی اندازوں کی
جس قدر بھی نفی کرتا پھر بھی ایک خیال سا ذہن میں
چبھ رہا تھا۔

کیا واقعی عینی وہ سب کچھ جانتی ہے جو وہ نہیں
جانتا۔

وہ پیشانی مسلتے ہوئے بیٹھک کا دروازہ کھول کر
باہر گلی میں نکل آیا۔ عینی جو جانتی ہے اگر وہ بہت برا
ہوا تو؟ اس کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد بیٹھک میں واپس آ کر اس نے
سگریٹ سلگائی تھی۔ "اس نے حرف حرف تو سچ نہیں
لکھا نا، کہیں تو مبالغہ آرائی سے بھی کام لیا ہوگا۔"

اس نے گہرے کش لیتے ہوئے خود کو تسلی دی۔

وہ اگلے دن واپس جانے کا سوچ رہا تھا اس
لیے نہیں کہ وہاں ڈھیروں کام اور بہت سے لوگ اس
کے منتظر تھے۔ اس لیے کہ عینی کی اس اسٹوری کا اگلا
حصہ وہ ماں کی زبانی جاننا چاہتا تھا۔

☆☆☆

ایک پرانے ماڈل کی سوک (اوبر) جب تازہ
پینٹ شدہ عمارت کے سامنے رکی تو ماہ اکتوبر کی دوسری
دہائی کی دوپہر ڈھلنے کو تھی۔ گاڑی کے عقبی دروازے
کھلے پھر ایک ساتھ بند ہوئے سوک سے اترنے والے
دونوں مردوں کے ہاتھوں میں کچھ سامان تھا پھر گھر کی
جانب بڑھتے فاخر کے ماتھے پر سلوٹ ابھری۔

اس نے گھر کا چوپٹ کھلا دروازہ آج بھی
بڑبڑاتے ہوئے پار کیا عون اس سے چند قدم پیچھے تھا،
اس کی نگاہ گھومی، سائیڈ والے گھر سے چند لوگ نکل
رہے تھے ان کے ہاتھوں میں بیگ تھے، اسے یاد آیا۔
رات کو اس نے بھی اپنا بیگ پیک کیا تھا۔ دو تین جینز اور
شرٹس اتنے ہی شلوار سوٹ، شیونگ کٹ کلون ایسی ہی
چھوٹی موٹی ضرورت کی اشیاء کو بیگ میں سیٹ کرتے
ہوئے وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے ماضی میں ہونے والے
کسی حادثے کے گلٹ کا حصہ نہیں بننا تھا۔

اسے اب ماں کو پریشان کرنے کے بجائے یہ
کرنا تھا کہ نیاز منزل کا ایڈریس جو دادا انکل کے ہاتھ پر
رکھ کر ان دونوں ماں بیٹا کو جلال عالم کی فیملی کے ہر فرد
کی پریشانی سے بری ہو جانا۔

اسے عینی کے اسکرپٹ کے اگلے حصے میں کوئی
دلچسپی نہیں تھی، آج بھی اسے اپنی مرضی، اپنی بے فکری
اتنی ہی عزیز تھی وہ اپنی مصروفیات کو پھر سے جوائن
کرتے ہوئے پہلے اسے ثمامہ کے ساتھ میوزک
ویڈیو پہ کام کرنا تھا۔

دوسرا نمبر محسن کی سیریل کا تھا۔ بیگ کی زپ بند کرنے کے بعد وہ پرسکون تھا، اسے نیند بھی آنے لگی تھی۔

صبح جب سورج ہمسائیوں کی مشرقی عمارت سے بھی نیچے ہی تھا تو اس نے بیٹھک کی کھلی کھڑکی سے باہر جھانکا۔ روز ایسا ہوتا کہ وہ بات کرنے کے لیے تمہید باندھ رہا ہوتا، وہ مصروف انداز میں ہوں ہاں کرتے ہوئے بھی اسے تو کبھی کلائی موڑ کے ٹائم دیکھتی پھر نرگس اسے آواز دیتی کہ ناشتہ لے جاؤ تو وہ سیکنڈ کی تاخیر سے پہلے کچن میں ہوتی۔

وہ ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے کھڑکی کے سامنے سے ہٹا تو ہر روز کی طرح اس کے قدم صحن کی جانب اٹھ رہے تھے۔ ہر روز کی طرح وہ خیر مقدمی طور پر اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

آج اس کے پاس کوئی تمہید نہیں تھی۔ وہ اسے خدا حافظ کہنے آیا تھا۔ وہ میرون اور بلیک پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس تھی جو اس پہ سوٹ کر رہا تھا وہ پانی کا پائپ کیاری میں لگا کر اس کی طرف آئی۔

"پتا ہے تمہارے یہاں آنے سے پہلے میں سوچتی تھی۔ کم از کم اس شہر میں تو ایسا کوئی شخص نہیں جس پر میں اعتماد کر سکتی ہوں۔"

اسے حیرت ہوئی اس کی بات سے زیادہ اس کے انداز پہ، وہ یونہی بات کرتے کرتے اس کے برابر میں ٹھہر گئی جیسے اس تمہید کے بعد وہ اس سے کوئی خاص بات کرنے والی ہو۔

اس کے برابر کھڑا نوجوان اس کی اگلی بات کا منتظر تھا مگر اس کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جلدی میں تھا وہ دھوپ چڑھنے کا اور کسی جانی دار دروازے کی کھنک کا منتظر نہیں تھا۔ اس نے خود کو یقین دلایا۔

اس نے کٹ کٹاک کی آواز سے اور ان کے ڈربے کی جانب نظر اٹھانے سے بھی احتراز برتا۔

"میں سوچتی تھی پھر مایوس ہو جاتی تھی یہ ناممکن تھا میں کسی پر کیسے بھروسا کرتی۔ کام ہی ایسا ہے۔" وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اسے بتا رہی تھی، اسے جتا بھی رہی تھی کہ وہ اس کے لیے قابل بھروسا ہے اور وہ جامد وجود کے ساتھ کھڑا اس کی شکل دیکھ رہا تھا ساکن آنکھوں کے ساتھ۔

اس کے رنگ بدلتے چہرے پر ہچکچاہٹ نہیں تھی وہ اس سے بات کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اگر اس کے چہرے پر ایک ہی تاثر تھا اس نوجوان سے راز داری قائم رکھنے کی التجا تھی۔

"میں تمہیں جس آدمی کے پاس بھیجوں گی تم نے اسے یہ نہیں بتانا کہ ہم آپس میں رشتے دار ہیں بلکہ تم نے۔"

اس نے بات مکمل کرنے سے پہلے لب بھینچ لیے، بات ادھوری رہ گئی تھی مگر اس نے سامنے کھڑی عورت کے چہرے پر سنجیدگی کی جگہ ایک نرم مسکراہٹ نے گھیری تو وہ سمجھ گیا کہ ان کی طرف آنے والا کون تھا۔

بات مکمل ہو جاتی تو اس وقت رخت سفر باندھ کے کھڑا وہ نوجوان وہ سب محسوس نہ کر رہا ہوتا جو حیرت سے بڑھ کے تھا۔ سورج ابھی مشرقی عورت کے پیچھے ہی تھا اس نے دیکھا اس کی مسکراہٹ اور اس کی آنکھوں کے بھیگے گوشے پر بھی چمک رہے تھے۔

وہ آدمی کون تھا صاحبہ کو اس سے کیا کام تھا تو کیا حقائق کھلنے کی گھڑی آ گئی تھی۔ اس نے سر اٹھا کے ایک گہرا سانس لیا۔ بعض دفعہ کسی نئے مقام پر آنا اور رہنا مشکل ہوتا ہے اور واپس جانا اس سے بھی مشکل۔

☆☆☆

نانی کے پاؤں کی سوجن اب اتر چکی تھی پھر بھی احتیاطاً وہ اپنے کاموں میں بدرا سے مدد لے رہی تھیں جو نانی کو چینج کروانے کے بعد ان کے بال بنا رہی تھی۔ وہ دونوں جو دوپہر ڈھلنے کے بعد گھر آئے تھے اب گول میز کے اطراف ایک کھلے رجسٹر پر سر جوڑے بیٹھے تھے۔

فاخر اپنے محدود بجٹ کی وجہ سے مہندی کی تقریب کے حوالے سے کھانے پینے اور کیٹرنگ وغیرہ جیسے اخراجات کا حساب لگا کر اس تمام خرچے کا تخمینہ لگانا چاہتا تھا۔

نانی اسے بہت سی باتیں سمجھا رہی تھیں، خصوصاً فاخر کی بیوی کے حوالے سے مگر وہ متوجہ نہیں تھی کہ اس

ماہنامہ شعاع نومبر 2022 69

کی نگاہ اس پیکنگ شدہ شاپنگ کی جانب بھٹک جاتی جو فاخر اس کی فرمائش پر اپنے بیڈ روم کی سجاوٹ کے لیے لایا تھا۔ نگاہ چیزوں کی طرف اٹھی تو وہ چہرہ بھی چھو آئی جو آج گہری سنجیدگی کی گرفت میں تھا۔

اب شادی کی رسومات سے بھرپور ہفتے کا آغاز ہونے والا تھا اسی لیے صباحہ بھی آج عمومی کام نپٹانے کے چکر میں تھی۔ اس نے واشنگ مشین لگا رکھی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے اور بدرا کے شادی پر پہننے والے کپڑے بھی پریس کر رہی تھی۔

نرگس ٹیلر کے پاس سے بری کے جوڑے اٹھا لائی تھی۔ اب ان کی سلائی چیک کر رہی تھی۔

ان نانی نواسی کے بیچ ہونے والی ہلکی پھلکی بحث کا رخ نانی نے نہایت سجاؤ کے ساتھ اس وقت بدلا جب اس نے بدرا کی آستین کے ساتھ جڑی خوب صورت ڈوری کا دوسرا حصہ غائب پایا۔

''تمہیں اس تنہا ڈوری کی اداسی محسوس نہیں ہوتی۔'' نانی نے آنکھیں چھوٹی کر کے اس کی آستین پر ہلکی سی دھپ لگائی۔

''اللہ نانی آپ بھی ناں۔'' وہ ہنسی۔

اس کی ہنسی کی آواز گول میز کے اطراف عین اس کے سامنے بیٹھے شخص تک گئی جو نگاہ کو اپنا پابند نہیں رکھتا تھا ہاتھوں پر خوشبودار لوشن لگاتی نانی اسے بتا رہی تھیں کہ کس طرح تمام ساڑھیاں ان کی سہیلیاں ہیں وہ ان کا خیال رکھتی ہیں......

''نہیں نہیں وہری فنی۔'' وہ سر جھٹکتے ہوئے ایک بار پھر سے ہنسی۔ رجسٹر پر چلتے مار کر کی نوک تلے جو اچانک رکی وہ اس کی ہنسی تھی۔ ایسی ہنسی کے گرد باؤنڈ لائن ہونی چاہیے (امن کی دشمن) اس وقت وہ اس سے بہتر القاب منتخب نہیں کر سکتا تھا۔

''اب پچھتاتی ہوں اماں! چار سال پہلے جب آپ نے حامد کے لیے بدرا کو مانگا تھا تو فاخر نے بہن کی کم عمری کا بہانا نہ بنا کر انکار کر دیا تھا تب اگر میں آپا کی طرف داری پہ اڑ جاتی تو کتنا اچھا ہوتا اب حامد کی بیوی کو دیکھو، کیسے عیش کر رہی ہے۔''

وہ بات ماں سے کر رہی تھیں سنا بیٹے کو رہی تھیں نانی اپنی ہلکی سبز ساڑھی کے گہرے سبز حاشیے کی ملائمت چیک کر رہی تھیں کہ بہو کی نوکرانی اکثر اس کے کپڑوں کو واشنگ مشین میں ڈال دیتی تھی۔

انہوں نے سبز حاشیے سے ہاتھ ہٹا کر بیٹی کی طرف دیکھا وہ کیسی لاپرواہ ماں تھی جس کے بیٹے کو دن بھر کی ڈیوٹی کے بعد گھر آنے پر بھی فراغت نصیب نہیں تھی بجائے اس کے بیٹا اپنے کمرے کے لیے جو سامان لایا تھا وہ اٹھ کر چیک کرتی، اسے پرانے پچھتاوے یاد آ رہے تھے وہ بھی اکلوتی بہو کی بری دیکھ کر۔ انہوں نے اپنے ان خیالات کا اظہار بھی کیا۔

بدرا ان کے جوڑے پر پنیں لگا کے شاپنگ کی طرف بڑھی۔

''پرانی باتوں پر پچھتانے کا اب کچھ فائدہ نہیں نرگس! خوشی روپے سے نہیں قسمت اور مقدر سے ملتی ہے صباحہ بھی تو بڑے گھر میں بیاہی گئی تھی۔''

انہوں نے بیٹی کو مثال دے کر سمجھایا مگر آواز دھیمی ہی رکھی۔

''یہی تو دکھ ہے اماں! صباحہ اگر اپنے گھر میں آباد ہوتی تو آج بدرا بھی ان مسائل سے دوچار نہ ہوتی، کئی اچھے رشتے آتے ہیں مگر جب صباحہ کی بات کھلتی ہی تو اگلے ہی دن معذرت کا پیغام آ جاتا ہے کہ پھوپی بھتیجی ایک ہی ذات۔'' نانی مثال دے کے پچھتائیں۔ نرگس کی آواز صحن تک پھیل چکی تھی۔ کاش ان باتوں کی بھی باؤنڈ لائن ہوتی جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

رجسٹر پہ چلتا مار کر پھر سے رکا دھلے کپڑوں کو الگنی پر پھیلاتی صباحہ کو فاخر اور عون نے یک بیک دیکھا اس کا چہرہ سپاٹ تھا جیسے وہ ان باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔

''نہ کیا کریں ایسی باتیں، کم از کم آنی کی موجودگی میں احتیاط کیا کریں۔'' فاخر نے سو بار کا کہا جملہ ایک بار پھر سے دہرایا، تکلیف اور التجا کے ساتھ۔

''تم سے تو بات کرنا ہی مشکل ہے نرگس! یہ بچ

ہے کہ گھر تو دو افراد کا ٹوٹتا ہے مگر اس سے دو خاندان
متاثر ہوتے ہیں۔"
نانی بھی نرگس تو کبھی فاخر کو سمجھا رہی تھیں۔
جب بیاہی بچیوں کا گھر ٹوٹ جاتا ہے تو پھر میکے
واپسی پر بھاوجوں کا سلوک بدل جاتا ہے، جب
والدین کا سایہ بھی سر پر نہ ہو تو یہ سلوک بدترین ہو جاتا
ہے اب میں اپنی بیٹی کو دوش دوں یا تم سے شکوہ کروں
تم جو اپنی ماں کو تاڑ رہے تھے۔"
وہ کسی پر بوجھ نہیں، اپنا کماتی ہیں۔" ٹھیک ہے وہ
کسی پر بوجھ نہیں مگر جوان جہان ہے، خوب صورت ہے
اس کی ہر اونچ نیچ کی ذمہ دار اس کی بھاوج ہی ٹھہرے گی
، سچ کہوں تو ہم بوڑھوں کو تم جیسی تعلیم یافتہ نسل سے یہ
امید نہیں تھی جو اس غیر اسلامی رسم کو جڑ سے اکھاڑنے
کے بجائے اس کی آبیاری کر رہے ہو۔"
وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے افسردگی سے گویا
ہوئیں حرف بہ حرف غور سے سنتے فاخر نے ان کی
آخری بات پر سر جھکا لیا تھا تو اس کا کیا مطلب تھا۔
عون کے اوسان خطا ہوئے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ
ان روایات پر قائم کھڑا تھا، ہر عورت اپنی ہر روایات
سے باخبر ہوتی ہے۔
عالم ولا، بیٹی کا اسکرپٹ اور جواد جیسے یہ سب
پس منظر میں چلے گئے تھے اب سامنے کوئی دوسرا کھڑا
تھا جس کی خاطر وہ عون کو اپنا راز دار بنا بیٹھی تھی، اس
راز دار نے تحیر میں اتر کے اسے دیکھا جو لانڈری ایریا
میں کھڑی کسی محلے دار عورت سے بات چیت میں
مشغول تھی اپنی اسی خوش حال قسم کی مسکراہٹ کے
ساتھ، وہ اس عورت کو بوجھتے بوجھتے جب اندازے
کے قریب تر تھا تو آج صبح اچانک وہ ایک دوسری پہیلی
میں ڈھل گئی تھی۔

☆☆☆

گھر صرف دو افراد کا ٹوٹتا ہے مگر اس سے دو
خاندان متاثر ہوتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو نہ صرف
جان چکا تھا بلکہ بھگت بھی رہا تھا بقول اس کے دوست
کے وہ اس عجیب و غریب اکیڈمی میں ریکلٹی پر مبنی
ایکٹنگ سیکھ رہا تھا۔
اس وقت بھی وہ کچن کی چوکھٹ کے ساتھ بیٹھا
ایک جہازی سائز لالٹین کو ریگ مار سے صاف کرنے
میں مصروف تھا۔ اس کالی لالٹین کو چمکانے کی یہ جگہ
بھی نرگس کی مختص کردہ تھی جو اس وقت ماں کے سر پہ
کھڑی دکھڑے رو رہی تھیں۔
"مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا یہ پورا سوٹ میچنگ
کے ساتھ پہنتی ہے یا نہیں، فرق اس بات سے پڑتا ہے
کہ سولہ جماعتیں پڑھنے کے بعد بھی اسے پتا نہیں کون
سی بات کس کے سامنے کرنی ہے۔" اپنی نواسی کو یہ
سمجھانے کے بجائے کہ تمہارے قرمزی سوٹ کے
ساتھ کا دوپٹہ الماری میں پڑا پڑا تمہارے اس فیروزی
بیٹے کا دشمن بن چکا ہے، اسے پاس بٹھا کر کچھ عقل
سکھائیں ابھی خان صاحب کی بیوی مٹھائی اور مبارک
باد دینے آئی تھی، اس نے آپ کی لاڈلی سے جب
مصروفیات کی بابت پوچھا تو جھٹ سے بولی آج کل
سارا دن بس ڈرامے دیکھتی ہوں۔" ہائے کئی بار سمجھا چکی
ہوں کہ لڑکی کو کبھی کے قاعدے کی طرح نہیں ہونا چاہیے
بس فرفر ہی پڑھ لی جائے۔"
عون نے گردن موڑ کے اس دشمن دار دوپٹے کو
دیکھنا ضروری سمجھا، وہ اپنی ماں کی صندوقچی چرا کر کچن
کی اوٹ میں بیٹھی یقیناً کسی چابی کی تلاش میں تھی، وہ
اس بات پہ اچھلی۔
"سچ بتانا کیا واقعی میں الف انار اور ب بکری
جیسی سیدھی سادی ہوں۔" یہ سوال ذکیہ کے بیٹے کے
لیے تھا۔ مگر جس نے چہرہ اٹھا کے اسے دیکھا وہ کوئی
اور تھا ایک ماڈل، ایک اداکار، ایک مسافر جو پہلے بھی
بھیس بدلتا تھا جو کبھی صبح سویرے نیند برباد کر کے
آنکھیں ملتا ہوا ایک لڑکی کے پیچھے چرچ جاتا تھا پھر
اس کی محبت کا اعتراف بھی نہیں کرتا تھا تھوڑی دیر پہلے
وہ محسن سے بات کر رہا تھا۔
"مصروف تو نہیں تھے۔" اس نے بات روک
کے پوچھا وہ بے ساختہ کہہ گیا کہ "لالٹین صاف کر رہا
ہوں۔" تو اپنے آفس میں کافی سے لطف اندوز

Scanned with CamScanner

ہوتے محسن نے ہنسی سے دہرا ہوتے ہوئے کال کاٹ دی تھی پھر دس منٹ بعد اسے دوبارہ کال پہ لے کر وہ بتا رہا تھا کہ میں رائٹر سے یہ سین بھی لکھوا رہا ہوں۔ وہ جب سے یہاں آیا تھا تو اس کی پوزیشن کے مطابق محسن اس کے سین پہ سین لکھوا رہا تھا کیونکہ وہ اس گھر کے ہر فرد کو جانتا تھا۔ دو دن قبل آنے والی نانی سے لے کر اس لڑکی تک جو فاخر کے اندر کہیں اب حسرت بن کے رہ گئی تھی وہ خود کو اچھا انسان سمجھتا تھا تو آج ڈھیروں کام کی باتوں کے دوران بھی اس نے صباحہ کے راز کو راز ہی رکھا تھا بالکل اسی طرح جیسے وہ اس سے بدرا کی ذات شیئر نہیں کرتا تھا۔ اپنے نام کی طرح منفرد سی اس لڑکی کو انہماک سے دیکھنا بھی آسان نہیں تھا کہ اس کا دشمن دار دوپٹہ بھی دل لگی جتانے لگتا تھا اس کے بارے میں کسی دوسرے سے بات کرنا آسان نہیں تھا اسے یہ بتانا بھی مشکل تھا کہ وہ الف انار جیسی تھی یا نہیں۔

''باجی گھر میں مہمان آ گئے ہیں تو چینی چاہیے تھی۔'' اس نے کچھ کہنے کو منہ کھولا پھر بچی کی آمد پر خاموش رہ گیا۔

''چینی چاہیے تھی تو دکان پر جانا تھا اک تیری اماں ہی جانتی ہے کہ چینی مہنگی ہوگئی ہے تب ہی تو ٹب جتنا پیالہ دے کر تجھے پڑوس میں بھیج دیا۔'' برآمدے سے نرگس کی سخت آواز ابھری۔

''افوہ اماں! ہر چیز کو تو آپ نے تالا لگا رکھا ہے۔''

وہ برآمدے کی طرف منہ اٹھا کر بولی تو وہ بے وقت مسکرانے پر مجبور ہوا، اس کے پاس ہر تالے کی چابی تھی تالیہ صرف اپنا ہی خیال نہیں رکھتی مہمانوں کے لیے پلان بی اور ہمسائیوں کے لیے پلان سی بھی ہوتا ہے، وہ کالر اکڑا کے آگے بڑھی پھر باورچی خانے میں گھستے ہی بچی کی کمر پہ دھموکا جڑا کتنی بار سمجھا چکی ہوں۔

''جب برتن کے ساتھ چیز لینے آؤ تو میری اماں سے کہا کرو کہ میں تو برتن کو رنگ کروانے آئی ہوں۔'' وہ اس کے ٹب جتنے پیالے کو چینی سے بھرتے ہوئے بولی۔

میلے کپڑے سے ہاتھ صاف کرتے عون نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا۔

''ہر چیز کو ایک ہی برش سے رنگ کرنے والی بدرا تو یہ الف انار جیسی سیدھی تو ہرگز بھی نہیں تھی، اس مہمان نے اگر خالہ کو بتا دیا تو۔'' بچی نے سہم کے عون کو دیکھا۔

''تم اس کی فکر کرنے کے بجائے جلدی سے بھاگ لو، اسے تم میرا ہی سمجھو۔'' وہ اس کے کان میں گھسی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' وہ نیچے کہیں زمین میں دھنسا، کشمش کے دانے پھانکتے ہوئے وہ بطور محافظ اس کے ہمراہ چل پڑی۔ وہ نہیں جانتی تھی جسے وہ اپنا بنا چکی تھی۔ وہ اسے ایسے ہی دیکھ رہا تھا جیسے دو تین سال کا بچہ بچی کے قاعدے کو دیکھتا ہے۔

اس کو اوراک نہیں
اس کی بل کھاتی ہوئی زلف کے ہر پیچ میں
بھٹکا ہوا اک جنگل ہے! اور
ہر پیچ کے جنگل کی کہانی پہ مبہوت ہوں میں
اس کو ادراک نہیں
اس چشم ستم کی جادوگری کی
وہ ملائم سی پکار
سر پھری راہ میں ست رنگے پرندوں کو بلاتی ہے
پھر اڑا دیتی ہے
انہیں سرمست پرندوں کی آنی جانی پہ
مبہوت ہوں میں

☆☆☆

''تمہاری آنی میں اگر اتنی ہی برداشت تھی تو وہ اپنا گھر چھوڑ کر واپس کیوں آ گئیں۔''

عون کے اس سوال نے اسے پریشان ہی نہیں شرمندہ بھی کیا تھا۔ تب سے یہ بات ذہن میں سر اٹھا رہی تھی کہ وہ اسے جواب کیوں نہیں دے پائی آنی سے اس نے کبھی کچھ پوچھا ہی نہیں تھا۔

رہی اس کی ماں تو وہ کوسنوں اور طعنے تشنوں کی صورت بات کرتی تھیں، وہ بھی اپنے شوہر اور سسر کو سناتیں جو صباحہ جیسی ذمہ داری ان کے کندھوں پر ڈال کر خود اللہ کے پاس بہت آرام سے تھے۔ ہاں کبھی کبھار جب وہ دونوں نکے پلاؤ یا پھر بے موسم کی شاپنگ پر خرچا کرتیں تو اس کے کوسنوں کا رخ صباحہ کی طرف مڑ جاتا تھا لیکن آج کل جس طرح وہ نانی کے آگے اپنی نند کی ناکام شادی کے دکھڑے روتی تھیں تو اس موضوع نے پہلی بار بدرا کی توجہ کھینچی تھی۔

اس وقت وہ نئی میک اپ کٹ کو اپنے سامنے کھولے ہر ایک چیز کا شیڈ کبھی چہرے تو کبھی ہاتھ پر لگا کر چیک کر رہی تھی۔ وہ وقتاً فوقتاً آنی پر بھی نظر ڈال لیتی جو اس وقت ایک سفرنامہ میں غرق تھی، وہ اس شوق کی خاطر کڑے وقت سے بھی وقت نکال لیتی تھی۔

"آپ اتنی اچھی اتنی پیاری ہیں پھر آپ کے گھر ٹوٹنے کی وجہ کیا تھی۔" اس نے اچانک پوچھا۔

"صام اور ایلی ایک لق و دق برف زار کے اس راستے پر تھے جہاں برفیلی زمین چٹان کی طرح سخت تھی پھر اچانک وہاں کی برف نرم کیسے ہوئی۔ مطالعہ کرتی وہ آنکھیں انہیں جملوں پر ساکن ہوئیں، آگے خطرناک برفانی شگاف تھا وہ دونوں شاید بچ جاتے۔"

اس سوال نے رات کے ایک بجے صباحہ کو برفیلے گڑھے میں پھینکا جب بدرا جیسا بے نیاز بندہ ایسے سوال کرنے لگا تو جان لینا چاہیے کہ دور کہیں داستان کھل چکی ہے۔

"کچھ خاص وجہ نہیں تھی۔" اس نے سفرنامے پر گرفت پکڑتے اسی صفحے کو پھر سے کھولا۔ "آپ وہاں بھی ننگے پاؤں پھرتی ہوں گی۔"

سوال کرنے والی نے جھینپ کر اپنے پاؤں دیکھے یہ بری عادت تھی مگر چھوٹتی ہی نہیں تھی۔

"میں نے جوتا پہننے کی عادت ڈالی تھی۔"

وہ کہہ نہیں سکی آنکھیں کھلے صفحے پر مرکوز تھیں جہاں ایلی اور صام نے برفانی شگاف پار کر لیا تھا۔

"آپ وہاں دو تین رنگوں کے کپڑے پہنتی ہوں گی۔"

ایسا کہتے ہی اس نے اپنے تین رنگی لباس کو جھکے سے دیکھا کہ یہ بری عادت بھی جاتی ہی نہیں تھی۔"

"میں نے یہ عادت بھی بدل ڈالی تھی۔" وہ اسے بتا نہیں سکی۔

بس پڑھتی رہی وہ دونوں بچ گئے تھے تو نئی زندگی ملنے کے بعد اب آمنے سامنے آ کر مسکرا اٹھے تھے۔

"جب کوئی خاص وجہ نہیں تھی تو پھر آپ دونوں نے ایک دوسرے کو چھوڑا کیوں؟"

وہ اصرار سے بولی۔ اسے آنی کی یہ عادت سخت ناپسند تھی جب وہ جواب نہیں دینا چاہتی تھی تو دیوار بن جاتی تھیں۔

انہوں نے ایک دوسرے کو اس وقت بھی نہیں چھوڑا تھا جب اس نے ناسمجھی میں اپنا کمرہ جلا لیا تھا اپنے اردگرد پھیلی آگ کی دہشت سے اس کا بہت بڑا نقصان ہو گیا تھا اس کے شوہر کو اپنے بچے کے ضائع ہونے کی تکلیف ہوئی تھی مگر اس خوشی سے کم کہ اس کی بیوی بال بال بچ گئی تھی۔ وہ کسی کو کیا بتاتی وہ بھڑ بھڑ جلتے کمرے سے زندہ سلامت نکل آئی تھی مگر ایک پرائی آنچ نے ان کے رشتے کو جلا کے راکھ کر دیا تھا۔

صام اور ایلی دونوں مہم جو جب اپنے ہٹ کے اندر داخل ہوئے تو سامنے بیٹھے دو افراد کو دیکھ کر حیران رہ گئے وہ دونوں وہاں کیوں آئے تھے، وہ اس سفید برف زار میں ان کا قیام سیاہ کرنے آئے تھے بوسیدہ اوراق کی خوشبو بتا رہی تھی کہ دور کہیں کسی بڑھیا کے جھونپڑے میں داستان کھل چکی تھی۔

☆☆☆

رئیسہ آج کل میکے میں شو آف کر رہی تھی کہ ان میاں بیوی کے آپس میں تعلقات اس حد تک خراب ہو چکے ہیں کہ نوبت خلع پر آ چکی تھی، یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس نوبت پر ان کے خاندان پر انگلیاں اٹھیں

گی تو ان کے باپ کے دل پر کیا گزرے گی۔ شہود اپنی بہن کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا کہ وہ اس کے ہر فیصلہ میں اس کے ساتھ کھڑا ہے، یاقوت نے اسے اس کے حال پر چھوڑ رکھا تھا، تو وہ رئیسہ کی کسی بات پر چونکی نہ کسی ردعمل کا اظہار کیا۔

ایک جواد تھا جسے بہن کے فیصلے اور ماں کی خاموشی نے بے چین کیا تو اس کی وجہ اس کا باپ تھا، وہ اپنے باپ سے ایموشنلی اٹیچڈ تھا وہ اس کا مزاج سمجھتا تھا اس نے باپ کے وقار کی خاطر بہنوئی سے اپنے طور پر مل کر ان دونوں میاں بیوی کے درمیان مصالحت کی کوئی راہ نکالنا چاہی تو اس کا بہنوئی جبران، جواد کے منہ سے علیحدگی کی بات سن کر حق دق رہ گیا۔

جبران کی فیملی میں رئیسہ کے حوالے سے جو بھی چہ مگوئیاں ہو رہی تھیں۔ وہ شک یا مفروضوں کی بنا پر نہیں تھیں پھر بھی وہ اپنی بیٹی کی وجہ سے اس کے ساتھ نباہ کرنے کو تیار تھا، ابھی دو دن پہلے ان کے درمیان والی ایک تلخ و سرد جنگ کے نتیجے میں اگر وہ دو دن سے عالم ولا میں تھی تو یہ کوئی نئی بات نہیں تھی، ان کے درمیان ہونے والا جھگڑا بھی کوئی پہلا جھگڑا نہیں تھا وہ اپنے میکے میں جا کر خلع کی بات کر رہی تھی تو وہ اتنا بے وقوف نہیں تھا اب بھی سمجھ نہ پاتا کہ رئیسہ علیحدگی کیوں چاہتی ہے۔

اسے یہ خوش فہمی نہیں تھی کہ اس کی بیوی وقت کے ساتھ بدل جائے گی، وہ عجیب قسم کی خواہش پرست عورت تھی پھر بھی جبران نے جواد کی باتوں پر سنجیدگی کے ساتھ سوچا، وہ اسی وقت اپنی شام کی مصروفیات ترک کر کے جواد کے ساتھ ہی آ گیا تھا۔

جبران کو اس گھر میں ہر رشتے کا لحاظ اور پاس تھا مگر سرفہرست جلال عالم تھے جن کی شخصیت کی پختگی اور خاندانی رکھ رکھاؤ کے چرچے کی بنا پر ہی اس کی فیملی نے اس کا رشتہ اس خاندان سے جوڑا تھا، ان میاں بیوی کی ابتدائی مقابلہ بازی کے بعد جب رئیسہ کی من مانیاں بڑھنے لگیں تو اس بات کا اظہار جبران کی ممی نے یاقوت اور جلال سے کئی بار کیا تھا، اس سے پہلے کہ جلال ڈرائنگ روم میں آتے ایک کام جو مشکل تھا وہ جواد نے کیا، اس نے باپ کو رئیسہ کی ضد سے آگاہ کر دیا تھا مگر اسی بھرم اور اسی لحاظ کے ساتھ جو جبران کے ماں باپ ایک باپ کو بیٹی کی غلطیوں سے آگاہ کرتے ہوئے رکھتے تھے جو اس وقت سسر سے بات کرتے ہوئے جبران نے بھی قائم رکھا تھا۔

داماد کی پوری بات سننے کے بعد انہوں نے بیٹی کو استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔ وہ نگاہ چرائے گی، پھر جھکائے گی، پھر آئندہ خیال رکھوں گی۔ جیسے الفاظ کے ساتھ ان سب کو چائے پیش کرے گی۔

”میں فیصلہ کر چکی ہوں اور اس میں ردوبدل کی گنجائش نہیں۔“ یہ پہلا موقع تھا جب وہ نگاہ جھکانے کے بجائے باپ کی آنکھوں میں دیکھ کے مخاطب ہوئی، اس کی بات کے بعد ڈرائنگ روم کچھ دیر خاموشی میں ڈوبا رہا۔ وہ باپ کو دونوں بھائیوں کو اور ماں کو دیکھ رہی تھی، ان سے اپنی مرضی کے جواب کی منتظر تھی وہ نگاہ جھکا لے گی پھر اپنے باپ سے سوری کرتے ہوئے ان کو چائے سرو کر رہی ہوگی۔

جلال کے لیے اس تخیلاتی منظر کا ٹوٹنا ایک مشکل مرحلہ تھا جسے اس نے کڑے ضبط سے پار کیا۔

”ہمارے جیسے گھرانوں میں خلع کی بات سوچی بھی نہیں جا سکتی۔“ وہ پروقار انداز میں گویا ہوا۔

”اس نے مجھ سے کہا ہے میں تمہیں طلاق دے دوں گا۔“ اس کی ادھوری بات نے وہاں موجود ہر بشر کو گھما ڈالا لیکن جس کی پلک پلک ساکن ہوئی وہ جبران تھا، دو روز قبل کی بدترین بحث کے دوران وہ غصے میں ایک ایسی بات کہہ گیا تھا جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھی، کیا رئیسہ اس وقت وہ بات دہرائے گی، اس بات کو دہرانے کا مطلب تھا، وہ اس تباہی کو راستہ دکھانا چاہتی ہے جو جبران کی فیملی کی بنیادیں ہلا سکتی تھی۔

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''انسان جب غصے میں ہوتا ہے تو بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔ تم اسی وقت اپنا اور بیٹی کا سامان پیک کرو اور شوہر کے ساتھ اپنے گھر جاؤ۔''

انہوں نے مستحکم انداز میں فیصلہ سناتے ہوئے ایک بار پھر اپنی شریک حیات کو دیکھا جس کی جامد خاموشی سمجھ سے باہر تھی۔

''میں ایک ایسے شخص کے ساتھ نہیں رہ سکتی جو میرے بھائی کا گھر توڑنے کی بات کر رہا ہے۔'' وہ تنفر سے بولی، اس نے کچھ ظاہر کیا کچھ پیکنگ میں رکھا۔

''کون سا بھائی؟ کس کا گھر؟'' سب نے چونک کے اسے دیکھا یہ الزام اس کے لیے شاکنگ تھا اس کا پارہ سیکنڈز میں چڑھا۔

''تم جھوٹ بول کر اور مجھ پر الزام لگا کر بدلے میں اپنا مطلب نکالنا چاہتی ہو تو یہ تمہاری بھول ہے اگر طیش میں آکر میں نے کچھ کہا تھا تو تمہیں اس تکلیف کا احساس دلانے کے لیے جو تمہاری وجہ سے میری چچازاد بہن اور میری فیملی کو پیش آسکتی ہے۔''

جب رئیسہ نے خود یہ بات چھیڑ ہی دی تھی تو وہ اس کی فیملی کو مناسب الفاظ میں تصویر کا وہ رخ دکھا رہا تھا جو اسے خوف زدہ کر رہا تھا اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ اس کی آواز کتنی اونچی تھی اور وہ کیا کہہ رہا تھا۔

اس کے تمام فیملی ممبرز رئیسہ کو عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے، وہ بات کر کے پچھتائی، اسے توقع نہیں تھی کہ یہ راز اتنی جلدی کھل جائے گا، وہ بھی جبران کی زبانی اور اس کے بابا کی موجودگی میں وہ خود کو بچانے کے لیے بات کو اسی جگہ لے آئی جہاں سے اس نے شروع کی تھی۔

''تم کیا سمجھتے ہو تم مجھ پر فرد جرم عائد کر کے خود پاک صاف ہو کے یہاں سے چل دو گے۔ میں عینی کی قسم کھا کے کہتی ہوں اس نے مجھ سے کہا۔ جواد صباحہ کو میری خاطر چھوڑ دے تو میں تمہیں طلاق دے دوں گا ورنہ نہیں۔'' اتنی بڑی بات کرتے ہوئے اس کے لہجے میں کسی لحاظ، مروت یا رکھ رکھاؤ کا نام و نشان تک نہیں تھا وہاں ہر کوئی ہکا بکا تھا کہ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے۔ ایک عجیب [illegible] بے چینی بھی [illegible] جس نے ان سب کو چھوا مگر جواد کے احساسات سب سے الگ تھے، وہ جانتا تھا کہ اس کی بہن جذباتی ہے۔

''میں بھی عینی کے سر پہ ہاتھ رکھ کے قسم کھا سکتا ہوں کہ میں نے وہ سب اسے احساس دلانے کو کہا تھا۔'' اس نے یہ بات صرف جواد کو دیکھ کے کی تھی۔

''ٹھیک ہے میں تمہاری بات پر یقین کر لیتی ہوں کہ صباحہ سے تمہارا تعلق نہیں، تم نے یہ بات مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے کی تھی، تم بھی ابھی یہیں سب کے سامنے مان لو کہ میرا بھی تمہارے بہنوئی سے افیئر نہیں صرف سوشل لنک ہے۔'' وہ اس کے گھر میں جو چڑیا جیسی رئیسہ تھی جو باپ کے سامنے ادب سے تمیز سے بات کرتی تھی۔ وہ کہاں گئی وہ کون سی بھاری چیز تھی جو اس نے اپنے باپ کے سر پہ نہیں گرائی تھی وہ کون سا ہلکا پھلکا لمحہ تھا جس نے یاقوت کے دل کو چھوا اس کا شوہر کیا اس سے زیادہ قابل تھا، یاقوت کو دیوار کے ساتھ لگا کر اپنی مرضی اور اختیار کے استعمال کے بعد سمجھتا تھا کہ اس کی باقی زندگی سکون سے گزر جائے گی۔ خاموشی سے تماشا دیکھتی یاقوت نے اس پر فاتحانہ نگاہ ڈالی۔

''کبھی سوچنا بھی مت کہ تم مجھے بے بس کر کے مجھ سے اپنی مرضی کے فیصلے کروا سکو گی اور میں تمہارے افیئر کو سوشل لنک سمجھوں گا۔'' وہ ٹھنڈے لہجے میں ہنسا۔

''میں ہر سوشل لنکو کی ایک ایک شکل سے واقف ہوں۔'' اب وہ ان شکلوں پر روشنی ڈال رہا تھا کہ شہود نے جیسے جست لگا کر نا صرف اس کا گریبان پکڑا بلکہ ایک تھپڑ بھی جڑ دیا وہاں اب کچھ بھی مہذب نہیں تھا نہ ماحول نہ گفتگو نہ قیمتی اور برانڈڈ لباس، کچھ بھی نہیں۔

☆☆☆

''مرد عورت جب غلطی کرتی ہے تو یہ نہیں دیکھا جاتا وہ غلطی سسرالیوں کے رویے، ان کے

ماحول یا پھر شوہر سے ضد اور مقابلے کا اثر آتا ہے صرف اس کے والدین کی تربیت پر آتا ہے، اگلی بات اس کے خون پر ہوتی ہے گھٹیا خون، باغی خون فلاں فلاں۔ تیسری بات تمہارا خاندان ہی ایسا ہے۔ بے نسل بے غیرت۔"

اس وقت عالم ولا کے پرتعیش ڈرائنگ روم میں بھی یہی کچھ ہو رہا تھا اندر سے ابھرتے شور پر ملازمین نے صرف کان کھڑے کیے تھے اس گھر کی بہوویں سٹنگ ایریا کے آرام دہ صوفوں پر بار بار پہلو بدلتے ہوئے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

جواد باپ کا اشارہ پاتے ہی شہود کو زبردستی وہاں سے باہر لے گیا شہود نے باہر آتے ہی صباحہ پر گھورتی ہوئی نگاہ ڈالی وہ پہلے ہی اندازہ نہیں لگا پا رہی تھی کہ اندر اس کے نام کی گردان ہو رہی تھی تو کیوں ہو رہی تھی۔ اس گھر کا سربراہ ذلت اور توہین کا سامنا کرتے ہوئے بیٹی یا داماد کی زبان نہیں پکڑنا چاہتا تھا۔ آج وہ سب کچھ سننا چاہتا تھا۔ بیٹی تو اسے زندہ درگور کر رہی تھی مگر وہ ماں۔ جس کی تربیت پر انگلی اٹھ رہی تھی، اس کا سپاٹ چہرہ اس سربراہ کو زیادہ ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"آج کے مظاہرے کے بعد ہمارے درمیان کچھ نہیں بچا تم بھی عینی سے ملنا چاہو تو اسے گھر بلا لیا کرنا۔"

جب وہ کمرہ چھوڑ رہا تھا تو وہ اپنی پوری آواز کے ساتھ چلائی۔ وہ وہیں رکا۔

"آج کے اس تماشے کے بعد بھی اور تمہارے تمام کرتوتوں کے باوجود بھی میں تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہوں، میں تمہیں طلاق دوں گا۔ کبھی سوچنا بھی مت۔" وہ تحمل سے بولا نہ ہی اس نے اپنے لہجے کا غم و غصہ ظاہر ہونے سے روکا۔

"تم طلاق نہیں دو گے تو کیا میں پتھر کے زمانے میں بیٹھی ہوں میرے پاس خلع کا حق ہے۔" اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا اس نے عقب سے ابھرتی آواز پہ پلٹ کے اسے دیکھا۔

"اگر تمہارے خون میں جلال عالم کی غیرت یا شناخت ہوگی تو تم کورٹ کچہری کا رخ نہیں کرو گی رئیسہ جبران احمد۔"

وہ پھنکار کے چلا گیا اپنے الفاظ وہیں چھوڑ گیا۔ ان الفاظ نے جلال کے چہرے کو تھپڑوں کی طرح چھوا۔

"کورٹ کچہری تو میں جاؤں گی۔" "اور۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ اسے باپ کی تکلیف کا اندازہ ہی نہیں تھا۔

"آج کل یا پرسوں تم صرف اپنے گھر جاؤ گی۔" وہ مہذب شائستہ اور نفیس انسان اپنے چہرے پر پڑنے والے تھپڑوں میں سے بہت سارے اپنی بچی کو دان کرتے ہوئے ہیجانی انداز میں چیخ رہا تھا۔ "جس دن تم نے کورٹ کچہری سے رجوع کیا تو اس دن یہاں سے دو جنازے اٹھیں گے ایک تمہارا اور میرا۔"

اگر جواد اور شہود بروقت پہنچ کر انہیں نہ سنبھالتے تو وہ شاید مار ہی ڈالیے، رئیسہ کی چیخ و پکار پر جب دونوں بھائی ڈرائنگ روم کی جانب بھاگے تھے تو نگار اور صباحہ بھی خود کو روک نہیں پائیں۔

گھر کا ہر فرد ادھر ادھر ہوا تھا سوائے یاقوت کے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی بیٹی کے آنسو گنتے ہوئے سوچ چکی تھی کہ اسے اب کیا کرنا ہے۔

☆☆☆

عالم ولا پر اترنے والی وہ رات ہی ہر بشر پر بھاری نہیں تھی کہ جس کے گزر جانے کے بعد گھر کا سابقہ ماحول بحال ہو جاتا۔ اگر جلال عالم گھر میں کسی سے بات نہیں کر رہے تھے تو یاقوت کا بھی یہی حال تھا۔ رئیسہ اور زارا کی بات صباحہ کے ذکر سے شروع ہو کر اسی پہ ختم ہو رہی تھی اور بلا تفریق ہر ایک کے سامنے ہو رہی تھی جواد اپنی بیوی سے بدگمان نہیں ہوا تھا اس کی بیوی لمبی چوڑی صفائیاں دینے کے بجائے ایک ہی جملہ دہرا رہی تھی۔ "کہ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔"

وہ جبران کو نہیں جانتا تھا مگر اپنی بیوی کو واقعی جانتا تھا اس لیے کسی کی بات پر اعتبار نہیں کرنا چاہتا تھا، وہ مان ہی نہیں سکتا تھا کہ جبران نے اس کی بیوی کو شعلوں میں گھرے کمرے سے کسی انوالومنٹ کے نتیجے میں بچایا تھا، وہ اس بات کو بھی جھٹلا رہا تھا کہ صباحہ کا کس کیرج کسی پلان کا حصہ تھا۔

کہنے والے کہہ رہے تھے کہ وہ کوئی بچی نہیں تھی کہ ریشمی پردے کے ساتھ جلتا چراغ رکھ کے غافل ہو جاتی۔ اس کے پاس بیوی کے حق میں بولنے کے لیے الفاظ کی ڈکشنری ایک دن میں ہی ختم ہو گئی تھی اب وہ خاموش تھا، ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ ہو رہا تھا کہ بات پھیلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ کہیں بھی جاتا تو ایک جملہ اس کے تعاقب میں ہوتا۔

''سنا ہے جبران نے تمہاری مسز کی وجہ سے تمہاری بہن کو چھوڑ دیا ہے۔'' یہ جملہ اس کے ساتھ اس کے گھر اس کے کمرے تک چلا آتا۔

ان دنوں کسی کو سکون کی ضرورت تھی تو وہ جواد تھا اسی ضرورت کے تحت جب وہ پیکنگ کر رہا تھا تو یہ بھول گیا کہ ان حالات میں صباحہ کو اس کی بہت ضرورت تھی وہ حیران تھی کہ اس پر اعتبار کرنے والا اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔

☆☆☆

رئیسہ کی ادھوری خواہش اور اس کے سالم و ثابت دکھ کو قرار آیا تھا اور نہ ہی شوہر کی روانگی کے بعد صباحہ کے آنسو خشک ہوئے تھے مگر سب نے دیکھا عون کی اچانک آمد سے اس گھر پہ گزرنے والے ہر تلخ حادثے کو بکھری چیزوں کی طرح سمیٹ کر عالم ولا کے سابقہ ماحول کو بحال کر دیا گیا تھا۔

ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ اس کا پوتا گھر کی فضا میں کبھی کسی ادھورے پن کو محسوس کرتا وہ ایک مستند انتظامی عملے کی طرح اس کے ہر کام کے لیے پیش پیش رہتی تھی۔

ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ عون نے اپنی وزٹ میں ماحول میں ایک ہلکی سی بے چینی کی بو سونگھی تھی جیسے پس منظر میں کچھ خراب ہو چکا تھا اگر اس کی ماں کی آنکھوں میں نمی تیرتی تھی۔ رئیسہ آنٹی کے پارہ صفت مزاج میں برہمی تھی۔ عینی کے گفتگو میں اپنے پیرنٹس کے خلاف ڈھیروں شکایات تھیں۔

جواد انکل کی مسز غلطی سے اپنا پرندہ اڑا بیٹھی تھی شاید اس لیے اداس تھیں ورنہ وہ جس بھرپور طریقے سے ہنستی تھیں تو عون کو وہ عینی کی ایج فیلو لگتی تھیں، اپنے گھر والوں کے یہ موڈ، یہ ایموشنز اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی پھر بھی اس نے پوچھ لیا۔

''تمہارا وہم ہے سویٹ ہارٹ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے ایک ایسی بات چھیڑ دی جو عون کو پسند تھی اور جس پر وہ گھنٹوں بول سکتا تھا وہ بالکل خاموشی سے اسے سن رہی تھی۔

لب ہلانے کی دیر ہوتی ہے پھر بات پرائی ہو جاتی ہے گفتگو بکھر جاتی ہے ادھر ادھر بٹ جاتی ہے، وہ عورت اور اس کی پریکٹیشن خاموشی کی طرح قائم و دائم رہتی تھی۔

☆☆☆

عون کی چھٹی ختم ہونے میں دو دن باقی تھے، جلال عالم کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ عون کا جہاز اڑنے کے بعد گھر میں کوئی نہ کوئی تماشا تازہ ہونے والا ہے۔

ان کی چھٹی حس نے پہلی بار انہیں دھوکا دیا اس کی فلائیٹ سے ایک دن پہلے عون کو شاپنگ اور پھر ڈنر کے بعد جب وہ گھر آئے تو لان میں ملازمین کا مجمع سا لگا تھا صباحہ جھولے سے گری تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی۔

وہ اکثر باغبان کی بیٹی کے ساتھ اونچی اڑان کی ریس لگاتی تھی۔ آج دوسری بار وہ جھولے سے گری تھی پہلے جب عون موسم گرما کی چھٹیوں میں آیا تھا پہلی بار گرنے کے بعد اس نے ریس لگانا چھوڑ دیا تھا نگارا سے ہاسپٹل لے جا چکی تھی۔

جلال عالم نے ہاسپٹل آنے کے بعد جواد کو کال کی تھی جوائنڈ نہیں ہوئی تھی پھر بھی وہ اسے وقتاً

فوقتاً کال ملاتے رہے۔ صباحہ پریگنینٹ تھی اس بار بھی بچہ ضائع ہوگیا تھا اس کے شوہر کو اس کی حالت کی خبر ہونی چاہیے تھی۔ اگلے دن جواد نے اس وقت کال بیک کی جب شہود اور جلال یاقوت کو ہاسپٹل ڈراپ کرنے کے بعد عون کو ایئرپورٹ چھوڑنے جا رہے تھے۔

اس کی بیوی کے متعلق سب کچھ بتانے کے بعد وہ اس سے زیادہ دیر بات نہیں کر سکے تھے۔ اسے واپس آنے کو کہا تھا کہ صباحہ کو اس وقت تمہاری ضرورت ہے۔ جواب میں کال کٹ گئی تھی۔

پوتے کی موجودگی میں وہ جواد کو اور کیا کہتے۔

انہوں نے نے سوچا تھا کہ ایئرپورٹ سے فارغ ہو کر وہ اس سے دوبارہ ہاسپٹل میں بلکہ صباحہ کے روم میں بات کریں گے ایک گھنٹے بعد جب وہ دوبارہ ہاسپٹل آئے تو انہیں ریسپشن سے ہی پتا چل گیا کہ آپ کی پیشنٹ ڈسچارج ہو چکی ہے اس کی حالت اتنی اچھی نہیں تھی کہ وہ ڈسچارج ہو جاتی۔

انہوں نے چکراتے سر کے ساتھ نگار کو فون کیا نگار نے انہیں جو بتایا وہ سن کے سناٹے میں رہ گئے۔

”وہ جہاں سے بھی گری ہے اس کے ماتھے پر کئی ٹانکے لگے ہیں اس کا بازو بھی فریکچر ہے اس کا بہت زیاں ہوا ہے تو کیا اس وقت میں اپنی بیٹی سے ملنے نہ آتا۔“

صباحہ کو نیاز اپنے ساتھ لے گیا تھا یہ سن کر دینے والی خبر تھی، جلال فون کرتے ساتھ ہی اس سے الجھ پڑے نیاز کے جواب نے انہیں اور الجھا دیا۔

”ملنے سے کون منع کر رہا ہے مگر اس طرح ایمرجنسی میں اسے ساتھ لے جانا۔“ اس کی حالت سفر کی اجازت نہیں دیتی تھی یا، کوئی انہونی تھی جوان کی جانب رینگتی چلی آ رہی تھی، وہ خود کو باور کروا رہے تھے جیسے وہ راستہ بدل لے گی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

دوسری جانب ان کے دوست نے جب ایک گہری سانس کے ساتھ فون بند کیا انہیں یقین ہو چلا جو غلط ہو چکا ہے، وہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا۔

☆☆☆

یاقوت عشاء کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتی تھی۔ جلال کو اس کے خوب صورت چہرے کے گرد حجاب کی صورت لپٹا دوپٹہ اپنی تمام دولت سے زیادہ قیمتی محسوس ہوتا تھا۔ نماز مکمل کرنے کے بعد اس نے رخ بدلا، کمرے میں ادھر سے ادھر ٹہلتے جلال کو آرام وسکون سے دیکھا جو اسے ہی گھور رہا تھا۔

اس نے تسبیح کو ہاتھ میں لیا ہی تھا جب وہ بولے۔

”نیاز صاحب کو تم نے بلوایا تھا؟“

”ہاں!“ وہ اس یک لفظی جواب کے بعد ورد میں مصروف ہوئی۔

”کیوں؟“ انہوں نے ترُخ کے وجہ پوچھی۔

تسبیح کے دانے گرتے بند ہوئے اس نے شوہر کی طرف دیکھا۔

”رئیسہ پر صرف الزام لاگو ہوا تھا، ثابت تو نہیں ہوا تھا ایک باپ ہونے کے ناتے آپ نے اس سے باز پرس کی اس پر تشدد کیا ویسا ہی الزام صباحہ پر لاگو ہوا ہے، اس کے باپ کو بھی اس سے باز پرس کرنے کا اتنا ہی حق ہے۔“

وہ کیوں کا جواب دینے کے بعد دوبارہ سے ورد میں مشغول ہوئی، وہ بے حرکت ہوئے بالکل کسی مردے کی طرح، وہ بولنے کے قابل ہوتے تو کہتے۔

”یہ الزام نہیں کسی بے گناہ پر بہتان ہے۔“ وہ کہتے تم خدا کو حاضر و ناظر ہو کر ایک بے قصور بیٹی کے برابر کھڑا کر رہی ہو۔“

وہ بولنے کے قابل ہوتے تو بہت کچھ کہتے وہ بے جان آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھے جا رہے تھے۔

سیاہ چہرے کے گرد اس کا دوپٹہ اب دو کوڑی کا بھی نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

عینی اس وقت آن لائن تھی، وہ جان چکی تھی کہ اسکرپٹ سین ہو چکا ہے۔ اسے سین کرنے والا اس

وقت صرف پریشان نہیں تھا۔ اس خاندان کے جتنے عہدے تھے حیران پشیمان، بدگمان وہ باری باری ان سب پہ فائز ہوا تھا۔

پھر گہرے گہرے سانس لے کر کافی دیر باہر گلی میں ٹہلنے کے بعد، دو تین گلاس پی کر وہ ان عہدوں سے باری باری نیچے آتا گیا اب صرف بدگمانی رہ گئی تھی، وہ بھی اس رائٹر کے لیے۔ وہ دودھ پیتا بچہ نہیں تھا کہ اس کی باتوں میں آجاتا۔

"اگلے منٹ وہ اسے کال پہ لے چکا تھا۔ "صرف اپنی ممی کو نیچا دکھانے کے لیے تم گرینی کو جس طرح کی عورت ظاہر کر رہی ہو تو اس پر افسوس کیا جاسکتا ہے۔"

کال کے پک ہوتے ہی وہ بنا کسی ہیلو ہائے کے برہم ہو کے بولا اس کی آواز خشک تلخ اور زہریلی تھی۔

"تمہیں صرف اس بات پر افسوس ہے، تمہیں صرف گرینی کی فکر ہے۔" اس کے حلق میں آواز بھیگ کے رہ گئی۔

"اور باقی۔"

وہ کیسے جانتی باقی بھی کچھ تھا جو اس لڑکے کو بے چین کر رہا تھا۔

صباحہ کے ماضی سے جھانکتا وہ کردار جس کا نام ابھی بھی رئیسہ کے نام سے جڑا تھا ایک راز جو اس کے حلق میں گم تھا ایک پیغام جو ابھی اس کو سونپا ہی نہیں گیا تھا وہ کس کے لیے تھا۔

ایسی بھٹکی ہوئی سوچوں کے ساتھ وہ کس کو گناہ گار ٹھہراتا۔

"بیجہ جو بھی ہو لیکن میں تمہیں تمہارے گھریلو تنازعوں میں یاقوت عالم کو گھسیٹنے کی اجازت نہیں دوں گا۔" بے دردی اور سرد مہری سے گویا ہوتے یاقوت کے اس مرید نے عینی کو جیسے ایک اشتعال میں پھینکا۔

"میں اسے کیسے نہ گھسیٹوں یہ یاقوت عالم ہی تھی جو اپنی اولاد کو جتاتی رہی کہ یہ پوری دنیا۔ اصل میں تم لوگوں کی ہی ہے۔ باقی سارے انسان قبضہ مافیا ہیں۔"

اس کے لہجے میں کیا ایسا تھا کہ وہ ہر تلخی بھلا کر گئی تابیجے تک اور تادیر خاموش رہا۔

عینی اب تیس سال کی ہو چکی تھی، وہ پچھلے کئی سالوں سے جس شخص کی محبت میں اپنی عمر ضائع کر رہی تھی وہ ٹیلی وژن انڈسٹری کا ایک ایکٹر تھا جبکہ اس کی ماں نے اس کا رشتہ جس سے طے کر دیا تھا، وہ ایک مل اونر تھا۔

"تم ایک دن میں اپنے لنچ، ڈنر شاپنگ اور سوشل ورک پر لاکھوں خرچ کرتی ہو اتنا تو وہ سال میں بھی نہیں کماتا ایک اداکار کو اگر کام نہ ملے تو اس کی جیب میں کچھ نہیں ہوتا۔"

کچھ دیر کو ان دونوں کے درمیان سے ماضی اور اس سے منسلک تلخ حقیقتیں کسی پردے کے پیچھے چھپ گئی تھیں ان کے بیچ وہ بچپن لوٹ آیا جب وہ اس سے شکایتیں لگاتی تھی اور وہ خاموشی سے سنتا تھا۔

"شادی اگر اپنی کلاس میں ہو تو ہزار تلخیوں کے بعد بھی گزارا ہو ہی جاتا ہے۔"

"عورت گزارا کرنا چاہے تو ہر حال میں کر لیتی ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کے برجستہ بولی۔ "ہم لڑکیاں اگر چاہیں تو ہر حال اور ہر قسم کے حالات میں گزارا کر لیتی ہیں۔"

وہ اس جملے پر دوسری بار ساکت ہوا اگر وہ ذکیہ کا بیٹا ہوتا تو جادوگر بن جاتا اور جہان بھر کی لڑکیوں کے باغیچے میں ایک گلابی پھول رکھ آتا۔

"اور اگر گزارا نہ ہو سکے تو پھر واپسی کا سفر طے کرنے کے بعد عورت صباحہ بن جاتی ہے پھر وہ ہر نعمت کا اصل ذائقہ بھول جاتی ہے۔"

وہ جادوگر نہیں بن سکتا تھا اس نے اسے حقیقت دکھانے کی کوشش کی۔

وہ اس کی بات پہ ٹھٹکی پھر سیدھی ہوئی وہ اس سے کیا پوچھ رہا تھا اس نے سنا ہی نہیں حتیٰ کہ اس کے موبائل سے خاموشی پھوٹنے لگی۔

وہ ہیٹر پہ ربن باندھنے جیسی بات تھی اگر نشانی

مل جائے تو راستے تلاش کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

وہ سمجھتا تھا کہ اس دنیا میں ایک چیز نایاب تھی، ناپید تھی وہ تھی لاعلمی، بے فکری جو عون نے اپنے بعد بدرا کے پاس دیکھی تھی۔

یہ آج ہی ہوا تھا جانے کون سے لمحے میں اس کا دل پگھلا شاید اس وقت جب باہر گلی میں اس نے پرانی وین سے اترتی صباحہ کو دیکھا تھا اس کی نگاہ بوجھل ہوئی صباحہ سے یہ سب کیوں چھین لیا گیا۔

بدرا کی ہنسی سنتے سنتے اس نے اس عورت کے وجود کا مردہ پن محسوس کیا جو کبھی ان کے گھر کا فرد تھی۔

اس لمحے اس نے تہیہ کیا تھا اس پہ لگا الزام ثابت ہو بھی گیا تو وہ اس کے ساتھ کھڑا ہوگا آج گھر میں پہلی بار ڈھولک رکھی گئی تھی۔ بدرا محلے کی لڑکیوں کے ساتھ حلق پھاڑ کے گا رہی تھی۔

''سو سال پہلے مجھے تم سے پیار تھا آج بھی ہے اور کل بھی رہے گا۔''

وہ اس کے سامنے سے گزرا، وہ اس پر نگاہ ڈالے بنا آگے بڑھ جاتا کہ اسے بروقت یاد آیا۔ شام کو تیار ہو کے وہ با آواز بلند اپنی تعریف کر رہی تھی۔

اس وقت سیڑھیاں چڑھتے عون نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا اب وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ دنیا کی سست ترین لڑکی آج بال سنوا کر اور منہ ہاتھ دھو کر کیسی لگ رہی ہے۔ اس نے رخ موڑا دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نگاہ ملی اور سو سال پہلے کے زمانے میں بھٹک کے واپس آ گئی پھر سیدھا ہو گیا تھا پھر اس نے برآمدے کے ستون سے لگی صباحہ کو دیکھا۔

''سو سال پہلے مجھے تم سے پیار تھا۔'' اس کے لبوں نے لڑکیوں کی آواز کے ساتھ بس گیت کے اسی بول تک ساتھ دیا تھا پھر وہ خاموش ہوئی، لب باہم پیوست۔ وہ جانتی تھی محبت کے گیت کو کسی بول تک بھی چھوڑ دیں پھر اسے سانس مکمل کر لیتی ہے پھر اسے دل گنگنا لیتا ہے۔ وہ اس شور اور گہما گہمی سے بچتا بچاتا فاخر کے کمرے میں آیا جہاں ٹیلر پردوں کا ناپ لے رہا تھا۔

''طول و عرض میں بیشی کی خیر ہے مگر کمی نہیں ہونی چاہیے۔''

وہ ٹیلر کو ہدایت دے رہا تھا۔ جب جواد کی کال آئی، رسمی علیک سلیک کے بعد جب اس نے بات کی تو وہ کرنٹ کھا کے اچھلا، اسے اپنی اور عینی کی گفتگو یاد آئی۔

''اوشٹ!'' اسے اپنی بے اختیاری پہ تپ چڑھی۔

بس نشانی ملنے کی دیر تھی پھر عینی کے لیے نگار سے کچھ بھی اگلوانا مشکل نہیں تھا۔

اب جواد اسے کوئی پیغام دے رہا تھا۔ پیغامبر سناٹے میں اترا۔ کیا محبت ہمیں اتنا اختیار دیتی ہے کہ بچھڑے ہوئے لوگوں کو جب بھی بے قرار ہوں میں پکاریں تو جواب میں انہیں پلٹ کر دیکھ لیا جائے گا۔

وہ تھوڑی دیر پہلے دیکھ چکا تھا کہ جب بات آج اور کل پہ آئی تھی تو اس نے اپنے لب سی لیے تھے۔

اس شوقیہ اداکار کو وقت نے پیغامبر کا عہدہ سونپ دیا تھا تو وہ اس اتے پتے کا منتظر تھا جہاں اسے پہلا پیغام پہنچانا تھا۔

☆☆☆

اس وقت جب دن کا دوسرا پہر روشنی میں ڈوبا ہوا تھا وہ تینوں اندر دولہا کے کمرے میں دیواروں کی آرائش کو آج فائنل ٹچ دے رہے تھے، بدرا بطور فرمائش کے خریدوائی گئی پینٹنگز کو دیکھتی تو منہ بنا کر ایک ہی جملہ بولتی۔

''اس سے اچھا تھا میں ساتھ چلی جاتی۔ تم دونوں یہ کیسی رنگ برنگے پھولوں کی، تازہ پانیوں اور جنگلوں میں ہنستی مسکراتی لڑکیوں کی پینٹنگز اٹھا لائے ہو۔'' وہ منہ بسورتی ہوئی بولی تو چوتھی اور آخری تصویر کے آگے کھڑا فاخر ہلکا سا ہنسا۔

''یار اب ایک دولہا اپنے کمرے میں پراسرار نیلگوں رنگوں کے پس منظر میں ساحلوں سے تکی خالی

کشتیاں اور دھند کے پیچھے چھپے اداس شکل والے چاند کی تصویریں کیوں لگائے گا۔" وہ قہقہہ لگا کر ہنسا "وہ ایسی تصویریں لگاتا ہے جنہیں دیکھ دیکھ کے وہ مسکرانا سیکھ لیتا ہے۔"

اس کے لبوں سے بے ساختہ سرکنے والی ہلکی سی آہ میں کیا کچھ نہیں تھا کہ دیوار پر چوتھی اور آخری پینٹنگ کو سیٹ کرتے عون کے ہاتھ رکے، بدرا کے چہرے نے بھی رنگ بدلا شاید وہ کچھ کہتی۔ تب ہی نرگس دروازہ کھول کر اندر آئی اس کے ہاتھ میں کچھ خالی کارڈ تھے۔

"تمہاری وہ سہیلی جس کے بھائی کی شادی پر تم نے میری پوری کمیٹی ہتھیائی تھی یہ کہتے ہوئے کہ بڑے امیر لوگ ہیں اس سے دگنا لوٹا میں گے اپنی اس خاص الخاص سہیلی کو تم نے شادی کا دعوت نامہ ابھی تک نہیں بھیجا۔" اس بات پہ بدرا کا رنگ اڑا۔

"اچھا وہ نیلم!" اس نے وہ کولبا کھینچا۔ "انہوں نے تو گھر بدل لیا ہے، اماں اب وہ بہت دور رہتی ہے۔"

اس کا انداز جان چھڑانے والا تھا اس کی توجہ اسی ناپسندیدہ سینری پر تھی جو اس وقت اسے اچھی خاصی لگ رہی تھی۔

"کان کھول کے سن لو! بھلے تمہاری سہیلی ہنزہ جا بسی ہو اگر وہ شادی پر نہ آئی تو پھر اپنا حشر دیکھنا، عجیب لڑکی ہے بھئی۔ دیتے وقت حاتم طائی بن جاتی ہے جب وصول کی باری آئے تو بادشاہ زری لیکن میں عام سی بندی ہوں جس جس کو جو کچھ دیا ہے، وصولیاں کر کے رہوں گی۔ سارے کام چھوڑ کر تیاری پکڑو۔ میں عون سے کہتی ہوں رکشہ پکڑ لائے۔"

اس نے پلو سے سو کے دو نوٹ کھول کر اس کے ہاتھ پر رکھے۔

عون نے اچھی خاصی دیدہ زیب پینٹنگ سے نگاہ ہٹا کر اسے دیکھا۔ آج پہلی بار وہ اس کا چہرہ اترا ہوا دیکھ رہا تھا جس کی ماں اسے حاتم طائی کہہ رہی تھی جبکہ وہ اسے چورنی کہہ سکتا تھا۔

☆☆☆

"تمہارے سر پر بدرا کے رشتے کا جنون سوار ہے تو دور پار دیکھنے کے بجائے اپنی آنکھیں کھولو تو اچھا خاصا رشتہ گھر میں موجود ہے۔"

عون اور بدرا کے گھر سے نکلتے ہی نانی کو بات کرنے کا موقع مل گیا تھا۔ اس بات پر ان کی ساڑھی کو تہہ لگاتی نرگس چہرہ اٹھا کے استفساریہ سی ہوئی۔

"یہ گھر سے آپ کی کیا مراد ہے؟" وہ واقعی کچھ نہیں سمجھی تھی۔

"ارے نادان میں عون کی بات کر رہی ہوں۔ اچھے قد کاٹھ کا پڑھا لکھا، تمیز دار بچہ ہے، نوکری بھی جلد ہی لگ جائے گی ان شاء اللہ تو اپنا دماغ سیٹ کر میں تو آج کل میں یہ بات فاخر کے کان میں بھی ڈالنے والی ہوں۔"

نانی جو آج کل ہر وقت عون کو تاڑتی رہتی تھیں پر جوش سی ہو کر بولیں۔ "آپ کا مطلب ہے یہ عون، یعنی رکیہ کا بیٹا۔" اس نے پھٹی آنکھوں سے پوچھا پھر نفی کی صورت سر کو جھٹکا۔

"کمال کرتی ہیں اماں! جہاں سے ایک بار رشتہ ٹوٹا تھا، اب دوبارہ وہاں کیسے بات چلاؤں۔"

"رشتہ ان لوگوں نے نہیں تیرے خاوند نے توڑا تھا بی بی۔"

نرگس نہیں جانتی تھی کہ نانی اس رشتے کے متعلق کس قدر سنجیدہ تھیں۔

"باپ کا سایہ اس کے سر پہ نہیں، دکان کا جانے کب بٹوارا ہوگا نہ تو بدرا اتنی ذمہ داریاں اٹھا پائے گی نہ ہی میں ایسے شخص سے بیٹی بیاہوں گی جو ذمہ داریوں میں گھرا ہو۔"

وہ تہہ شدہ کپڑے اٹھا کر اندر کمرے میں گھس گئی۔ نانی نے سوچ لیا تھا کہ جب رکیہ شادی پر آئے گی تو وہ اس سے خود بات کرے گی۔

☆☆☆

رکشہ لال بتی پر رکا تو کوفت میں جلتا عون نے

فون کھول کے وقت دیکھا جب وہ گھر سے نکلے تھے تو
شام اتر رہی تھی ابھی واپسی کے راستے پر رات کے
آٹھ بج چکے تھے موبائل کی سکرین روشن ہوئی تو اسے
احساس ہوا جیسے وہ آنسو پونچھ رہی تھی اب اس نے
غور کرنے والے انداز میں دیکھا، سوں سوں کی آواز
واضح تھی ان دونوں میں اس نے ایک بار بھی نہیں
سوچا تھا کہ اس لڑکی کی آنکھوں میں بھی آنسو آسکتے
ہیں، وہ ہلکا سا کھنکھارا۔

"اگر تمہاری دوست سمجھتی ہے کہ نیاز منزل میں
رہنے والی اس کی سہیلی اب امیر ہو چکی ہوگی اور رکشے
کے بجائے اپنی گاڑی پر آئے گی اب اگر وہ غلط
اندازے لگا کے بیٹھی تھی تو یہ ایسی بات نہیں کہ اس پہ
رویا جائے۔"

عون کی اس بات نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کیا
وہ رونا بھول گئی اگر نیلم کی آواز بیٹھک تک جا رہی تھی
تو پھر ان سہیلیوں کی باقی گفتگو بھی محفوظ نہیں تھی۔

"تمہارے کپڑوں کی چوائس میں ذرا نفاست
نہیں آئی اور تمہارے بال ویسے ہی جنگل نما یہ بات
بھی بیٹھک تک گئی ہوگی۔" اسے اس کی پرواہ نہیں
تھی۔ وہ اس سے اگلی بات کی فکر میں مبتلا ہوئی۔

"تمہارے لباس سے اٹھتی خوشبو بہت عمدہ
ہے۔" عون نے یہ جملہ بھی تو سنا ہوگا، ہائے اللہ نہ
کرے کیونکہ وہ پرفیوم۔

رکشے میں اس کے قریب بیٹھی وہ اس راز کو
چھپانے کی فکر میں تھی حالانکہ وہ پیاری اور قیمتی خوشبو
رکشہ ڈرائیور کو بھی محظوظ کر رہی تھی اب وہ کھڑکی سے
باہر جھانک رہا تھا سہیلی نے یہ بھی تو پوچھا تھا۔

"تمہارے ساتھ یہ ہینڈسم لڑکا کون
ہے؟" کافی دیر تک جب اس نے کوئی اور بات نہیں
جتائی تو اس نے سر جھکا کر آنسو بہانے کا سلسلہ دوبارہ
بحال کیا۔ یہاں تک کے گھر آگیا۔

"اماں پوچھیں تو کہہ دینا کہ ہم ڈنر میں پلاؤ،
کباب اور قورما کھا کر آئے ہیں۔"

گھر کا داخلی دروازہ پار کرنے سے قبل آنکھوں
کو دوپٹے سے رگڑتی ہوئی وہ رندھی آواز میں بولی تو
اس آسودہ حال شخص کا سر گھوما، ایک تو پیٹ بالکل خالی
تھا، اوپر سے قورمہ پلاؤ جیسا جھوٹ اس نے بے
اختیار ہی گہرا سانس لیا وہ گھر کا داخلی دروازہ پار کر چکی
تھی اور وہ باہر کھڑا بند دروازے کو گھور رہا تھا، وہ خیالی
پلاؤ پہ گزارا نہیں کر سکتا تھا گلی کراس کر کے مین روڈ کی
طرف بڑھتا وہ تو جوان نہیں جانتا تھا کہ اس شہر میں یہ
اس کی آخری رات ہے۔

☆☆☆

"نیلم بے چاری کے حالات تو بالکل بھی اچھے
نہیں ہیں وہ دس ہزار کہاں سے لائے گی اور یہی حال
بشریٰ کا ہے اگر وہ دونوں شادی اٹینڈ نہیں کرتیں تو
اماں ان کے گھروں تک پہنچ جائیں گی بالفرض وہ آ
بھی گئیں تو اماں کو تو تم جانتی ہو۔ آج کل آنی بھی
میری کچھ مدد نہیں کر سکیں تو میری آخری امید تم ہی
ہو۔"

صوفے پہ سوتے جاگتے عون نے اسے کمرے
میں آتے دیکھا تھا شاید وہ کسی کو اپنے حالات بتا کر
اس سے ادھار مانگ رہی تھی تو اس وقت عون پہ نیند
غالب آرہی تھی لائٹ گئی ہوئی تھی مگر کمرے میں
لالٹین جل رہی تھی جب پہلی ہی اونگھ میں اس کی نیند
ٹوٹ گئی تو وہ سمجھ نہیں پایا کہ آنکھ کھلنے کی وجہ کیا تھی۔

چند سیکنڈز تک اس نے محسوس کیا جیسے وہاں کوئی
رو رہا تھا اس نے کروٹ بدلی اور دم بخود رہ گیا لالٹین
کی زرد روشنی میں وہ ہچکیوں کے ساتھ دبی آواز میں
رو رہی تھی۔

"اوہ، مائی گاڈ!" وہ حیران ہوا پھر اسے یاد آیا
وہ کمرے میں آئی تھی اس کے ہاتھ میں (بتی) لالٹین
تھی، وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔

اسے یہ بھی یاد آگیا کہ وہ کیا بات کر رہی تھی
اس کا رونا دھونا ظاہر کر رہا تھا کہ اس کی آخری امید بھی
دم توڑ چکی ہے۔

وہ جب کھانا کھا کر واپس آیا تو فاخر ٹرک سے
دلہن کا سامان اتروا رہا تھا، وہ بطور ہیلپر کمرہ سیٹ

Scanned with CamScanner

کروانے تک بری طرح تھک گیا تھا۔ اسی دوران ماں کی کال اور بہنی کے میسج آتے رہے تھے وہ ذہنی طور پر بھی اپ سیٹ تھا۔

اس پیغامبر نے صبح سفر پر بھی جانا تھا۔

''اس خدمت گار سے ایسی کیا خطا سرزد ہوئی ہے کہ آدھی رات کو اس کے کمرے میں آ کر اس کی نیند خراب کی جارہی ہے۔'' وہ اسے چڑانے کی غرض سے نہیں بیچ بیچ بھنا کر بولا۔

''میں آنی یا اماں کے کمرے میں اپنا دکھ کیسے نکال سکتی ہوں اور صحن میں مجھے مچھر کاٹ کھائیں گے، پلیز تم چپ کر کے سو جاؤ۔'' اس نے صوفے پہ نیچے لٹکتے دوپٹے کو اٹھا کر اس کے پلو سے ناک پونچھی کچھ دیر گزری تو وہ بولا۔

''تمہارے پاس تو ہمیشہ پلان ہوتے ہیں اگر اے فیل ہو چکا ہے تو پلان بی کا سوچو۔''

وہ سیدھا ہوتے ہوئے بالآخر اٹھ کر بیٹھ گیا وہ چونکی اس نے روتے روتے سر اٹھایا۔

''میرے پاس کچھ سیونگ ہے تم چاہو تو میں تمہیں ادھار دے سکتا ہوں۔'' وہ ٹیبل کے نیچے گھسی چپل کا ایک پاؤں اپنی طرف گھسیٹتے ہوئے بولا، ارادہ صحن میں جانے کا تھا۔

وہ سنار کا بیٹا تھا سنار کا بھائی تھا کبھی کبھار تو اس جیولری شاپ پر بیٹھتا ہی ہوگا۔

''مجھے اب تم سے یا کسی سے بھی ادھار نہیں چاہیے۔ میں نے سوچ لیا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔'' وہ ون سیٹر صوفے سے اٹھتی ہوئی ایک دم ہی تھری سیٹر صوفے پہ آئی۔

''میں اپنی یہ سونے کی بالیاں بیچ دوں گی۔'' اس نے بالیوں کو چھوا۔ ''آنی اس کام میں میری ہیلپ نہیں کریں گی۔ اس کے لیے مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے، یہ بالکل اصلی سونا ہے چالیس ہزار تک تو بک جائیں گی؟'' ٹیبل سے لالٹین اٹھا کر چہرے کے قریب لاتے ہوئے وہ سنار کے بیٹے سے بالیوں کی قیمت پوچھ رہی تھی، اپنی سہیلیوں کی بے بھری پر خوفزدہ ہو کر رونے والی ان کی عزت نفس، ان کی خودداری کو بچانے کی خاطر اپنی قیمتی چیز نیلام کرنے والی وہ لڑکی یکدم ہی اس کے لیے بہت خاص ہو گئی تھی۔

کوئی کیسے مبہوت ہوتا ہے۔ کوئی کیسے اسیر ہوتا ہے عون نے اس ایک لمحے میں جانا بظاہر اس میں کوئی خوبی نہیں تھی لیکن ضرورت مندوں کے لیے پلان بی پر جانے والی وہ لڑکی اصلی سونے سے کہیں زیادہ قیمتی تھی۔ اس کے چہرے اس کی آنکھوں میں بکھرے پانی نے اس کو کوئی گہرائی تک اپ سیٹ کیا لالٹین کی زرد لو مائد پڑتی جارہی تھی شیشے میں جو چمک رہا تھا وہ اس روتی بسورتی لڑکی کا چہرہ تھا، لو تو عون شہود کے اندر بھڑک اٹھی تھی یکدم، اچانک۔

☆☆☆

''علی الصبح کی ایسی مصروفیات صرف آپ جیسے مستقل مزاج ہی بحال رکھ پاتے ہیں۔''

صباحہ کے سامنے کھڑے عون نے اس کے معمول کو آج پھر سراہا جبکہ نگاہ اس کے ہاتھوں پر تھی، اس کے ایک ہاتھ میں تہہ شدہ کاغذ تھا دوسرے میں ایک چھوٹا ڈبہ نما چیز تھی جو شاپر میں تھی۔

''یہ مصروفیت نہیں پرندوں سے محبت کا اظہار ہے یہ عادت مجھے اپنے باپ سے ترکے میں ملی ہے۔''

وہ معمول کے حساب سے مسکرائی اس نے شاپر عون کی طرف بڑھایا۔ صحن میں کھڑا وہ نوجوان آج اعتراف کر سکتا تھا کہ وہ نکڑ والے کمرے کے جالی دار دروازے کی کھٹاک کا منتظر تھا۔

''اور جب آپ یہاں سے چلی جائیں گی۔''

شاپر پکڑتے ہوئے اس نے موتے بھدے کوے سے نظر ہٹائی اور مکئی کا بھنا دانہ ایک معصوم چڑیا کی طرف اچھالا۔

''مجھے کہاں جانا ہے؟'' اس نے گردن موڑ کے اسے حیرت سے دیکھا جو چڑیا پھنسا رہا تھا یہ منظر بدرا بھی کھڑکی سے دیکھتی تو ہنہ کے ساتھ سر جھٹکتی (ہرجائی) وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے

[illegible] رہے تھے۔

وہ تہہ شدہ کاغذ ابھی صباحہ کے ہاتھ میں ہی تھا جس پر ایک ایڈریس درج تھا۔

"آپ تعلیم یافتہ ہیں تو اگلی نسل کی خاطر ہی ان فرسودہ روایات کو ختم کر سکتی ہیں۔ اب بھی کورٹ سے رجوع کریں اور خلع کے بعد ایک نئی زندگی کی ابتدا کریں۔"

وہ لڑکا جو بات کرنے اور ہنسنے مسکرانے کے معاملے میں اس کی بھاوج کی کنجوسی کو بھی مات دیتا تھا۔ وہ اس کی بات پر ششدر رہ گئی جو دوسری شادی کے حوالے سے بات کر رہا تھا۔

وہ ان کی برادری کا دوسرا مرد تھا پہلا فاخر تھا۔

"ارے یہ تو اوپر کاٹھ کباڑ میں پڑی ہوتی تھی یہ بدرا کے ہاتھ کا کمال ہے دیکھو تو رنگ دار ہو کے پہچانی ہی نہیں جا رہی۔" اس نے بات بدلی کل نرگس نے اسے کاٹھ کباڑ میں سے کام کی چیزیں الگ کرنے کو کہا تھا، وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ ان میں کام کی چیزیں کون سی ہیں پھر بدرا آگے بڑھی تھی۔ بجلی کی تاریں، لوہے کے کچھ ٹکڑے، پرانے پلنگ کے ٹوٹے گول ستارے لکڑی کی خستہ حال چوکی، اس نے ان کام کی چیزوں کو الگ کیا تو عون کو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا۔

وہ ان ٹوٹی چیزوں کو الگ کر کے کیسے خوش ہو رہی تھی۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" وہ دوبارہ اسی موضوع پر جاتے ہوئے بولا اس نے رنگ دار چوکی سے نگاہ ہٹائی تھی وہ اس وقت بدرا کے کمال پر سوچتا تو باقی ہر بات اپنا منصب کھو دیتی۔

صباحہ نے جیسے ہتھیار ڈالے "اب وہ بات نہیں رہی جب عورت کو ترکے میں صرف رسم و رواج سے حصہ ملتا تھا ابا کی وفات کے بعد یہ ممکن تھا مگر زندگی آپ کو توڑ کے دوبارہ سے جوڑ دے تو پھر زندگی کو ویسے ہی کسی دوسرے تجربے کی نذر نہیں کرنا چاہیے۔"

اس نے تہہ شدہ کاغذ عون کی جانب بڑھایا، جب اس کی زندگی دوسرا تجربہ ہی نہیں کرنا چاہتی تھی تو پھر اس پورے شہر میں عون وہ پہلا شخص کیوں تھا جسے اس نے راز دار بنا لیا تھا۔

اس نے کاغذ پکڑا تو نگاہ اس کی خالی کلائیوں پر پڑی۔ "اس سے کبھار رشتہ ٹوٹ جاتا ہے کچھ لوگ اسے پھینک دیتے ہیں۔ کچھ سنبھال کے اپنے اندر رکھ لیتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں کڑواہٹ ہی نہیں غصہ بھی تھا ویسا غصہ جس کے بعد ہم چیزوں کو دور اچھال دیتے ہیں، وہ حیران ہوا جب وہ زبانی کلامی پیغام بھیج رہی تھی تو پھر اس کاغذ میں کیا تھا۔

قاصد نے تہہ شدہ کاغذ کھولا۔

"تمہارے یہ دو قیمتی تحفے میرے پاس تمہاری امانت تھے۔" دوسری لائن پہ عالم ولا کا ایڈریس درج تھا۔

وہ جس کی کلائیاں آج خالی تھیں۔ وہ پھر بھی قیمتی تھی، خاص تھی۔

وہ رشتہ سنبھالنے والوں میں سے تھی یا دوسری کیٹگری میں آتی تھی وہ کبھی نہ جان پاتا مگر اس نے جان لیا تھا۔ اس عورت نے پرانے پلنگ کے ٹوٹے گول میناروں جیسے رشتے کو سنبھال کے رکھا ہوا تھا۔

وہ وہاں سے جا چکی تھی وہ وہیں کھڑا تھا۔ چڑیا نے اس سفید پڑتی رنگت والے لڑکے کو ناراض نظروں سے دیکھا جو مکئی کے دانے اب موٹے کوے کو ڈال رہا تھا۔

"تم ان ٹوٹی چیزوں کا کیا کرو گی؟" کل اس نے بدرا سے پوچھا تھا۔

"آنی کہتی ہیں ٹوٹی ہوئی چیزوں کو یا تو اندھے کنوئیں میں پھینک دیں یا انہیں ایسی جگہ رکھ دیں جہاں ان کے مزید ٹوٹنے کا امکان نہ ہو لیکن میں ایک تیسرا کام کروں گی میں انہیں بیچوں گی۔"

وہ یہی کچھ جاننے کی خاطر یہاں آیا تھا وہ عورت زمانے کی نظر میں جس کی حق تلفی ہوئی تھی اب وہ کس مقام پر کھڑی تھی۔ اس وقت آم کے پیڑ کے

نیچے کھڑے عون کا حلق نمکین ہوا، آج پہلی بار صباحہ اور جواد عالم کا گھر ٹوٹنے پر اس کا حلق نمکین ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ کچن میں آیا تو برنچ ٹائم بھی گزر چکا تھا وہ چولہے کے آگے کھڑی کپ میں چائے نکال رہی تھی، اس نے آہٹ پہ سر اٹھا کے دیکھا پھر معمول کا جملہ دہرایا۔

"تمہارے لیے بھی بنائی ہے۔" وہ چوکھٹ سے ذرا آگے کھڑا تھا۔

"تم صبح سے جس طرح غائب تھے میں تو ڈر گئی تھی واقعی اگر تم چلے جاتے تو میرے کام کا کیا ہوتا۔"

وہ جب اس کی طرف آ رہا تھا تو وہ تیزی سے بولی وہ جیسے تھم سا گیا۔ آصف کے بیٹے کو پردہ دار چائے سے مستفید کرنے والی اسے ایک ٹوٹ چکے رشتے کے پچھتاوے میں دیکھنے کی طالب خود کیسی ہی بے فکر بے نیاز تھی۔

وہ اس کے پیچھے آ رکا۔ "میں واقعی چلا جاتا تو تم صرف اپنے کام کی وجہ سے پریشان ہوتیں؟" یہ کیسا سوال تھا وہ چونک کے مڑی وہ کاؤنٹر سے چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگا چکا تھا۔

اس نے اس کی آنکھوں کو دیکھا پھر آنکھوں میں دیکھا پھر نظر چرالی، وہ رات کو سیاہ تارکول کی سڑک پر متوحش سا پھرتا رہا تھا، اس کے ساتھ یہ کیا ہوا تھا وہ ایک دم سے اس قدر شدید فیلنگز کا شکار ہوا تھا، وہ خود سے ہی اپنا حال پوچھتا رہا، کیا اس وقت جب اس نے انگوٹھے اور انگشت شہادت کو ذرا سا وا کیا تھا اور وہ دراز قد شخص جیسے پورے کا پورا اس خلا میں سما گیا تھا۔

اس نے کیبنٹ سے مگ نکال کے اپنے سامنے کیا پھر اس میں سے بالیاں اٹھائیں اب وہ انہیں ایک کپڑے میں باندھ رہی تھی وہ دیکھے جا رہا تھا یہ کون سا ہیئر کٹ تھا، کانوں پہ گرتیں، کندھوں پر جھولتیں شانوں سے نیچے کمر کے ہر زاویے کو چھوتیں ان بالوں کی ہر لٹ سائز میں دوسری سے الگ تھی۔

وہ پہلا دن نہیں تھا جب اس نے اس کے ہیئر کٹ پہ غور کیا تھا مگر یہ پہلا دن تھا جب اسے لگا اس نے بالوں کے اس بے ترتیب جنگل سے بھی پناہ مانگی ہی نہیں تھی۔

"بدرا ذرا دیکھنا عون کہاں ہے اسے اماں بلا رہی ہیں۔" اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑی نرگس نے ہانک لگائی۔

"میں چائے پی لوں تو۔" جواب کا اگلا حصہ منہ میں ہی رہ گیا اس نے برق رفتاری سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ ایک تو کچن کا دروازہ کھول دیتے ہو اوپر سے اعلان کرتے ہو۔"

وہ اس کے لبوں سے ہاتھ ہٹا کر خفگی سے بولی تو اس نے ہاتھ پکڑ لیا ایک عادی چور ایسی چیز کیسے چرا سکتا ہے جو ہوا میں بکھر کر دوسروں کے حواس چھولیتی ہے وہ چی ہو یا کلون کی مہک، اسے رکشے کا سفر یاد آیا اسے حیرانی سے تکتے ہوئے اس نے ہاتھ چھڑا لیا۔

اسے نیلم کی بیٹھک تک جاتی باتیں یاد آ گئیں۔

عون کے پورے وجود میں ایک تبدیلی تھی جو بدرا نے پہلی بار محسوس کی تھی تو میرا خواب سچ ثابت ہوا اس لمبے بازوؤں والی گڑیا نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر اس نمک سے بنی صراحی میں بند کر دیا تھا۔

وہ کیا کہہ رہا تھا وہ اظہار غیر متوقع تھا وہ بات ناقابل فہم تھی۔ اک ٹوٹا ہوا رشتہ اتنی جگہوں سے اور کہاں کہاں سے جڑ گیا تھا وہ گننے بیٹھتی تو گن نہیں پاتی۔ یہ تو سمجھ میں آ گیا تھا کہ ابتدا تو ہوتی ہے آغاز تو ہوتا ہے، کیا دنیا میں کچھ آخری بھی ہوتا ہے۔ آخری بات، آخری نظر، آخری قدم۔ آخر کار، آخر کار۔

☆☆☆

وہ انہیں دیکھ کے چونکا نہ ٹھٹکا بس برآمدے کی پہلی سیڑھی پر رک کے انہیں دیکھا ایک سرد سپاٹ نگاہ کے ساتھ، پھر جیسے اس نے خود کو پکڑ کے ان کے سامنے پیش کیا، وہاں اس وقت چار لوگ موجود تھے دو افراد وہ تھے، جنہیں وہ بچپن سے جانتا تھا۔

وہ ان سے نظر ملائے بنا آگے بڑھا۔ اس نے خود کو ان دو کے سامنے پیش کیا جن کو وہ شعوری عمر میں

Scanned with CamScanner

آنے کے بعد پچھلے تو دنوں سے جانتا تھا تو گویا انہوں نے ان نو دنوں میں ذکیہ کے بیٹے سے محبت کی تھی۔ اب ان کی آنکھوں میں اجنبیت تھی، غیریت تھی، غصہ، صدمہ جانے کیا کیا۔

"آئی ایم ویری ویری سوری۔"

وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولا۔ اس سے غلطی ہوئی تھی جرم نہیں کہ وہ نظر جھکا کے معافی مانگتا۔ ان کی ٹھوس خاموشی، ان کے چہروں کے تاثرات بتا رہے تھے کہ عون کے آنے کے بعد یہاں جو بھی اور جس غلط فہمی کے نتیجے میں ہوا۔ وہ سب کچھ ان کے علم میں آ چکا ہے۔

"میں نے حقیقت بتانے کی کئی بار کوشش کی لیکن میری قسمت میں تھا کہ میں نے جو محبت آصف کا بیٹا بن کے پائی۔ عون عالم کو یہاں نو منٹ بھی نہ ملتی۔"

وہ محسن اور یمنٰی کی جانب دیکھے بنا ان دونوں کو خدا حافظ کہتا ڈرائنگ روم کی جانب بڑھا۔ اس نے وہاں اپنی تمام چیزوں کو سمیٹا پھر کمرے میں نگاہ دوڑائی کیا اس نے سب کچھ سمیٹ لیا تھا۔ اس نے بیگ اٹھایا۔ نانی اندر کمرے میں سو رہی تھیں وہ صرف خدا حافظ کہنے کے لیے ان کی نیند خراب نہیں کر سکتا تھا، نرگس آنٹی کب کی بازار گئی ہوئی تھیں وہ ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر باہر گلی میں آ گیا۔

سامنے دو گاڑیاں کھڑی تھیں وہ دونوں ہی اسے جانتے تھے کہ ایسی صورت حال میں جب وہ اس کی مرضی کے خلاف یہاں آئے تھے تو وہ ان کے ساتھ سفر کرنا تو دور کی بات انہیں دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ وہ گاڑی کے پاس آیا تو ڈرائیور نے مستعدی سے دروازہ کھولا، عین اسی وقت اس تازہ پینٹ شدہ عمارت کے سامنے رکشہ رکا، اسے یاد آیا وہ نرگس آنٹی کے ساتھ جوتا خریدنے گئی تھی جب بحری جہاز عرشے کے ساتھ لگ چکا تھا تو نقارہ بجا۔ ممی کی قوت گویائی واپس لوٹ آئی ہے، وہ بتا سکتی ہے کہ اس کے جوتے کا دوسرا پاؤں کس سمت میں گم ہوا تھا۔

رکشے سے سامان نکالنے کے بعد اس نے رخ پھیرا وہ گاڑی میں بیٹھ رہا تھا، وہ ماں کے ہاتھ سے شاپر پکڑتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔ خالی رکشہ گاڑی کراس کر گیا۔ جو ممی کا جوتا ڈھونڈے گا، وہی تین سو پینسٹھ موسموں کا حق دار ہوگا۔

"ارے نالائق تو ادھر منہ اٹھا کے کھڑی رہ تیرا جوتا رکشے میں رہ گیا ہے۔"

بوکھلائی ہوئی نرگس نے رکشے کو تاڑنا چاہا تو نگاہ عون پر پڑی۔

"دیکھ تو عون! اس کا اتنا مہنگا جوتا گم ہو گیا۔ ذرا رکشے والے کو تو پکڑ۔" وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے وہ تین سو پینسٹھ موسم پانے کی شرط پوری نہیں کر سکتا تھا اس کے ماتحت اسے لینے آ گئے تھے۔ وہ جزیرے میں شناخت ہو چکا تھا وہ ساٹھ لاکھ کی گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

ایک بلیئر کی حیثیت سے وہ ممی کے جوتے کا دوسرا پاؤں کیسے تلاش کرتا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی تھا سن کی ایک الگ دنیا تھی، وہ اس جزیرے میں کیسے ٹھہر جاتا۔

گاڑی بہت آگے نکل آئی تھی اس میں ردتھ بی کی آواز گونج رہی تھی۔

میں گل قاصدی کے میدان میں ہوں

ہر ایک گل کی خواہش ہے کہ آپ میرے ہوں گے آپ میرے ہوں گے

اور میں تمہاری آنکھوں میں ہمیشہ کے لیے دیکھتا ہوں اور وہ کہتا ہے جب میں تمہیں مسکراتے دیکھتا ہوں تو مجھے اچھا لگتا ہے۔

وہ گل قاصدی کے میدان سے بھاگ آیا تھا۔ ہندوانہ طرز تعمیر پر بنا وہ محلہ بہت پیچھے رہ گیا تھا وہ گلی میں کھڑی لڑکی کی ان حیران آنکھوں میں کیسے جھانک سکتا تھا۔ اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں زور سے میچ لیں۔

☆☆☆

نرگس کو اس وقت صرف جوتے کی فکر تھی اسے

Scanned with CamScanner

اتنا پتا تھا کہ اگلی گاڑی میں بیٹھے عون کو اس نے رکشے کے پیچھے لگایا ہے، وہ بے خبر تھی کہ دوسری گاڑی میں بیٹھنے والا مرد اور لڑکی کس کے گھر سے نکلے تھے مگر بدرا کو جو تا یاد تھا نہ رکشہ، اسے اتنا پتا تھا کہ وہ جس گاڑی میں بیٹھا تھا وہ اوبر نہیں تھی۔

وہ یقین سے کہہ سکتی تھی سلور گاڑی والوں کا اس سے کوئی نہ کوئی تعلق تھا۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ گھر میں آئی اور پہلا سوال ان چمکتے دمکتے مہمانوں کے متعلق کیا اس کی تمام تر توجہ اپنے سوال کے گرد گھوم رہی تھی، اس نے آنی اور فاخر کے چہروں پر غور ہی نہیں کیا۔ بے جان پیلے چہرے جیسے کوئی بم بلاسٹنگ ایریا سے بال بال بچ کے آتا ہے، اس کا سوال ماں کی شور مچاتی آواز میں کہیں گم ہو گیا جس کے دو ہزار ضائع ہو چکے تھے۔

اس وقت ایک دوسرا شور اس گھر کی کماؤ ہستیوں کی برداشت سے باہر تھا، ان دونوں نے مل ملا کے نرگس کا نقصان پورا کر دیا۔ ماحول کے سیٹ ہوتے ہی بدرا کو وہ مہمان یاد آئے۔ ان کے گھر آنے والے پیلے ماڈرن مہمان تھے مرد نے شرٹ کے ساتھ ٹائی لگائی ہوئی تھی لڑکی سیلولیس اسٹائلش لباس میں تھی۔

فاخر نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اس وقت جب شادی قریب تھی تو اماں سے اس نئی صورت حال پر بات کرنا گویا اس ٹاپک کو پوری برادری کے سامنے پلیٹ میں رکھ کے پیش کرنے جیسا تھا اب اس معاملے کو شادی کے بعد ہی انجام پذیر ہونا تھا۔

دو تین گھنٹوں کے صبر کے بعد دونوں جب کمرے میں آئیں تو بدرا نے آتے ہی سوال دہرایا۔

''مرد پروڈیوسر تھا، لڑکی ڈاکٹر تھی دونوں ایک اداکار کی تلاش میں آئے تھے جو ان کی سیریل ادھوری چھوڑ کے یہاں بھاگ آیا تھا۔''

صباحہ نے صرف جواب ہی نہیں دیا اس نے اسے اس ماڈل کی دو تین ویڈیوز بھی دکھائیں جو اس نے پھٹی آنکھوں کے ساتھ دیکھیں۔

''لیکن یہ ہمارے گھر کیوں اور کیسے آیا۔''

اس کی آواز میں صرف حیرانی نہیں تھی بہت کچھ تھا صباحہ نے اسے مختصراً بتایا یوں کہ کچھ بتا دیا۔ کچھ چھپا لیا۔ رازداری کی تلقین کے ساتھ۔

''اس وقت جب شادی قریب ہے تو بھابھی کو اس معاملے کی ہلکی سی بھنک بھی نہیں پڑنی چاہیے۔''

اسے ہر بات سمجھانے کے بعد اس نے دیوار کی جانب کروٹ بدل لی۔

اس کروٹ بدلتی عورت نے آج پہلی بار چاہا تھا کہ کاش اس کا کوئی الگ کمرہ ہوتا وہ بھی ساؤنڈ پروف وہ اس میں پھوٹ پھوٹ کے رو سکتی۔

اس نے اچھا کیا جو کروٹ بدل لی اور بدرا کے چہرے پر غور نہیں کیا۔ بے جان، زرد چہرہ جیسے کسی بم بلاسٹنگ ایریا سے بال بال بچی ہو۔

☆☆☆

جب وہ اپنے شہر سے قریب تر تھا تو انڈسٹری کے ایک بے تکلف کولیگ نے جو بات کو ادھر سے ادھر پھیلانا اپنا فرض سمجھتا تھا اسے میسج کیا۔

''ذرا اندازہ لگاؤ محسن کے سسرال میں تمہارا چھوڑا ہوا رول اب کون پلے کر رہا ہے؟'' یہ وائس میسج تھا جسے سن کر اس نے بے اختیار ہی ایک سرد آہ بھری وہ اسے ریپلائی نہیں کر سکا، حالانکہ وہ کہنا چاہتا تھا کہ۔

''میں اپنا چھوڑا ہوا رول پلے کر کے اب واپس آ رہا ہوں مگر خالی ہاتھ نہیں۔''

ایک پروے دار چائے کی پراسرار لذت کے ساتھ، ایک رسوائی شدہ چپی کی حواسوں پہ غالب مہک کے ساتھ۔

☆☆☆

سینے سے گھٹنے جوڑے اپنے ہی بازوؤں کے حصار میں کرسی پر خاموش بیٹھی وہ لڑکی الجھی ہوئی تھی نہ اب حیرت میں تھی، اسے غصہ بھی نہیں تھا وہ اداس بھی نہیں تھی۔ وہ ان گزرے نو دنوں کے ایک ایک منظر کو ذہن میں دہرائی گئی اور پرسکون ہوتی گئی۔ بالفرض یہ

Scanned with CamScanner

سب کچھ غلط فہمی کی بنا پر ہوا تھا پھر بھی گھاٹے میں کون رہا، وہی جو خدمت گار کے منصب پر رہا، وہ رئیس تھا تو اپنے گھر میں، اس وقت وہ صدمے کی حالت میں تھی تو اس لیے کہ ایک خدمت گار نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

وہ تو شکر ہے کہ اس نوجوان نے صرف خواب کی بات کی تھی۔ کسی زبان میں کوئی وعدہ کیا نہ ہی اردو یا انگریزی میں اظہار محبت کیا، اور وہ خود کون سا اس کی محبت میں گرفتار تھی۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی وہ موقعہ ملتے ہی حسین لڑکیوں کی تصویریں دیکھتا ہے ان کو میسج بھی کرتا ہوگا ہنہ ہرجائی پتوں میں چھپی چڑیا کی آواز نے اسے چونکایا یہ جو ابھی تک جاگ رہی تھی، بدرانے کئی بار دیکھا تھا وہ خانہ خراب اسے دانہ ڈالتا تھا، وہ اپنی رقیب چڑیا کو بتا رہی تھی۔

"میرے رشتے ناتے تو خالہ ذکیہ کے سیدھے سادھے بیٹے کے ساتھ تھے۔ عون عالم کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ اگر چلا ہی گیا ہے تو ہم دونوں کو اس شادی والے گھر میں یوں بجھے چہرے کے ساتھ بیٹھنا زیب نہیں دیتا، میں تو خیر اس وجہ سے پریشان ہوں، میں نے نیلم کو بتایا تھا کہ وہ میرا افیاسی ہے۔"

نیلم کو یاد کرتے ہی اسے جھٹکا لگا۔ اُف اس کا دل بیٹھا۔ ہائے وہ اماں کی وصولیاں وہ بازوؤں کا حصار توڑتے ہوئے باورچی خانے کی طرف بھاگی۔

"میں اماں کے ساتھ جا رہی ہوں آج بالیاں بیچ دینا جو مگ میں پڑی ہیں۔"

اس نے بازار جانے سے پہلے اسے ٹیکسٹ کیا تھا اس نے کیبنٹ کھول کر وہ مگ اٹھایا تو رقم دیکھ کے اس کی جان میں جان آئی۔ اس نے ایک چبھتا ہوا سانس بھر کے رقم اٹھائی۔ خدمت گار کو حکم سے سرتابی نہیں ہوگی۔ وہ جو بار بار اور ہر بات میں اسٹیٹس کی بات کرتا تھا اگر یاد رہا تو اس کام پر اس کا شکریہ ادا کروں گی۔

وہ اپنا کام ہو جانے پر اتنی خوش تھی کہ رات کے اس پہر اس کا ڈھولکی رکھنے کو دل چاہا۔ چھوٹی سی بالیاں اور اتنی زیادہ رقم یعنی نفع ہی نفع۔

کمرے میں واپس آ کر رقم محفوظ کرنے کے بعد بستر پر لیٹنے اور نیند آنے سے پہلے اس کے ہر احساس پر منافع غالب تھا بس دل عجیب سا ہو رہا تھا۔

منافع کے باوجود بھی کوئی نقصان تو ہوا تھا ایک جڑ چکا رشتہ کہاں کہاں سے ٹوٹ گیا تھا وہ گننے بیٹھتی تو گن نہیں پائی۔

☆☆☆

آج عالم ولا میں واپس آ کر وہ تسلیم کر سکتا تھا کہ اس شیش محل جیسے گھر میں ان کرداروں کا عکس بونا ہو کے جھلک رہا تھا جو بھی اس کے لیے قد آور تھے۔

آج وہ ماں سے سامنا ہوتے ہی ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"آئی ایم سوری۔" وہ ان کی گود میں سر چھپاتے ہوئے اور کچھ بھی نہیں کہہ پایا وہ ہر اس موقع کو سوچ کر آبدیدہ ہو رہا تھا جہاں اس کی ماں کو اس کی ضرورت تھی۔ وہ جب اس کے باپ نے دوسری شادی کر لی تھی۔ نگار نے اسے فون پر بتایا تو صرف ایک لمحے کی خاموشی کے بعد اس نے اپنے مخصوص آرام دہ لہجے میں کہا تھا۔

"ڈونٹ وری ماں مرد ایسی شادیاں کرتے رہتے ہیں۔"

اس نے وہی جواب دیا جو عون کی اس بات پر یاقوت نے دیا تھا وہ اس وقت کیوں نہیں سمجھا کہ باقی مردوں کی اور باپ کی شادی میں فرق ہوتا ہے۔ اس وقت جو عورت ٹوٹتی بکھرتی اور تنہا ہو جاتی ہے وہ اپنی ماں ہوتی ہے۔

قدموں میں بیٹھے بیٹے کو اپنے حصار میں لے کر اس کے سر پہ اپنا ماتھا ٹکاتے ہوئے وہ سمجھ رہی تھیں وہ کیا کہہ رہا ہے۔ وہ کیا کہنا چاہتا ہے وہ کس بات پر آبدیدہ ہے۔

"صرف آپ جانتی تھیں کہ اس گھر میں سب اچھا ہے جیسا کھیل کھیلا جا رہا تھا اور پس منظر میں سب کچھ خراب ہو چکا تھا۔ آپ کو مجھے تو بتانا چاہیے تھا۔"

گلہ کیا، اس گلے کے جواب میں اس نے مسکرانے کی کوشش کی اس کی خاموشی ثابت کر رہی تھی کہ وہ اب کسی کا بھرم توڑنا نہیں چاہتی۔

''تمہاری دادی بہت اچھی عورت تھیں مگر خود کو مکمل سمجھتی تھیں۔''

اس نے یاقوت کی تعریف اور بد برائی کا سفر ایک ہی جملے میں طے کرنے کے بعد اس طویل بحث کو ہمیشہ کے لیے سمیٹ لیا تھا۔

وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا بھی اپنے دادا کی طرح پس منظر میں جھانکتا جھانکتا سائیکو پیتھ ہو جائے۔

☆☆☆

دو تین دنوں کی مسلسل مصروفیت کے بعد دوپہر کو اس کا سر بھاری ہو رہا تھا وہ پین کلر لے کر سو گیا تو پھر شام کو ہی آنکھ کھلی۔

جب وہ نیچے لاؤنج میں آیا تو نگار پریشان چہرے کے ساتھ جیسے اس کی ہی منتظر تھیں۔ ''رئیسہ اور زارا آئی تھیں۔ وہ بہت اپ سیٹ تھیں۔''

''میں جانتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔'' اس نے دھیما سا جواب دے کر ماں سے کچھ اچھا سا کھانے کی فرمائش کی۔ ان کے پاس ساری خبریں تھیں۔

''پہلے جواد اور پھر عینی کے متعلق مجھے اتنا کچھ سنا کے گئی ہیں، اگر میں تفصیل میں چلی گئی تو تمہاری فرمائش رہ جائے گی۔'' وہ پھیکا سا مسکرا کے کچن کی طرف چلی گئیں۔

جواد کی حد تک تو ٹھیک تھا وہ ماں بیٹا اس کے معاملات میں انوالوڈ تھے مگر عینی کے لیے وہ جس طرح اس کی ماں کا گریبان پکڑتی تھیں وہ ان پر واضح کرنا چاہتا تھا کہ عینی اپنے فیصلوں میں مرضی کی مالک تھی۔

اس نے ریموٹ اٹھا کر ایل ای ڈی آن کی اور ایک نیوز چینل کا انتخاب کیا۔ ٹی وی اسکرین پر چلتی پٹی پر اس کے اور ثمامہ کے حوالے سے ایک خبر تھی۔ وہ فون لیے وہ میسجز چیک کر رہا تھا ایک میسج پر وہ سیدھا ہوا۔

وہ گزشتہ تین روز سے محسن کی کالز اور میسجز اگنور کر رہا تھا۔ وہ اس سے ناراضی کا اظہار تھا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود وہ دونوں اچانک وہاں جا کر جیسے اسے کھینچ کے واپس لائے تھے۔ وہ اس کے تازہ ترین میسج پر الجھا وہ ایک انتہائی ضروری بات کے لیے اس سے ملنے پر اصرار کر رہا تھا۔

''آپ کا کھانا تیار ہونے تک میں آجاؤں گا ماں!'' وہ کچن میں جھانک کے بولا۔ اب وہ پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا۔

ٹھیک آدھے گھنٹے بعد وہ محسن کے آفس میں تھا۔

''آپ اس وقت کیا لیں گے مسٹر عون چائے یا کافی؟'' دو انگلیوں سے آفس ٹیبل بجاتے ہوئے اس نے اپنے دوست کو ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو۔

''بھئی اس وقت منہ اٹھا کر کیوں چلے آئے ہو، جب میں کام میں بزی ہوں۔''

عون نے سنجیدگی سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی جیب ٹٹولی۔

اس وقت محسن کی مہمان نوازی کا گراف نیچے اور خوش مزاجی کا اوپر تھا۔ وہ ایک نامور ادا کارہ سے ڈرامے کے کچھ سین ڈسکس کر رہا تھا جب اس نے عون کو سگریٹ سلگاتے دیکھا تو وہ جھٹکا کھا کے چونکا اس نے بات کرتے کرتے اب عون کو بغور دیکھا اس کے دماغ نے سائن دیا اس کے چہرے پر ہلکی سی بڑھی ہوئی داڑھی کے علاوہ بھی تبدیلی تھی جو اس کی آنکھوں کی حد تک تھی اس نے اپنی توجہ کام پر مبذول رکھنے کی کوشش کی۔

وہ دونوں ڈرامے کے کسی سین کو لے کر بحث کر رہے تھے جب عون نے دوسرا سگریٹ سلگایا محسن نے ایک شدید قسم کا پہلو بدلتے ہوئے محسوس کیا کہ اب

Scanned with CamScanner

اس کے لیے بات چیت کو مزید جاری رکھنا مشکل تھا تو باقی ڈسکشن آئندہ پر چھوڑتے ہوئے وہ الوداعی رسومات کے بعد جب اس کے سامنے آ کر بیٹھا تو بات کا آغاز ہی سگریٹ نوشی سے کیا۔

"آخر اسے ہوا کیا ہے؟"

"یار ہونا کیا ہے۔ جب میں نے سمجھا کہ میری فیملی میں اب ہر چیز اچھے سے سیٹ ہو جائے گی تو ہوا یہ ہے کہ ہر چیز اپ سیٹ ہو کے رہ گئی ہے۔"

وہ سگریٹ نوشی والی بات کو ٹالنے کے چکر میں یہ بھی بھول گیا کہ وہ یہاں محسن کی بات سننے آیا تھا۔

وہ رئیسہ آنٹی کا ہنگامہ اور باقی فیملی کے آرگومنٹس سے ریلیٹڈ موجودہ حالات اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس سے مشورہ طلب کر رہا تھا کہ بتاؤ اب میں کیا کروں؟ محسن نے اسے غور سے دیکھا۔ وہ اسے کیا مشورہ دیتا۔ وہ اس کے لیے ایک بری خبر لے کے بیٹھا تھا۔ اس خبر کو سننے کے بعد اسے چند لمحوں کے لیے یقین نہیں آیا یا اس نے کرنا ہی نہیں چاہا۔ یہ سب کچھ ایک ماہ پہلے ہوا ہوتا تو وہ ایسے شاک کے عالم میں نہ جاتا۔

اس وقت جب عینی کی شادی طے ہو چکی تھی تو اس نے کورٹ میرج کر لی تھی، جانے کیوں اس لمحے اسے فاخر یاد آیا جو اپنا عروسی کمرہ سجانے کے لیے کچھ پینٹنگز خرید لایا تھا جس کا کہنا تھا کہ انہیں دیکھتے دیکھتے وہ مسکرانا سیکھ جائے گا۔

اگر عینی کی شادی بھی اس کے پیرنٹس نے طے کر دی تھی تو وہ بھی ویسی ہی پینٹنگز افورڈ کر سکتی تھی پھر فرق کہاں تھا۔

"بے بی یہ نیوز کل سوشل میڈیا پر اناؤنس کر دی جائے۔" محسن کی آواز دھیمی تھی۔ عون نے بس ہنہ جیسے لفظ پر اکتفا کیا، وہ جانتا تھا کہ اگلے چند دنوں تک اس کی ماں سمیت سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن ان چند دنوں کے دوران کا ہنگامہ پھر رئیسہ آنٹی کی اس کی ماں پر گولہ باری، یہ سب برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

"میں بس اتنا جانتا ہوں یار! یہ رشتے، یہ چیزیں یہ فیلنگز ان کی شپنگ ہماری نظر کا دھوکا ہوتی ہے، ہر چیز اپ سیٹ ہو کے بھی زندگی کو ایک جگہ پر نہیں ہے۔"

محسن نے کیسی گہری بات کی تھی، وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ رشتوں کو لے کر اتنا حساس نہیں تھا عینی جس لبرل فیملی سے تھی وہاں عون یا کسی دوسرے کزن کو لوگوں سے منہ چھپانے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی بس ایک موازنہ تھا جو اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"یہ جو تم منہ بنائے پھرتے ہو کیا تمہیں واپس نہیں آنا تھا۔" وہ ایک دم سے دوسرے موضوع پر آیا۔ "ویسے میرے لیے یہ خوش خبری جیسی بات ہے کہ عون عالم اپنی شناخت کے حوالے سے بھی گلٹ میں بھی مبتلا ہو سکتا ہے امیزنگ۔"

وہ کندھے اچکا کے مسکرایا۔

"ایسا کچھ نہیں یار بس!" وہ دل ہی دل میں جھنجھلایا۔

"تو بس پھر ان دونوں میں ان کا بھی مطلب نکل گیا، تمہارا بھی، بات ختم۔" محسن نے کس قدر آرام سے بات ختم کر دی تھی۔ وہ اس کو دیکھ کے رہ گیا۔

بات ہی تو ختم نہیں ہو رہی تھی۔

"باقی ساری باتوں کو چھوڑو، مجھے وہ بات بتاؤ جس نے تمہارا حال خراب کر رکھا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کے بولا۔

اس کا دوست اس کی آنکھوں کا ایک ایک رنگ پہچانتا تھا جہاں اب ایک رنگ اضافی تھا۔ اس اضافی رنگ نے اس کی طبیعت کو بے قرار سا کر رکھا تھا اس نے نگاہ چرائی۔

"یہ پیشن گوئیاں کہیں اور آزماؤ۔" "آر یو شیور کہ تم ٹھیک ہو۔" وہ واقعی ماننے کو تیار نہیں تھا جواب میں کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ محسن پر گہری نگاہ ڈال کے ہنسا پھر گہرائی میں اتر کے بولا۔

میں نے کہا خراب ہوں گردش چشم مست سے
اس نے کہا رقص کر سارا جہاں خراب ہے

یہ شعر سنانے کے بعد اس نے ہاتھ ہلا کر محسن کو کسی اور جانب متوجہ کرنا چاہا مگر وہ ناکام رہا اسے شک تھا اگر وہ ایسے ہی اسے دیکھتا رہا تو وہ جان لے گا پھر اس کا مذاق اڑائے گا۔

''اوہ گاڈ!'' عون شہود ایک پرانے جالی دار دروازے کی کھٹاک کا منتظر رہتا تھا۔

☆☆☆

بے یقینی کی ایک عجیب کیفیت تھی، صبا ہواس پلے ایریا کے اندر جا رہی تھی۔ جہاں وہ پہلے سے موجود تھا۔

''جواد تم سے ملنا چاہتا ہے۔'' یہ غیر متوقع بات تھی۔ اس نے پوری آنکھیں کھول کر اور حیران ہو کے اسے دیکھا، اتنے بے شمار سالوں کے بعد فاخر اس کا نام اس قدر نارمل انداز میں لے رہا تھا۔ اس میں بلنے کی سکت نہیں تھی مگر وہ لب ہلا سکتی تھی۔

''گڑے مردے اکھاڑنے کا کیا فائدہ۔''

آستین کی کف میں اسٹڈ لگاتے ہوئے وہ چونکا۔ شادی کے بعد آج وہ پہلی بار سسرال جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔

''کئی سال پہلے تمہاری ایک بات میں نے مانی تھی فائدہ مند تو وہ بھی نہیں تھی۔''

اس نے اسے کیا بتایا تھا وہ کیا چاہتا تھا پارک کے اندر آنے کے بعد بچوں کی بھیڑ بھاڑ سے ہٹ کر جسے وہ ڈھونڈ رہی تھی اسے ڈھونڈنا اب اس کی اپنی خواہش نہیں تھی۔

وہ اسے دوسری جانب تلاش کر رہی تھی وہ مخالف سمت سے ایک دم سامنے آ گیا اس نے رخ بدلا اور وہ ساکت ہو گئی اپنے بالوں میں جھلکتی چاندی سمیت وہ زمین سے آسمان جتنا بدل چکی تھی، اندر کو ڈوبی آنکھیں لٹھے جیسا چہرہ پھر بھی وہ اسے پہچان کر ہی سامنے آیا تھا۔ وہ اسے کیسے پہچان گیا۔

پلے ایریا کی سرخ و سبز دیوار کے ساتھ ایک دوسرے کے سامنے کھڑے وہ پہچان کے مراحل سے گزر چکے تھے، اس کے سر میں بھی جا بجا سفید بال تھے، وہ آج بھی پر اعتماد خوش رو اور قیمتی دکھ رہا تھا، اس کی آنکھوں کا خاکی رنگ اب گہرا خاکی ہو چکا تھا۔ وہ آج بھی عام سی تھی۔

''میرا اتا پتا جاننے کے باوجود اتنے سالوں تک تم خود کو مجھ سے اس طرح کیسے چھپا سکتی تھیں کیوں؟'' وہ جیسے مٹ مٹ کے بولا۔

وہ یہ سامنا اب بھی نہیں چاہتی تھی مگر وہ خاموش رہی۔

''تم مجھے اچھی طرح جانتی تھیں۔ میں تم سے بدگمان نہیں ہوا تھا۔ مجھے لوگوں کی باتوں کی پرواہ بھی نہیں تھی۔ میں رئیسہ اور ماں کے دباؤ سے خوف زدہ ہو کر صرف وقتی طور کے لیے او جھل ہو گیا تھا۔''

اس نے خود کو مضبوط رکھنے کے لیے رخ بدلا، وہ پھر سے سامنے آ گیا۔

''جس شام تم لوگ غائب ہوئے تھے، میں اسی رات واپس آ گیا تھا۔ تم نے مجھے ایک ایسے پچھتاوے میں جلا کیا تو کیا مگر میرے باپ کا کیا قصور تھا جو تم لوگوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے نیم پاگل ہو گیا۔ سارا قصور ان لوگوں کا نہیں تھا۔ اس غلطی میں نیاز دادا بھی برابر کے شریک تھے انہوں نے تمہیں اور خود کو صرف رسم و رواج کی خاطر روپوش کر لیا تھا وہ بھی طلاق کے خوف سے۔''

اسے فاخر کی بات یاد آئی فاخر کی ہر بات سنی جا سکتی تھی مگر ان خاکی آنکھوں کا مالک حساب دینے کے بجائے جواب مانگ رہا تھا، وہ حیرت کے گھیرے میں کھڑی تھی۔ وہ اس کی معافی تلافی کو آگ لگا کر عالم والا کو جلا آتی تو پھر بھی کم تھا۔

''میں یہاں فاخر کی مرضی پر آئی ہوں۔ مجھے تمہارا حال دل سننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہیں جو بھی کہنا ہے فاخر کو۔'' اس کا جملہ کاٹ لیا گیا۔

''میں تمہارے حصے کی باتیں کسی اور سے کیسے کر سکتا ہوں۔''

وہ اس بات پہ بل نہیں سکی، فاخر سچ ہی کہتا تھا قید تنہائی تو اس نے بھی کاٹی تھی وہ جتنا بھی پاس آ جاتا

"تم سے بچھڑنے کے بعد میں تمہارا محبوب بن گیا تھا جنوری کی گھمبیر سرد راتوں کو پچھلے لان میں جا کر میں نے کھڑکی پر اڑتے ان پرندوں کو سالوں دیکھا پھر آدھی عمر گزر جانے کے بعد یہ جان ہی لیا کہ تم نے جو پینٹ کیں وہ بلبلیں تھیں۔"

اس اعتراف نے اس کی ڈوبی آنکھوں کو نم کیا۔ ایک جلتا ستارہ سا کر دیا اسے الہام تھا کہ جیسے فاخر کا فیصلہ جواد عالم کے حق میں ہوگا۔

جب اس نے ہاتھ پکڑا تو وہ چھڑا نہیں سکی۔

☆☆☆

اس وقت جب شام گہری ہو چکی تھی ایک پوش سوسائٹی کے نئے نکور بنگلے کے اندرونی اور بیرونی حصے میں ایک پر رونق اور مہذب قسم کی ہڑبونگ سی مچی تھی۔ سرسراتے ریشمی لباس، میک اپ کٹس سے اڑتی میک اپ آئٹمز کی مخصوص خوشبو مرد و زن کی ملی جلی آوازیں ان سب کا ثمامہ اور عون کے کپل پر سرگوشیانہ گوسپ، برانڈڈ پرفیومز کی مہک ہر جگہ مدغم ہو رہی تھی۔

یہ عمارت کے اندرونی حصے کا منظر تھا وہاں کیمرے سیٹ تھے کیمروں کی آنکھ کا فوکس شیشے کی دیوار کے دوسری طرف کا منظر تھا، باہر سیٹ پر موجود ثمامہ ہلکی زرد روشنی کے ہالے میں تھی۔

عون اپنا پہلا شاٹ او کے کروا چکا تھا، دوسرے کا منتظر تھا۔ تیسرے شاٹ میں ان دونوں کی پرفارمنس ایک ساتھ تھی۔

ٹھیک اسی وقت ایک دوسرے شہر میں بھی شام اتر چکی تھی، نیاز منزل میں کوئی سرسراہٹ تھی نہ خوشبو نہ خوشبو جیسی کوئی بات تو وہاں اتری شام کا فوکس وہی ایک لڑکی تھی جو اپنے سیل پر سپاٹ چہرے کے ساتھ میسج ٹائپ کر رہی تھی اسے میسج مکمل کرنا تھا اس کے بعد سینڈ کرنا تھا مگر اس سے ایک غلطی ہوئی۔

دوسری طرف ٹھیک اسی جگہ جہاں ایک ویڈیو میوزک کی شوٹ جاری تھی۔ میک اپ مین کے

ہے۔ وہ میک اپ مین کو معذرتی تاثر دے کر سر جھکاتا ہے۔

"میں نے ذکیہ کے بیٹے سے وفا کی امید رکھی اور اس نے وفا نبھائی ہے۔ وہ جو ایک......"

اس کا شاٹ ریڈی تھا ماحول مکمل تھا میسج ادھورا تھا اگر وہ ایک ماہ سے اس کے میسج کا منتظر تھا تو کیا یہ جاننے کے لیے کہ وہ اسے ایک چیٹر یا اداکار سمجھتی ہے یا پھر ذکیہ کا بیٹا۔

اس نے چہرہ اٹھایا اس کے لبوں کو چھوتی مکمل سی مسکراہٹ اسے نیاز منزل میں لے گئی۔ پیڑ پر لہراتا سفید ربن، مرغیوں کا ڈربہ، لانڈری باسکٹ میں چھپائے گئے انڈے، اس کے حواس اڑاتی چائے کا آخری کپ، جب وہ اس کا بریسلیٹ چھوڑ رہا تھا جب وہ اس کے بہت قریب کھڑا تھا، وہ سب خواب سا لگتا تھا، وہ سب خواب تو نہیں تھا، وہ اسی مکمل مسکراہٹ کے ساتھ سیٹ پر کیمروں کی زد میں آیا اب وہ ثمامہ کے قریب تھا کہ اس بار ریشمی لباس عون کو ٹچ کر رہا تھا۔

"ہر بار تمہاری پلکوں کی میں گنتی بھول سا جاتا ہوں۔

جب انت تلک گن پاتا ہوں پھر صفر پہ واپس آتا ہوں۔

"اس بار مکمل ہونے دے اسے یار مکمل ہونے دے۔" وہ ان گانوں پر صرف لب ہلا رہا تھا۔

نگاہ اداکارہ کی پلکوں پر جمی تھی کہ وہ یک لخت چونکا وہ ذکیہ کے بیٹے سے وفا کی امید کیسے رکھ سکتی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کے ماحول میں کبھی سیٹ نہیں ہو سکتے تھے۔

"فاخر کہتا تھا، محبت جب اپ سیٹ ہو جاتی ہے تو اس کا عروج دھندلا جاتا ہے۔"

اس نے ایک گہرا سانس لیا، یہ ایک الگ دنیا تھی ایک دوسرا ماحول تھا۔ یہاں عون شہود کے پاس فیم تھا، وہاں حیدر آباد کے محلے میں رہنے والی بدرا کے

پاس ایک شفاف ہنسی تھی۔ وہ لڑکی نایاب تھی، آج ثمامہ، کل کوئی اور اس کے بعد کوئی اور۔

وہ ایک سا اداکار تھا، ثمامہ کی زلفوں کو نرمی سے اس کی آنکھوں سے ہٹاتے ہوئے اس نے حقیقت کو صباحہ نیاز کے انتظار اور جواد عالم کے سفر تک دیکھا۔ ایک دم سے اس کی مسکراہٹ کٹی اسے اچانک یاد آیا وہ ذکیہ کا بیٹا نہیں تھا۔

''میں نے ذکیہ کے بیٹے سے وفا کی امید رکھی اور اس نے وفا نبھائی۔ کل شام ہمارا نکاح ہے، جو اک چھپی ہے جو بے نیاز ہے اس اداکار کو بتادینا کہ کل رات میں نے نمک سے بنی صراحی کو بارش میں رکھ دیا تھا۔ اس سے کہنا، مجھے بتائے صراحی کا قیدی آزادی کی خبر سن کر مسکرایا تھا یا اداس ہو گیا تھا۔''

اک خیال دل کے سلامت رہ جانے کا، اک خواہش محبت کے قائم رہ جانے کی، اپنے سیل میں موجود میسج کو پورا پڑھنے کے بعد وہ یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ اس میسج میں اسے کس چیز نے زیادہ ڈسٹرب کیا تھا، سارا کچھ تو اس کے کچھ پوچھنے اور عون کے کچھ بتانے میں تھا اس نے ہر ایک حساب کتاب کو محفوظ کر لیا تھا۔ ہجر بھی تو کامل ہونا چاہیے۔ دل سلامت رہے، محبت قائم رہے، آم کے درخت پر لہراتے سفید ربن کی طرح۔

اس رات اپنے کمرے کی کھڑکی کھول کر سگریٹ پہ سگریٹ پھونکتے ہوئے اس نے اپنی ایک ایک چاہت یاد کی، وہ ایسی فیلنگز کے ساتھ کسی میں بھی انٹرسٹڈ نہیں رہا تھا، اب تو اس کا یہ حال تھا کہ ایک دشمن دار دوپٹے کی دل لگی نے اس کے اندر آگ سی لگائی ہوئی تھی۔

اپنی فیلنگز کو جج کرتے کرتے وہ دھک سے رہ گیا۔ یہ بھید تو ابھی کھلا تھا وہ اپنی فیلنگز میں اس مقام پر تھا کہ وہ عون عالم کو رکیہ کے بیٹے میں چھپا کر نیاز منزل میں اک عمر گزار سکتا تھا۔

''محبت ایک غلط کرن ہے اگر یہ راستہ محل کی طرف لے جائے تو کوئی بادشاہ نہیں بن جاتا۔ محل میں وہ غلام بھی ہوتے ہیں جن کی ڈیوٹی صرف چراغ جلانا ہوتی ہے۔''

☆☆☆

''تمہاری ماں بے عقل ہے جو بات کو سمجھ نہیں رہی مگر تم تو سمجھ دار ہو۔ لڑکا اچھا ہے، باپ کی دکان سنبھال رہا ہے۔''

نانی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ آن کی آن میں فیصلہ سنا دیں، حالانکہ فاخر نے نانی اور ماں کو عون کے متعلق تمام حقیقت حال سے اس وقت آگاہ کیا تھا جب رکیہ اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ شادی سے ایک دن پہلے اچانک آ گئی تھی۔

اپنی آمد کے چند گھنٹوں بعد اس نے یہ بات خود ہی چھیڑی تھی۔ اس کا بیٹا پڑھا لکھا تھا، خوش شکل اور کماؤ تھا، وہ بچپن کے رشتے کو پھر سے جوڑنا چاہتی تھی۔

فاخر خاموش تھا نرگس رضامند نہیں تھیں۔ نانی دل و جان سے تیار بیٹھی تھیں۔

''شکر کر، تیری نند کا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ یہ دور دیکھ پھر اپنی بیٹی کی طبیعت دیکھ، رکیہ کی طبیعت دیکھ، یہ تو گھر سے گھر تک جیسی بات ہے۔ یہ رشتے ناتے اپنے جیسے لوگوں میں ہی طے کرنے چاہئیں۔''

ان دنوں ایک صباحہ تھی جو خاموشی سے بدرا کا چہرہ تکتی تھی۔ وہ لڑکی بتی کی مہک اور چوری شدہ خوشبو کو برقع پہنا کر سمجھتی تھی کہ وہ محبت کو بھی برقع پہنا سکتی ہے، محبت وہ سفید پرندہ ہے جو بے اختیاری کے عالم میں سبز درخت پر بیٹھ جاتا ہے اور پکڑا جاتا ہے۔

اس نے شوہر کے ساتھ روانگی سے قبل اسے بتایا کہ وہ شوہر کے ساتھ یہاں پاکستان میں رہنے کے بجائے یو کے کیوں جا رہی ہے، اس نے بدرا سے کھل کے بات کرنے کے بجائے اپنے اور جواد کے حوالے سے طبقاتی فرق کی اونچ نیچ سے آگاہ کیا تھا۔

صباحہ کے جانے کے بعد بدرا نے اس رشتے سے متعلق ہاں کہہ دی تھی۔

☆☆☆

اس نے میسج کے آخر میں اس اسٹیٹس کانشس سے ایک سوال پوچھا تھا۔ اک امید دل کے سلامت رہ جانے کی، اک خوف قائم رہا۔ کیا وہ آزاد ہو کے مسکرایا ہوگا۔ جیسے سارا کچھ تو اس کے سوال اور ہر جائی کے جواب میں تھا میسج سین ہو چکا تھا وہ دن میں کئی بار واٹس ایپ کھولتی، پھر گھنٹوں بعد، پھر بات منٹوں پر آ گئی تھی پھر سیکنڈز......

وہ آن لائن ہوتا تھا اس نے جواب دیا نہ دوبارہ اس نے کچھ سوال کیا۔

بالآخر نکاح کا وقت آ گیا، قبولیت کے بعد اس نے پلکیں جھپکیں۔ اتنے آنسو گرے وہ گننے بیٹھتی تو گن نہیں پاتی تو آج اس نے یقین کر لیا کہ گلی میں کھڑے کھڑے وہ چہرہ اس نے آخری بار دیکھا تھا اپنے سامنے روبرو۔

وہ وقت بھی آ گیا بالآخر اس نے جان لیا، دنیا میں کچھ آخری بھی ہوتا ہے، آخری بار، آخری نظر، آخری قدم، آخر کار وہ ہنسنا سیکھ ہی جائے گی آخر کار، آخر کار۔

☆☆☆

چودہ سال بعد۔

''اماں دیکھیں تو آپ کے فیورٹ اداکار کی نئی وڈیو ریلیز ہوئی ہے۔'' ہنی بھاگتی ہوئی ماں کے پاس آئی۔

یہ جنوری کی ایک سہ پہر تھی وہ چھت پر دھند لے سے کہرے میں دور کا منظر کینوس پر اتار رہی تھی۔

''کیا بتاؤں اماں! ابھی اسے ریلیز ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں اور اسے کئی ملین لوگ دیکھ چکے ہیں۔''

یہ کہتے ہوئے ہنی نے موبائل اس کے ہاتھ میں دیا اسکرین روشن ہوئی۔

''ارے آرام سے۔'' اس نے تیزی سے سیڑھیاں اترتی بیٹی کو پلٹ کے ٹوکا پھر اسکرین پر نگاہ ڈالی اسکرین پر جو گھر اور جو چیزیں نظر آ رہی تھیں وہ سب سیٹ کا حصہ تھیں۔ اس سیٹ میں جس گھر کی شباہت جھلک رہی تھی۔

وہ، وہ بدرا کی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔ گرین کرسی، گول ٹیبل، آگے مرغیوں کا ڈربہ۔ آگے لانڈری باسکٹ، آگے آگے۔

وہ اردگرد چھائے دھند لے کہرے میں تحلیل ہوتی گئی۔

اب بیک گراؤنڈ میوزک کے ساتھ لڑکی نمودار ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں سفید ربن ہوتا ہے۔ وہ بال لہراتی ہے، وہ کون سا ہیئر کٹ تھا کانوں پر گرتے شانوں کو چھوتے، کندھوں پر جھولتے بال جن کی ہر لٹ دوسری سے جدا تھی۔

چھت پر کھڑی کسی بت میں ڈھلی، وہ عورت جانتی تھی کہ وہ ہر لٹ سرکش تھی اور وہ ہر لٹ کی بغاوت کو سمجھتا تھا۔ تب ہی تو، تب ہی تو۔

اب اسکرین پر وہ چہرہ روشن ہو رہا تھا جسے وہ روز اسی اسکرین پر گھنٹوں، پہروں، دیکھتی تھی جسے روبرو دیکھے چودہ برس گزر چکے تھے۔

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
یہ کس کی آواز تھی
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے

وہ کس سے مخاطب تھا وہ جسے آنسو کہتے ہیں اس کی آنکھ سے وہ پانی بہا۔

ویسا ہی گریس فل، خوبرو، کنپٹیوں میں جھلکتی چاندی کے ساتھ وہ ایک سفید و سرمئی میدان میں کھڑا تھا ہر ایک جذبہ عیاں کرتی لالی سے بھری آنکھوں کے ساتھ کیمرے کی آنکھ میں دیکھتا ہوا۔

نہیں ذکیہ کے گھر کی چھت پر کھڑی بدرا کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا۔

اور اس کی آنکھ سے بہتا پانی اچانک سے جم گیا۔

وہ اس کے سوال کا جواب دے کر اداسی کا اعتراف کر لیتا تو وہ سوچ کے بیٹھی تھی وہ اسے بغاوت پر اکسائے گی۔

کیا وہ جانتا تھا کہ اس کی ہر لٹ سرکشی تھی۔ کیا

وہ جانتا تھا کہ اس کے باغی لب و لہجے پر ہر ذی شعور کو پناہ مانگنی چاہیے تھی۔

میری طرح سے ہیں مہرو ماہ بھی آوارہ
کسی حبیب کی ہیں، یہ بھی آرزو کرتے

اس کی خاموشی نے آرزو بچالی تھی اس کی خاموشی نے بدرا کو بچالیا تھا۔

ہر سین میں وہ اس کی ماڈل کے لباس کے ساتھ حیران ہوئی جیسے وہ اس کے ملبوسات چرالے گیا تھا۔ اس کا بریسلٹ اس کے لاکٹ، اس کے کان کی بالیاں ہاں وہی بالیاں ہنستی ہوئی، بلبل اڑاتی ہوئی سارے صحن کو اپنی فراک کے گھیر گھیرتی ہوئی ننگے پاؤں گھومتی اس ماڈل کے ساتھ۔

وہ ایک دم سے ہنس دی تھی پھر سانس بھی بحال ہوئی پھر آنکھ میں جما پانی بھی بہہ گیا۔ وہ جو گل قاصدی کے میدان سے بھاگ گیا تھا، وہ اس کی ایک ایک چیز ایک ایک ادا سنبھال کے رکھے ہوئے تھا، وہ اسی کا ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ خواب نہیں تھا وہ بات کر رہی تھی۔ اسے یقین تھا کہ آج وہ ہر حال میں بات کرے گی۔ اس کا یقین سچ ثابت ہوا۔

''کیسی ہو تم؟ اور تمہاری اس گڑیا کا کیا حال ہے۔''

سولہویں منزل پر اپنے اپارٹمنٹ میں کھڑے اس مرد نے لندن کی آسمان کو چھوتی عمارتوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''سب ٹھیک ہے۔'' وہ جو زندگی بھر بے تحاشا بولتی رہی تھی، یہ تین لفظ ادا کرنے کے بعد اس نے اپنے تھکے جبڑوں کو دبایا۔ اس نے جھوٹ جو بولا تھا۔

وہاں خاموشی چھا گئی، ایسی خاموشی جس کو ان دونوں نے جی جان سے سنا۔

''پوچھو گی نہیں کہ میں نے تمہارے میسج کا جواب کیوں نہیں دیا تھا؟'' اس لہجے کے ٹھہراؤ میں بے قراری بھی تھی جیسے وہ وضاحت دینا چاہتا تھا۔

''اب نہیں پوچھوں گی۔'' وہ سہولت کے ساتھ بولی مگر اترا کے، اٹھلا کے نہیں ایک عجیب سی شرمندگی کے ساتھ، وہ لڑکی عجیب تھی سر پھری، راہ میں ست رنگے پرندوں کو بلاتی تھی پھر اڑا دیتی تھی۔ وہ ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔

''تم نے جھوٹ بولا تھا تم نے نمک سے بنی صراحی کو بارش میں نہیں رکھا تھا۔''

وہ کھڑکی پہ ہاتھ رکھ کے گویا ہوا۔ ایسا لگا کہ کھڑکی سے باہر لندن کی سردی فنا ہو گئی۔

''ہاں میں نے جھوٹ بولا تھا۔'' وہ ہنسی، اس کی ہنسی کی آواز دور تک گئی۔

ایسی ہنسی صباحت سے چھن گئی تھی۔ ایسی ہنسی اب عینی کے پاس بھی نہیں تھی۔ اس ٹی وی اسٹار کی محبت اب عینی کے وجود میں دم توڑتی جا رہی تھی۔ ایسی ہنسی رئیسہ جلال عالم اپنے لاکھوں کمانے والے باپ کے گھر میں چھوڑ گئی تھی۔

وہاں دور لندن میں بیٹھے اس شخص نے اس ہنسی کو ایک بار پھر اپنے اندر محفوظ کیا۔

اس نے اس ہنسی کو بچانے کی کوشش کی تھی اور وہ کامیاب ٹھہرا تھا۔

''تم بہت بڑے اسٹار بن گئے ہو مگر ایک وقت میں تم میرے ساتھ زمین پر بیٹھتے تھے۔ تم تب بھی اسٹار تھے مجھے دیر سے پتا چلا۔'' ان کے رابطے میں ایک بار پھر خاموشی حائل ہوئی گہری خاموشی۔

''تمہارے ساتھ زمین پر بیٹھے بیٹھے میں نے آسمان چھو لیا تھا۔ مجھے بھی دیر سے پتا چلا۔''

ایسا جواب، ایسا کامل جواب، خاموشی کا وجود بکھرا یہاں وہاں دور دور تک، مرغیوں کے ڈربے میں ہلچل سی ہوئی، پنجرے میں اونگھتی بلبلوں کی نیند ٹوٹی۔

یہ کیسا اعتراف تھا، کال کٹ گئی شاید نیٹ ورک پرابلم تھا۔

اسے دولت، طاقت اور شہرت نے چھوا تک نہیں تھا پھر بھی وہ ایک عروج کی زد میں آ گئی تھی۔

☆☆

Scanned with CamScanner

جویریہ مریم

جو خواہشیں تھیں

"آپا! لڑکی کم از کم بارہ جماعت پاس تو ہونی ہے۔ کسی ان پڑھ کے متھے نہ مار دینا مجھے۔ ایویں عمر کی عذاب بن جائے گی۔ اپنے یار بیلیوں کی ان پڑھ، انگوٹھا چھاپ بیویوں کا حال میں دیکھ چکا ہوں۔ گھر جہنم بنائے ہوئے ہیں انہوں نے۔ میں نے تو توبہ کرلی ہے کسی ان پڑھ لڑکی سے شادی کرنے سے، کوئی سلجھی ہوئی پڑھی لکھی لڑکی کی تلاش کرو۔ جو میری خون پسینے کی کمائی کو اللوں تللوں میں بہانے کے بجائے سلیقے طریقے سے استعمال کرے اور میرے گھر کو جنت کی طرح مہکا دے۔"

فراز نے اپنے تیل میں ڈوبے بالوں کی ٹیڑھی مانگ نکالتے، تقریر ہی جھاڑ دی تھی۔ وہ کچے کمرے کی شمالی دیوار پہ ٹنگے شیشے کے سامنے کھڑا کنگھی کر رہا تھا۔

آپا نے اسے گھور کے دیکھا تھا۔ "اور تم خود کتنا پڑھے ہو۔"

"مجھے سب کچھ آتا ہے۔" فراز نے کنگھا چارپائی پر پھینکتے ہوئے کہا تھا۔ بے نیازی سے۔ آپا جھٹ سے اپنے چھوٹے بیٹے کے بیگ سے کاپی پینسل نکال لائیں۔

"مجھے اپنے بھائی جان کا نام لکھ کر دکھاؤ۔"

فراز نے تھوڑی سی سوچ بچار کے بعد ٹیڑھا میڑھا سا عبدالقدوس لکھ دیا۔ آپا نے آنکھیں سکوڑ کر پڑھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ٹھیک لکھا ہے، اب میرے چھوٹے کا نام لکھ کر دکھاؤ۔"

فراز نے پھر ذرا سی سوچ بچار کے بعد محمود الحسن لکھ دیا۔

"ہوں! چلو لکھ پڑھ تو لیتے ہو مگر میں چار جماعت پاس کے لیے بارہ جماعتیں پاس لڑکی کی ڈیمانڈ کس منہ سے کروں۔"

فراز نے منہ بنایا تھا۔ "آپا! اسی منہ سے جو آپ کا ہے، اور یہ کوئی انوکھی بات تو نہیں ہوگی۔ ہزاروں مثالیں موجود ہیں کم پڑھے لکھے لڑکوں کی زیادہ پڑھی لکھی لڑکیوں کے ساتھ شادی کی۔ ویسے بھی آج کل تو لڑکیوں کے رشتوں کا ویسے ہی کال پڑا ہوا ہے۔ والدین، شریف لڑکوں کی آس میں بیٹھے بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔"

"ہوں، کہتے تو تم ٹھیک ہو۔ کئی لڑکیاں ہیں تمہارے بھائی جان کے دور، نزدیک کے رشتہ داروں میں، ایک سے ایک حسین اور پڑھی لکھی۔ مگر مجھے ہی جھجک محسوس ہو رہی تھی رشتے کی بات کرتے، اور یہ جھجک آج تم نے دور کر دی۔ دور کی کوڑی لائے ہو فراز میں تو تمہیں سیدھا سادہ سا سمجھتی تھی۔"

آپا کہہ کر خود ہی ہنسنے لگیں۔ فراز مغرور سا ہو گیا۔

"واہ آپا! آج کا تیز طرار زمانہ ہے بھلا سیدھے سادے لوگوں کا دنیا میں گزارہ ہے ہی نہیں ہے۔ کوئی خال خال ہی سیدھا بندہ نظر آئے گا آپ کو آج کے زمانے میں۔"

"اچھا اب زیادہ باتیں مت بگھارو۔ اور مجھے سبزی لا دو، اپنے بھائی جان کا تو تمہیں پتا ہی ہے۔ ذرا سی دیر ہو جائے رات کے کھانے میں تو طوفان مچا

دیتے ہیں۔"

آپا نے قدرے اکتاہٹ سے کہا تو فراز آپا کے ہاتھ سے پیسے لے کر جوتے گھسیٹتا سبزی لینے چل دیا۔ ساتھ ہی بڑبڑاہٹ بھی جاری تھی۔

"بھائی جان خود کسی طوفان سے کون سا کم ہیں۔ پتا نہیں ابا مرحوم کو عبدالقدوس صاحب میں کون سے سرخاب کے پر نظر آ گئے تھے جو آپ کو ان کے پلے باندھ دیا۔"

آپا دانت کچکچا کے رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

آپا پورے طمطراق سے صوفے پر براجمان تھیں۔ سامنے ہی تھری سیٹر صوفے پر لڑکی کی ماں اور خود لڑکی بیٹھی تھی۔ لڑکی کم عمر ہی تھی۔ خوب صورت بھی تھی۔ شرمائی سی بیٹھی تھی۔ آپا کو وہ پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھی۔

"خالہ! آپ کی بیٹی نے کتنی جماعتیں پڑھی

ہیں؟" آپا کو فراز کی ڈیمانڈ یاد آئی تو اچانک پوچھا تھا۔
لڑکی کی ماں آپا کے انداز پر چونک سی گئیں۔ پھر سنبھل کر بولیں۔
"پوری بارہ جماعتیں پاس ہے میری فروا، کہو تو سند دکھادوں؟"
"آں..... ہاں دکھا ہی دو خالہ!" آپا نے کچھ سوچ کر کہا تھا۔ لڑکی کی ماں پھرتی سے اٹھیں اور جھپاک سے اندر غائب ہو گئیں۔
"بیٹا! سلائی کڑھائی کر لیتی ہو؟" آپا نے نرمی سے پوچھا تھا۔
"کڑھائی تو نہیں، سلائی کر لیتی ہوں، ابھی دو ماہ پہلے ہی سلائی سینٹر سے سیکھی ہے۔"
فروا نے ہموار لہجے میں بتایا تھا۔ آپا سر ہلا کر لاؤنج کا جائزہ لینے لگیں۔ سلیقے، قرینے سے کی گئی سادہ سی سجاوٹ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ایک بات آپا نے بطور خاص نوٹ کی تھی کہ فروا کے چھوٹے سے گھر میں صفائی کمال کی تھی۔ ایسی صفائی جو نہ دیکھی نہ سنی، ایسے چھوٹے سے گھر میں۔
"یہ لو فروا کی سند۔" فروا کی امی نے مسکراتے ہوئے آپا کے سامنے پیش سند کی تھی۔
آپا کو آنا جانا تو کچھ بھی نہیں تھا بس ایسے ہی آنکھیں سکوڑ کر دیکھتی ہیں پھر مطمئن ہو گئیں۔
"خیر سے میرا بھائی فراز بھی پوری دس جماعتیں پاس ہے خالہ!"
آپا نے سفید جھوٹ بولا تھا اور ذرا بھی نہ ہکلائیں۔
"عیش کرے گی فروا! نہ کوئی نند نہ دیور۔ میرا ایک اکلوتا بھائی ہے فراز۔ اور میں تو بارہ سال پہلے ہی اپنے گھر بار کی ہو چکی ہوں۔ دو چار دنوں کے بعد مہمانوں کی طرح جاتی ہوں میکے میں۔ حالانکہ قریبی گاؤں میں ہی ہوں۔ اور کوئی بہن ہے نہیں میری۔ فروا کو ہی بہن سمجھوں گی۔ ابا کو تو مرے بھی سات سال ہو گئے ہیں۔ پیچھے میری اماں رہ جاتی ہیں جو شوگر کی مریضہ ہیں۔ سارا گھر فروا کے حوالے ہی ہوگا،

سفید کرے، سیاہ کرے اس کی مرضی۔"
فروا کی امی کے چہرے پہ خوشیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ یعنی اس کی بیٹی کو قبولیت کی سند مل گئی تھی۔ ورنہ تو لوگ ان کا چھوٹا سا گھر اور تنگ گلیاں اور فروا کی کم تعلیم جان کر ہی انکار کر دیتے تھے۔ فروا سر جھکائے بیٹھی تھی۔
آپا نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔
ایسی لڑکیاں خال خال ہی دیکھی تھیں آپا نے زیادہ تو پٹر پٹر بولتی، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتی اور ٹھٹھے مار کر ہنستی لڑکیوں سے واسطہ پڑا تھا ان کا۔ جو فراز کی کم تعلیم اور نوکری کا سن کر ہی جھٹ سے انکار کر دیتی تھیں۔
فراز ابا کا کریانہ اسٹور سنبھال رہا تھا۔
آپا فروا کے ہاتھ پر دو ہزار رکھ کر۔ دھوم دھام سے منگنی کی خوش خبری سنا کر واپس کا قصد کر رہی تھیں جب چھوٹے سے صحن کا دروازہ کھلا اور ایک فروا کی ہم شکل لڑکی کالج یونیفارم میں ملبوس گھر میں داخل ہوئی۔ اگر فروا، آپا کے سامنے نہ کھڑی ہوتی تو آپا کبھی یقین نہ کرتیں کہ آنے والی لڑکی فروا نہیں ہے۔ وہ شائستگی سے سلام کر کے اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔
آپا کا حیران چہرہ دیکھ کر فروا کی امی ہنس پڑی تھیں۔
"یہ میری بیٹی ہے فریا۔ فروا اور فریا جڑواں پیدا ہوئی تھیں۔ بس ذرا سا فرق ہے ان میں۔ فریا کے گال پہ تل ہے اور بال فروا کے بالوں سے چھوٹے اور ہلکے ہیں۔ ان دو نشانیوں سے ہی ہم ان دونوں کو پہچانتے ہیں۔ باہر کے لوگ تو فرق ہی نہیں کر پاتے ان میں۔"
"اچھا، اچھا۔ میں تو ڈر ہی گئی تھی۔ کہ فروا تو میرے سامنے کھڑی ہے یہ باہر سے کہیں اس کا بھوت تو نہیں آ گیا۔"
آپا بھی ہنس پڑی تھیں۔
☆☆☆
"آپا! ہیرا ڈھونڈا ہے آپ نے تو ہیرا! بس ایک غلطی کر دی، سند دیکھنے کی۔ اب اگر ان لوگوں

نے بھی میری سند طلب کر لی تو بتائیں میں سند کہاں سے لاؤں گا۔ اب تو کسی اور کی سند دکھانے کے بھی زمانے گزر گئے آپا! باقاعدہ تصویر لگی ہوتی ہے سند پر۔ اور پھر نام پڑھ لیتے ہیں لوگ جھٹ سے۔ جب فروا کی امی نے آپ کو خود ہی سند دکھانے کا کہا تھا تو یقین کر لیتیں کہ پڑھی ہے تب ہی تو سند موجود ہے۔"

فراز جہاں خوش تھا وہاں سخت جھنجھلایا ہوا بھی تھا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔ لیکن اب تو غلطی ہو گئی مجھ سے۔ اب کیا ہو سکتا ہے۔" آپا کا لہجہ بے فکر تھا۔

"اسی لیے کہا تھا میں نے کہ امی کو بھی ساتھ لے کر جانا تاکہ جہاں آپ غلطی کریں امی وہاں آپ کی غلطی سدھار دیں۔"

فراز کی جھنجھلاہٹ کم ہونے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

آپا کو بھی اس کی تکرار پر غصہ آ گیا۔

"ایک تم خود کو ہی عقل کا پکٹ مت سمجھا کرو۔ تھوڑی بہت عقل میرے دماغ میں بھی موجود ہے۔ پہلی بات تو امی خود ہی نہیں گئیں۔ شوگر نے وہ مسئلہ کر رہی تھی۔ بار، بار پیشاب آتا ہے۔

اور دوسری بات، امی کو سچ بولنے کی بیماری ہے، جہاں میں تمہیں اونچا دکھاتی، امی بغیر سوچے سمجھے میری بات کاٹ کر تمہیں نیچا دکھا دیتیں۔ فوراً سے پہلے بتا دیتیں کہ تم چار جماعتیں پاس ہو۔ اور بیسیوں رشتے تمہیں ٹھکرا چکے ہیں۔"

فراز سر جھکا کر بیٹھ گیا تھا۔ بات کچھ ایسی ہی تھی۔

☆☆☆

فراز، فروا کے والدین کو پسند آ گیا تھا اور انہوں نے کسی سند کے بارے میں جھوٹے منہ بھی نہ پوچھا۔ پھر چٹ منگنی پٹ بیاہ والا معاملہ ہوا اور فروا اس چھوٹے سے سونے آنگن میں رونقیں بکھیرنے آ گئی۔

فروا کے آنے کی دیر تھی۔ اس آنگن کا سونا پن اور اداسیاں یوں اڑے تھے جیسے یہاں کبھی ان کا بسیرا ہوا ہی نہ ہو۔ ہر طرف فروا کی چوڑیوں کی چھنک، پائلوں کی جھنکار گونجتی، دیکھتے ہی دیکھتے وہ الجھا بکھرا سا صحن و گھر فروا نے اپنے سلیقے طریقے سے ایسا سنوارا تھا کہ دیکھنے والے انگلیاں دانتوں میں داب لیتے تھے، کتنی عورتوں نے تو باتوں، باتوں میں اس کی کسی چھوٹی بہن کے بارے میں بھی پوچھا تھا۔

فروا مسکرا دیتی۔

"چھوٹی بہن تو کوئی نہیں ہے۔ ہم دو ہی بہنیں ہیں، وہ بھی جڑواں، میری دوسری بہن فریا کو پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے۔ وہ تو ابھی بہت سارا پڑھے گی۔ اگلے پانچ سالوں تک تو وہ اپنی شادی کا نام بھی نہیں لینے دے گی کسی کو۔ حالانکہ امی، ابو کو بہت فکر رہتی ہے۔ اگر وہ مان جاتی تو ہم دونوں بہنوں کی اکٹھی ہی شادی ہونی تھی مگر وہ مان کے نہیں دی۔"

عورتیں مایوسی سے اٹھ کے چل دیتیں۔

☆☆☆

فروا چھوٹے سے باورچی خانے میں کھڑی سلینڈر پہ چائے بنا رہی تھی۔ آپا آئی ہوئی تھیں۔ بہت پیار سے رہتی تھیں آپا اس کے ساتھ۔ وہ بھی آؤ بھگت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی۔

فراز اور آپا باہر صحن میں بیٹھے تھے اور امی چھوٹے سے برآمدے میں نماز پڑھ رہی تھیں۔

"آپا! میں تو اللہ کا لاکھ شکر ادا کرتا ہوں، کتنی سگھڑ اور پڑھی لکھی بیوی دی ہے مجھے۔ میرا گھر جنت کی بنا دیا ہے فروا نے۔ جب سلجھے ہوئے لہجے میں اتنی تمیز سے بات کرتی ہے میرے یار بیلیوں سے تو وہ تو حسد کرنے لگتے ہیں مجھ سے۔ بار، بار کہتے ہیں۔ بہت اونچا ہاتھ مارا ہے فراز! تمہاری تو مانو لاٹری ہی نکل آئی ہے۔ ہماری بیویاں تو بالکل ان پڑھ، پھوہڑ اور جہالت کا نمونہ ہیں۔"

فراز کی سرگوشی نما آواز جو فروا تک آسانی سے پہنچ رہی تھی۔ فخر میں ڈوبی ہوئی تھی۔ فروا مسکرا دی۔

"دیکھ لو پھر، تم چار جماعت پاس کے لیے کیسا ہیرا ڈھونڈا ہے۔ احساس مانو میرا۔" آپا کی سرگوشی نے فروا کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔

"فراز چار جماعت پاس ہے! آپا نے تو میٹرک بتایا تھا۔ میں کتنا خوش ہوئی تھی۔ کہ چلو زیادہ پڑھا نہیں ہے تو کیا ہوا، ان پڑھ تو نہیں ہے، درمیان میں ہی ہے۔"

وہ خود سے ہم کلام رو دینے کو تھی۔ تب ہی باہر صحن میں فراز کی سرگوشی ابھری تھی۔

"آپا! یہ طعنے بند کریں اور مجھے مشورہ دیں۔ اسٹور کا کام مندا جا رہا ہے، بہت پریشان ہوں میں، گاہگ تو مانو ختم ہی ہو گئے ہے۔ پتا نہیں کسی کی نظر کا اثر ہے یا کچھ اور...... خیر!...... میں سوچ رہا ہوں کہ کیوں نہ فروا کو ساتھ والے گاؤں کے گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر بھرتی کروا دیں۔ کلاس تو چھوٹی موٹی ہی ملے گی پڑھانے کو، مگر تنخواہ اچھی خاصی آ جایا کرے گی۔ جب ہم دونوں کمائیں گے تو سارے کام ہی سنور جائیں گے۔"

فروا کا دماغ دوسری دفعہ بھک سے اڑا تھا۔ وہ چائے کپوں میں ڈالنا بھول گئی تھی۔ باہر آپا کی گھرکی ابھری تھی۔

"پاگل ہوئے ہو فراز! سال ہوا ہے ابھی تمہاری شادی کو اور تم نے اپنی پڑھی لکھی بیوی سے کمائی کروانے کا بھی سوچ لیا، کیا سوچے گی فروا، کتنے لالچی لوگ ہیں۔ زندگی پڑی ہے۔ کچھ وقت گزرنے دو، پھر زیادہ ہی ضرورت محسوس ہوئی تو کوئی ایسا قدم اٹھا لینا، ورنہ نہیں اور تمہیں یہ نادر مشورہ دیا کس نے ہے، تمہارے دماغ کا کام تو نہیں لگ رہا مجھے؟"

فروا سانس روکے سن رہی تھی۔

"آپا! ایک دوست نے کہا ہے۔ میرے اسٹور کے حالات دیکھ کر۔" فراز کی کھسیائی سی آواز ابھری تھی پھر صحن میں خاموشی چھا گئی۔ غالباً آپا اسے خاموش گھوریوں سے نواز رہی تھیں۔

فروا گہرا سانس لے کر چائے کپوں میں ڈالنے لگی۔

☆☆☆

"سنو! اپنی میٹرک اور ایف اے کی سندیں تو دو مجھے۔" کئی دن بعد ایک شام فراز نے اسٹور سے آتے ہی فروا سے کہا تھا۔

فروا پہلے تو ساکت ہو گئی پھر گھبرا کر فراز کو دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟ کیا یہاں نہیں ہیں میکے میں ہیں؟" فراز نے حیران ہو کر اس کی واضح گھبراہٹ کو دیکھا تھا۔

"جی۔" فروا نے اسی گھبراہٹ سے بغیر سوچے سمجھے کہا تھا۔ فراز ہنس دیا۔

"تو پگلی! اس میں اتنا گھبرانے والی کون سی بات ہے۔ یہ کوئی بڑا مسئلہ تھوڑی ہی ہے۔"

فروا انگلیوں کو مروڑتی خاموش کھڑی رہی۔

"کیا ہوا؟ پریشان کیوں ہو؟ تمہاری ڈگریوں کو بیچنے نہیں لگا یار! بس ایک دوست بار، بار کہہ رہا ہے کہ ایک بار کوشش کر کے دیکھوں۔ شاید تمہیں ٹیچر کی نوکری مل جائے قریبی گاؤں کے گورنمنٹ سیکنڈری اسکول میں۔ بس اتنی سی بات ہے۔" فراز کہہ کر خود ہی ہنسا تھا۔ وہ بھی زبردستی مسکرا دی۔

اگلی صبح، فراز اسے بتائے بغیر ہی اس کے گھر پہنچ گیا تھا اس کی سندوں کو لینے کے لیے پہلا سامنا فریا سے ہوا تھا۔

ساسو صاحبہ پڑوس میں گئی ہوئی تھیں۔ اور اکلوتا، دس سالہ سالا فریا کے پاس بیٹھا پڑھ رہا تھا۔ اتوار کا دن تھا اس لیے فریا گھر ہی تھی۔

"میں فروا کی سندیں لینے آیا ہوں۔" سلام دعا اور حال احوال کے بعد فراز نے کہا تھا۔

فریا نے الجھ کر اسے دیکھا تھا۔

"فروا کی سندیں؟ فروا کی کون سی سندیں ہیں؟"

"وہ وہاں نہیں لے گئی۔ ادھر گھر میں ہی ہیں۔ میں اسے بتا کر آنا بھول گیا۔ کیا اس نے رکھی ہوئی ہیں؟"

فریا ہنس دی۔

"بھائی! آپ سے کس نے کہہ دیا کہ فروا کی ڈگریاں رکھی ہوئی ہیں۔ وہ کوڑھ مغز تو پانچویں کلاس سے آگے اسکول ہی نہیں گئی۔ ٹیچرز نے کہہ دیا تھا کہ یہ نہیں پڑھ سکتی، اس کا دماغ کورا ہے پڑھائی کے

معاملے میں، وقت ضائع کروانے والی بات ہے اسکول میں۔ اسے گھر کا سلیقہ طریقہ سکھاؤ، تاکہ کوئی خوبی تو ہو اس میں۔"

فراز بے یقینی سے گھور رہا تھا فریا کو۔

"تم مذاق تو نہیں کر رہیں؟"

فریا زور سے ہنس پڑی۔

"لو! میں کیوں کرنے لگی مذاق، آپ امی سے پوچھ لیں۔" صحن کے دروازے سے اندر داخل ہوتی امی کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔

امی نے پہلے تو چٹا چٹ کئی بوسے لے ڈالے فراز کے، پھر فریا کو ڈپٹا تھا۔

"بھائی کو بٹھایا تک نہیں۔ چائے، پانی تو پھر دور کی بات ہے۔" فریا شرمندہ ہو گئی۔

"اوہ! سوری بھائی! آپ نے بھی آتے کے ساتھ مجھے باتوں میں الجھا دیا بلکہ نادیدہ سندوں میں، اور میں بھی بھول گئی ادب آداب! آپ پلیز بیٹھیں۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

فراز دانت پر دانت جما کر کھڑا رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا! بیٹھو ناں۔" اصل معاملے سے بے خبر ساس، داماد پہ نثار ہوئی جا رہی تھیں۔

"آپ نے ہم سے غلط بیانی کیوں کی کہ فروا بارہ جماعتیں پاس ہے۔" اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساس کو جھنجھوڑ کر رکھ دے۔

"ہیں؟" ساس حیران! "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟"

"فروا ان پڑھ ہے آپ نے بتایا کیوں نہیں؟" وہ دبی آواز میں چلایا تھا۔

"تم سے کس نے کہہ دیا کہ فروا ان پڑھ ہے۔ میں ابھی تمہیں فروا کی سند دکھاتی ہوں بارہویں جماعت کی۔" ساس اچانک پرجوش ہوئی تھیں۔ اور فراز ہکا بکا سا کبھی فریا کو دیکھ رہا تھا اور کبھی ساس کو۔

فریا حیرت سے ماں کی طرف پلٹی تھی۔

"امی! فروا کی کون سی سند ہے؟ یاد نہیں کہ فروا نے پانچویں کلاس میں ہی اسکول چھوڑ دیا تھا کوڑھ مغز جو ہوئی۔"

"تم چپ ہوتی ہو یا میں تمہاری زبان گدی سے کھینچ لوں۔"

امی جان فریا پہ دھاڑی تھیں اور فریا حیران بھی اور پریشان بھی۔ "یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ جس کے بارے میں مجھے بتایا ہی نہیں گیا؟"

"میں سمجھ گیا ہوں ساری بات! آپ نے میری آپا کو فریا کا رزلٹ کارڈ دکھایا تھا۔ اور میری بدھو آپا آپ کے ہاتھوں آسانی سے بے وقوف بن گئیں اور ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کر پائیں۔"

اس نے ہاتھ نچا کر کہا تو فریا تو ہکا بکا ہی رہ گئی تھی۔ اسے اس معاملے سے بے خبر رکھا گیا تھا کیونکہ اسے بھی فراز کی امی کی طرح سچ بولنے کی بیماری تھی۔

اور امی! ان کی تو سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ اب بولیں تو کیا بولیں۔ وہ غصے سے فریا کو گھور رہی تھیں جس نے سارا کچا چٹھا فراز کے سامنے کھول کے رکھ دیا تھا۔

"مجھے اندازہ تک نہیں تھا کہ میرے ساتھ اتنی دھوکے بازی کی آپ لوگوں نے۔" فراز شکستہ سا کھڑا جیسے رو دینے کو تھا۔ تب ہی اس کے دماغ نے کام شروع کیا تھا۔ وہ کراری آواز میں بولی تھیں۔

"ارے بھئی، مجھے تو بھول ہی گیا تھا۔ دھوکے بازی میں تم لوگ بھی پیچھے نہیں رہے۔ تمہارے بارے میں تو تمہاری آپا یوں گفتگو فرما رہی تھیں جیسے تم پڑھ لکھ کر منسٹر لگ گئے ہو۔ اور نکلے کیا؟ پوری چار جماعت پاس! خبردار! جو آج کے بعد میری اتنی سلیقہ شعار بیٹی کو ان پڑھ سمجھ کر کمتر سمجھا تو۔ ہر طرح کی عقل تمیز ہے میری بیٹی میں۔ تمہارے گندے سندے گھر کو چمکا کے رکھا ہوا ہے۔ اتنا اچھا سلوک کرتی ہے تم ماں بیٹے کے ساتھ۔ میری تربیت پہ عمل کر کے میری بیٹی نے ثابت کر دیا ہے کہ علم اور اچھائی ڈگریوں کے محتاج نہیں ہوتے، اور تم سے تو سو درجہ بہتر ہے میری بیٹی ہر معاملے میں۔ سمجھا کیا ہوا ہے تم لڑکوں نے خود کو آخر؟ کہ خود چاہے بندر نچانے کا کام کرتے ہوں اور لڑکی

پڑھی لکھی چاہیے۔ واہ بھئی واہ! یہ کیا انوکھا دستور نکالا ہوا ہے تم نے؟"

امی جو بولنا شروع ہوئیں تو بولتی چلی گئیں۔ فراز کان دبائے کھڑا تھا اور دل میں اعتراف کر رہا تھا کہ ساس جو کہہ رہی ہیں۔ سچ کہہ رہی ہیں۔

فریا کی ہنسی، ضبط کی لاکھ کوششوں کے باوجود فوارے کی طرح پھوٹی تھی۔

فراز نے اسے گھور کے دیکھا تھا اور امی تنتنا کے لپکی تھیں اس کی طرف۔

"ٹھہرو ذرا پہلے میں تمہارا علاج کرلوں۔" فریا نے بھاگ کر باورچی خانے میں پناہ لی تھی۔

"ارے! اس فریا بدتہذیب سے تو لاکھ درجہ بہتر ہے میری فروا، کیا خاک اثر چھوڑا ہے پڑھائی نے اس کمینی پر۔ عقل تمیز کا نام و نشان نہیں۔ اور ایک میری فروا ہے، کوئی کہہ نہیں سکتا اس میں تمیز نہیں ہے۔ ارے یہ کتابیں تو فقط پڑھنے کے لیے ہوتی ہیں ان سے سیکھتا کوئی، کوئی ہی ہے یہ علیحدہ بات ہے۔ انسان کو انسان، تربیت ہی بناتی ہے بھئی! ارے ایسے، ایسے، پڑھے لکھے اونچے عہدوں کے لوگوں کو میں نے جہالت کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے، میری فروا کے متعلق کوئی کچھ ایسا، ویسا کہنے کی جرأت تو کرے۔"

اس گھر میں فقط امی کی کراری آواز کی گونج تھی باقی ہر شے خاموش تھی۔

فراز یوں کھڑا تھا جیسے زبان گروی رکھ دی ہو۔ ساس کی زبان کے جوہروں نے اس کی بولتی بند کر دی تھی۔ گویا برین واشنگ کر کے رکھ دی تھی۔ اتنی اچھی طرح آئینہ تو آج تک کسی نے اسے نہیں دکھایا تھا۔ گویا آئینہ دیکھنے کی خواہش ہی مٹ گئی تھی۔

ساس صاحبہ نے لفظوں کے ہیر پھیر سے، صاف صاف، اسے اپنے گریبان میں جھانکنے کو کہا تھا اور وہ اپنے گریبان میں جھانکنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے معذرت کے ارادے سے گہرا سانس لے کر سر اٹھایا تھا کہ ساس جی پھر بول اٹھیں......

"اگر اب گھر جا کر میری فروا سے کوئی اول فول بکنے کا ارادہ ہے تو میری فروا کو خاموشی سے میرے گھر چھوڑ جاؤ، بھاری نہیں ہے مجھ پہ میری بیٹی!"

وہ کہہ تو رہی تھیں ایسا، مگر یہ اور بات کہ دل ایسا کہتے دائیں، بائیں لرز رہا تھا۔

اور دل تو فراز کا بھی دھڑک اٹھا تھا پوری رفتار سے۔ ساس کے آخری جملوں پر۔ جو بھی تھا۔ وہ کچھ ایسا ویسا تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ عمل کرنا تو دور کی بات تھی۔

"معذرت چاہتا ہوں، میں ہی غلط تھا۔" اس نے دھیرے سے کہا واپسی کے لیے پلٹا، مگر راستے میں ساس اور سالی اس تیزی سے حائل ہوئیں کہ وہ حیران پریشان رہ گیا۔

"ارے، ارے، اب ہم اتنے بھی برے نہیں ہیں کہ گھر کے اکلوتے داماد کو اپنے گھر سے یوں سوکھے منہ جانے دیں۔ بیٹھو بیٹا! مگر میں پہلے اس فریا کی مرمت کردوں۔ گھنٹہ بھر ہونے کو آیا ہے مگر اتنی توفیق نہیں ہورہی کہ مہمان کے لیے کچھ انتظام کردے۔ لگتا ہے کتابوں نے اس کی ساری عقل ہی چاٹ لی ہے۔ میری فروا ہوتی ناں اس کی جگہ تو اب تک کب کی، بغیر کہے ہی سب انتظام کردیتی۔"

فریا ماں کو دوسری دفعہ اپنی طرف لپکتے دیکھ کر جان گئی تھی کہ اب کے امی نہیں ٹلنے والی۔ اسی لیے غڑاپ سے چھوٹے سے باورچی خانے میں غائب ہوگئی اور اماں مسکرا کر فراز کو لیے اندر بڑھ گئیں۔

فراز بھی مسکرا رہا تھا، ایک دم ہلکا پھلکا ہو کر، جی ہاں!

☆☆

ناولٹ

کرن نے دوپٹہ اوڑھ کر خود کو پھر سے شیشے میں دیکھا تاکہ تیاری میں کمی بیشی دور کر سکے۔ لپ اسٹک کا رنگ کچھ گہرا لگا تو لبوں میں ٹشو دبا کر کچھ لپ اسٹک اتار دی۔ کھلتے رنگ کا سوٹ اس کی شفاف چمکیلی جلد کو اور نمایاں کر رہا تھا۔ تیاری سے مطمئن ہو کر اس نے الماری کو تالا لگایا۔ چابی سوٹ کے ہم رنگ کلچ میں رکھی اور باہر نکل آئی۔ اس کی توقع کے عین مطابق دونوں بچے نہ صحن میں تھے نہ برآمدے میں، دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بڑے کمرے کی طرف قدم بڑھا دیے اور پھر دونوں بہن بھائی اس کے خدشے کے عین مطابق پھوپھو کی گود میں گھسے ہوئے تھے۔

''لائبہ! اسامہ! جلدی سے پھوپھو کو اللہ حافظ بولو، پھر ہم چلیں۔ چھوٹے ماموں لینے آ گئے۔ گاڑی کا ہارن بجا ہے۔''

''ہم نے نہیں جانا نانو کے گھر، نانو گندی ہے ماموں مارتے ہیں نانا ابو ڈانٹتے ہیں۔ وہاں ہمیں کوئی پیار نہیں کرتا۔ ہم نے اپنے گھر میں ہی رہنا ہے تم جاؤ۔''

کرن کا خون غصے سے ابلنے لگا لیکن لہجہ اس

شمائلہ دلعباد

سسرال گیندا پھول

نے نرم رکھ کر تنبیہہ کرنی چاہی۔

"بڑوں کو تم نہیں کہتے۔ آپ کہتے ہیں اور نانو کے گھر میں سب ہی تو پیار کرتے ہیں بیٹا!"

حسب توقع لائبہ نے اس کی نصیحت کو اپنے مطابق لے کر مذاق اڑانا شروع کر دیا۔

"مما تم، تم، تم مما تم تم تم"

اس کی دیکھا دیکھی تین سالہ اسامہ نے بھی تم تم کی گردان شروع کر دی۔ اب وہ سارے دبی دبی طنزیہ مسکراہٹ سے کرن کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں۔۔۔۔ اب سناؤ؟؟

"لائبہ بھاگ کے دادی کی گود میں چھپ جاؤ تمہاری ماما بس اب تمہیں مارنے والی ہے۔"

سب سے چھوٹی نند کی گوہر افشانی پر بیٹھک کشت زعفران زار بن گئی۔ ساس، سسر، دیور، نندیں اور ان کے اپنے بچے اس پر ہنس رہے تھے۔ کرن کے گلے میں آنسو پھنسنے لگے۔ اسے صبح سے یہ ہی ڈر تھا اسی لیے تو صبح سے ہی لائبہ کو سب سے چوری چوری گود میں لے کر پکا کرتی رہی تھی کہ آج نانو کے گھر جانا ہے۔ بڑے ماموں، ممانی اور ان کے بچے کراچی سے آ رہے ہیں۔ خالہ بھی آئیں گی بہت سارے لوگ ہوں گے مزے کا کھانا ہوگا۔ ہم بہت انجوائے کریں گے۔ لائبہ مسلسل اس کی ہاں میں ہاں بھی ملاتی رہی تھی لیکن تیاری کے بعد جوں ہی پھوپھو اور دادی کے پاس گئے تو نتیجہ اس کے سامنے تھا۔

"بڑوں کو آپ نہیں تم کہتے ہیں۔ بڑوں کو آپ نہیں تم کہتے ہیں۔" لائبہ دادی کی گود میں بیٹھ کر اسے مسلسل چڑا رہی تھی۔ کرن سے برداشت نہ ہوا تو اس نے ساس کے پاس جا کر اپنے ہاتھوں سے کی گئی اپنی بیٹی کی پونی ہی نوچ ڈالی۔

یہی وقت تھا کہ آفتاب بھی گھر آ گیا بچوں نے اسے دیکھ کر شور مچانا شروع کر دیا۔ "بابا! ماما مار رہی ہے۔" آفتاب نے ماں کی گود سے بیٹی کو اٹھالیا۔

"میری گڑیا کو ماما کیوں مار رہی ہے؟"

"ارے وہی آنے جانے کا مسئلہ۔ جب بچے نانی کے گھر جا کر خوش نہیں تو زبردستی کا ہے کو لے کے جاتی ہے۔ جب بھی یہ بچوں کو مارتی ہے، میرے کلیجے پر ہاتھ پڑتا ہے۔ طیبہ تو اندر جا کر رو پڑی ہے کہ لائبہ کو مارا ہے۔ آفتاب! بچے پیار کے بھوکے ہوتے ہیں وہاں ان سے کوئی پیار ہی نہیں کرتا تو بچے کیا کرنے جائیں۔ یہاں ہم سارے ان پر جان چھڑکتے ہیں ہماری تو جان ہے ان میں۔"

"بڑے بھائی! آپ کے بچے آپ سے زیادہ ہمیں پیارے لگتے ہیں۔ پہلے جتنا پیار ہم آپ سے کرتے تھے نا، اب آپ سے دوگنا ہم لوگ ان سے کرتے ہیں۔"

نند اور ساس نے چٹاخ چٹاخ دونوں بچوں کو پیار کرنا شروع کر دیا تو کرن کی جذباتی فطرت ان کی چالاکی پر مزید بھڑک اٹھی۔

"پتا ہے مجھے جتنا پیار تم لوگ کرتے ہو، میں سب جانتی ہوں، یہ دکھاوے کس لیے ہو رہے ہیں۔"

میدان سجتا دیکھ کر ابھی ابھی دفتر سے واپس آیا آفتاب بھی بھنا گیا۔

"بس کر دو کرن! اگر بچے تمہاری اماں کے گھر نہیں جائیں گے تو کون سی قیامت آ جائے گی؟ ان کے گھر بہت سے بچے ہیں ان کا بچوں کا شوق پورا ہو چکا ہے تب ہی ہمارے بچوں سے سختی کرتے ہیں اگر پیار کرتے تو بچے خود ہی بھاگ بھاگ کر جایا کرتے۔"

اس کی بھری آنکھیں دیکھ کر آفتاب نے باقی تقریر دل میں دبائی اور دادی کی گود میں بیٹھے اپنے بچوں سے پوچھا۔۔۔ "ماما کے ساتھ نانو کے گھر جانا ہے؟"

"نہیں۔۔۔۔" دونوں نے یک زبان ہو کر انکار کر دیا تو بھاری دل کے ساتھ سب کو اللہ حافظ کہہ کر کرن گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ تجمل کی گاڑی کا ہارن وہ سن چکی تھی ویسے بھی دفتر سے واپسی پر وہ تھکا

ہونے کے سبب۔ اسے بیرونی گیٹ سے پک کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔

فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھی تو جبل نے اس کی سرخ آنکھیں دیکھتے ہی جان لیا ہمیشہ کی طرح رو کر ہی نکلی ہے۔

"روایت نہ توڑنا تم، جب بھی تمہیں لینے آؤں یا تم روتی ہوئی گاڑی میں بیٹھتی ہو یا تمہارے بچے۔"

کرن بھائی کی بیچ بیانی پر بے دلی سے مسکرا دی کہ ہوتا ایسا ہی تھا بچوں کو نانی کے گھر جانا پسند نہیں تھا تو تیار ہو کر عین موقعے پر جانے سے انکار کر دیا کرتے جیسے آج کیا تھا اور پھر کرن دونوں کو تھپڑ لگا کر کھینچ کھانچ کر گاڑی میں بٹھائی تو وہ دونوں روتے ہوئے نانو کے گھر پہنچا کرتے۔ چند گھنٹوں بعد اسے واپس آنا پڑتا اور آتے ہی دادی اور پھوپھو وغیرہ کے لاڈ شروع ہو جاتے۔ آج وہ نہیں تو خود کرن بھری آنکھوں کے ساتھ بھائی کے برابر بیٹھی تھی۔

☆☆☆

کرن میکے میں سارے بہن بھائیوں سے چھوٹی تھی جب بڑے بھیا کی شادی ہوئی تو بمشکل گیارہ سال کی ہوگی۔ بڑے بھیا کے بعد بالترتیب باقی بہن بھائیوں کے گھر آباد ہوتے گئے لیکن کرن کی بار اماں نے ترتیب بدل ڈالی۔ جبل کرن سے بڑا تھا پر اماں نے پہلے کرن کی شادی کرنے کا عندیہ دے دیا۔ اس کے سارے احتجاج پس پشت کر کے بی ایس کے فائنل ایئر میں رشتہ ڈھونڈو مہم شروع کر دی گئی۔

ابا کی تائی کے توسط سے آفتاب کا پہلا رشتہ آیا تو کسی کو انکار کرنے کی وجہ ہی نہ ملی۔ صرف بڑی بھابھی نے ایک دو بار کہا کہ کوئی اور بھی دیکھ لیتے ہیں کیا پتا آفتاب سے اچھی آپشن مل جائے لیکن اماں ابا نے ان کی بات کو اہمیت نہ دی تو باقی کسی نے کیا دینی تھی۔

اماں کے پاس سب سے بڑا جواز تھا کہ دونوں میں عمر کا تفاوت نہ ہونے کے برابر ہے۔ کرن بیس اکیس سال کی ہے تو آفتاب بمشکل چوبیس کا، یوں ذہنی ہم آہنگی ہونے میں دشواری نہیں ہوگی۔ ابا کو کے پاس پلس پوائنٹ یہ تھا کہ پڑھائی میں خود کو ضائع نہیں کیا۔ لڑکا سمجھدار نکلا ایف اے کے بعد اپنی زمین داری کا فائدہ اٹھا کر آڑھت مارکیٹ میں نوکری کر لی۔ اجناس کی خرید و فروخت سے تنخواہ دار سے دو گنا کماتا ہے۔

"لیکن وہ گھر کا سب سے بڑا بیٹا ہے اس لحاظ سے کرن کے لیے مشکل ہوگی بڑی بہو، بڑا بیٹا میرا مطلب ہے کہ......"

بڑی بھابھی کے اس اعتراض کو سب نے خود پر تنقید ہی جانا۔ خاص کر اماں نے جن نظروں سے بڑی بھابھی کو دیکھا تھا، کرن کو آج بھی یاد تھیں۔

بڑے بھیا نے ماں کا موڈ دیکھ کر بیوی کو آنکھ سے اشارہ کر دیا تھا یوں ایک ننھا سا اعتراض اپنی موت آپ مر گیا اور کرن کی بی ایس سی کے امتحانات کے بعد شادی طے پا گئی۔ "شادی جلدی کرنی ہے اس لیے منگنی کے تکلفات کی ضرورت نہیں۔" ابا کے بیان کو آفتاب کی ماں اور بہنوں نے خاطر میں نہ رکھا، وہ ہر پندرہ دن بعد کسی رشتے دار کو لے کر آتیں تو ساتھ ڈھیر ساری کرن کی چیزیں بھی ہوتی تھیں۔ کپڑے، جوتے، جیولری کے ساتھ ہم رنگ لپ اسٹک اور چوڑیاں تو لازمی ہوتیں۔

ان کے ہر چکر کے بعد سب بڑی بھابھی کو گہری نظر سے ضرور دیکھتے کہ اب کہو۔۔۔

کرن کی بڑی بہنیں تو اس کے سسرال سے آئے قسم قسم کے کپڑوں، جوتوں پر ہی فدا رہتی تھیں۔ آفتاب کے گھر والوں کو آفتاب کی شادی کا شوق و ولولہ ہی اتنا تھا کہ دوسری گلی والوں کو بھی ان کا جوش و خروش نظر آتا تھا۔

کرن تھی تو نرم و نازک احساسات والی الہڑ لڑکی، جلد ہی اپنے سابقہ رویے سے تائب ہو کر آفتاب اور اس نئے گھر کے سپنوں میں ڈوب گئی۔

اُسے امتحان اب بوجھ لگ رہے تھے جیتے ہی بوجھ سر سے اترا آفتاب بینڈ باجے کے ساتھ اس کی ڈولی لینے آپہنچا۔

شادی میں شامل مہمانوں کو بھی نظر آرہا تھا کہ لڑکے والوں کو لڑکے کی شادی کا کتنا چاؤ ہے۔ گھر کی پہلی شادی کی وجہ سے ان لوگوں نے دل کھول کر پیسہ لگایا اور شاہی انتظامات کیے جبکہ کرن سے پہلے اس کے بہن بھائیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں تو ظاہری بات تھی ان کی طرف لڑکے والوں جیسا جوش وخروش مفقود تھا۔ گو کہ سارے انتظامات بہترین تھے پر پھر بھی لڑکے والوں سے کہیں نہ کہیں دبے دبے ضرور لگے تھے۔

کرن کی سہیلیاں بھی دولہا بھائی کے بہن بھائیوں کی شاہ خرچیوں سے شدید متاثر ہوئی تھیں۔ ان کے متاثر ہونے کے بعد کرن کا سر فخر سے کچھ اور اونچا ہو گیا تھا۔ اسے اپنی خوش بختی پر اب کوئی شک و شبہ نہیں تھا لیکن اگلی ہی صبح اس کی خوش قسمتی اور فخر گھر کے مشترکہ کے غسل خانے میں ڈھل گئے۔ حقیقی زندگی رنگین نہیں صرف سیاہ و سفید تھی جب کہ اس کی چوائس تو ہمیشہ سے اجلے، چمکیلے اور آنکھوں کو دور سے نظر آتے رنگ رہے تھے۔

"کرن بیٹی! گھر میں جوان لڑکیاں ہیں، اس لیے صبح اذان سے پہلے اٹھ کر واش روم سے فارغ ہوا کرو۔ ایک ہی واش روم ہے گھر کے افراد زیادہ ہیں لڑکے تو سارے صبح صبح نہانے کے عادی ہیں۔ غسل خانے کے باہر کھڑے ہو کر بہو بیٹی کا انتظار کرتے اچھے نہیں لگتے۔ اس لیے میری اور بچیوں کی عادت ہے گھر کے مردوں سے پہلے اٹھ کر فارغ ہو لیتی ہیں، تم بھی یہی عادت اپناؤ۔"

گھر میں اکا دکا مہمان موجود ہی تھے جب اسے ساس امی نے اپنے کمرے میں بلا کر پہلی ہدایت دی۔ اس نے بھرپور آمادگی سے سر ہلا دیا لیکن یہ سب کتنا مشکل ثابت ہونے والا تھا۔ یہ اسے بعد میں اندازہ ہوا تھا۔

"اور ہاں جہیز میں جو اتنا خوب صورت قرآن لائی ہو وہ بھی کھولا کرو، خرید کے بند کر کے رکھنے سے گناہ ہی ہوتا ہوگا۔ ایسا کرو، وہ بھی میرے اور لڑکیوں کے کمرے میں ہی رکھ لو۔ میں تو تہجد کے بعد سوتی ہی نہیں ذکر اور وظائف کرتی ہوں۔ تم بھی ادھر ہی آکر بیٹھ کر پڑھا کرو، دونوں پڑھیں گے تو گھر میں برکت و اتفاق قائم رہے گا۔"

کرن کو شادی کے اگلے ہفتے ہی پتا چل گیا کہ ساس، برکت اور اتفاق صرف اپنی اولاد میں چاہتی ہیں۔ کرن باہر والی ہے اس لیے آفتاب کا اور اس کا اتفاق سے رہنا قطعاً ضروری نہیں اس مقصد کے لیے وہ آفتاب کو بھرپور طریقے سے سسرال اور بیوی کے نادیدہ عیب بھی دکھانے لگی تھیں۔

کرن ذہین اور سمجھ دار لڑکی ہونے کے ساتھ ساتھ بھرے پرے گھر سے آئی تھی ایسے گھر سے جہاں ساس اور بہوئیں بھی موجود تھیں، بہنیں بھی شادی شدہ تھیں اور ان کے سسرال کے بکھیڑے بھی۔ بھابیوں کو بھی اس کی ماں سے مسلے مسائل ہو جاتے تھے تو اس کی اماں کو بھی بہوؤں سے شکایت ہو جاتی تھی لیکن سب ایک دوسرے کا احترام کرتی تھیں اور منہ در منہ شکایتیں لگانے کا موقع بھی نہ آتا تھا۔ لیکن کرن کے سسرال میں اس کے گھر سے تو کیا اکثر گھروں سے الٹ ماحول تھا۔

☆☆☆

"بڑے بھائی! کیا کھا کر آئے ہو سسرال سے؟" یہ اس کی بڑی نند تھی جو اس کے اور آفتاب کے گھر واپس آنے پر پوچھ رہی تھی۔

"لو بھلا کون سا پہلا یا اکلوتا جوائی ہے جو سات رنگ کے کھانے بنائیں گے، خوامخواہ بھائی، بھابی کو شرمندہ نہ کیا کرو۔" کرن ہکا بکا رہ گئی کہ شرمندہ بھی ہونا ہے۔

"نہیں امی! بہت اچھا کھانا کھا کر آئے ہیں، بریانی، قورمہ، مٹھائی فروٹ سب تھا۔"

"سب مطلب کیا؟ باربی کیو، افغانی پلاؤ، مٹن

Scanned with CamScanner

روسٹ؟" اب کے چھوٹا دیور بھی شامل ہوا تھا۔ کرن کو اندازہ ہوا اب واقعی وہ شرمندہ ہو رہی ہے، نا صرف وہ بلکہ آفتاب کے چہرے کا رنگ بھی بدل گیا تھا۔"

"میں نے کہا بھی ہے، بڑے بھائی کو تنگ نہ کرو پھر بھی شروع ہو گئے تم لوگ، یہ سب تو ان گھروں میں ہوتا ہے جہاں داماد اکلوتا ہو یا پھر پہلا، کرن کے تو پہلے ہی دو بہنوئی ہیں، ان کی خدمتیں کر کے سارے چاؤ چونچلے ختم ہو گئے ہوں گے۔"

"نہیں امی! ایسی کوئی بات نہیں، آفتاب کی اپنی جگہ ہے ویسے بھی سب سے چھوٹی ہونے کی وجہ سے مجھے گھر میں سب لوگ زیادہ پیار کرتے ہیں، اسی وجہ سے سب کو آفتاب سے بھی زیادہ لگاؤ ہے۔"

"لو وہ تو شادی میں بھی نظر آ رہا تھا، کتنا کرتے ہیں مووی لگا کر دیکھیں بھابھی! پھر پتا چلے گا پیار کسے کہتے ہیں۔ سارے انتظامات ہم نے بڑے بھائی کے شان شایان کیے تھے بری دیکھی ہے نا، آپ کی طرف سب کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں ان ہی چیزوں سے پیار اور اہمیت کا پتا چل جاتا ہے۔" چھوٹی نند کی گوہر افشانی پر ساس نے پھر سے لاڈ بھری سرزنش کی۔

"نہ کر طیبہ! بتایا تو ہے کرن سب سے چھوٹی ہے ایسے چاؤ، ولاڈ تو بڑوں کے حصے میں ہی آتے ہیں۔ آفتاب تم لوگوں کا بڑا بھائی ہے۔ میرا جیٹھا اور لاڈلا بیٹا ہے میری بات کان کھول کر سن لو، بھائی کے آگے کبھی سر نہ اٹھانا، باپ کی جگہ ہے کبھی جو اس کی عزت میں کمی کی تو میری قبر بھی نہ بخشے گی۔"

کرن نے بہت جلد جان لیا، چھوٹے دونوں دیور کام چور اور پڑھائی کے بہانے بناتے اور نندیں خاندان کی دوسری لڑکیوں کے مقابلے میں دوگنا جہیز جمع کرنے کی شوقین ہیں۔ سسر سادہ مزاج شخص ہے اور ساس ضرورت سے زیادہ چالاک، اس لیے سارے گھر اور باقی اولاد کی خاطر وہ آفتاب کو صرف بیٹا اور بھائی بنا کر رکھنا چاہتی ہیں۔

شوہر بنا دیکھنے کا مطلب تھا کہ کرن کو شہ دی جائے، جب تک سارے بچے ٹھکانے نہ لگ جاتے وہ کرن کو کسی صورت آفتاب پورا نہیں سونپ سکتی تھیں۔ اسی لیے وہ عام ساسوں کے برعکس تھیں۔ وہ بھی بیٹے سے اکیلے بیٹھ کر اس کی بیوی یا سسرال کی برائی نہ کرتیں بلکہ اکیلے تعریف کرتیں، ہمدردی دکھاتیں لیکن کرن کے سامنے وہ بیٹے کا ذہن بالکل اسی طرف لگا دیتیں جو وہ چاہتیں۔

کرن کمرے میں آفتاب سے لڑتی تو دیواروں سے کان لگا کر سنتی ساس، اگلی صبح کرن کو انگاروں پر لٹا دیتیں اور بیٹا مزید قبضے میں کر لیتیں۔ پھر دونوں ماں بیٹے کی فاتحانہ نظریں اسے اندر سے کاٹ ڈالتیں۔ میکے میں اپنی ٹینشن بتاتی تو سارے کہتے۔ "وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ذرا باقی لوگوں کی شادی ہو لینے دو۔"

وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کہتی۔ "میری ساس اب دوسرے بیٹے کی شادی تو ہرگز نہیں کریں گی۔ آفتاب کی پتہ نہیں کیسے کر دی۔"

رات کو گیارہ بجے ساس اور نندوں کے کمرے سے وہ ڈھیٹ بن کر اٹھ کر آنے لگی تھی جس پر نندوں کے تیور خاصے بدل گئے تھے۔ سسر اکیلے بیرونی پھاٹک کے ساتھ بنے ڈرائنگ روم میں ہوتے تھے تو وہ رات کا کھانا کھاتے ہی سونے کے لیے چلے جاتے۔ دونوں دیور ایک ہی کمرہ شیئر کرتے تھے جبکہ ساس اور نندیں ایک کمرے میں رہتی تھیں۔ یہ گھر کا سب سے بڑا کمرہ تھا جو بیٹھک کے نام سے مشہور تھا جب سے شادی ہوئی تھی آفتاب رات بارہ بجے تک ماں اور بہنوں کے پاس وہیں بیٹھا رہتا۔

پہلے پہل تو وہ بھی خود پر جبر کر کے بیٹھ جاتی تھی، آخر نیند کے ہاتھوں تنگ ہو کر وہ اب اٹھ آتی تھی کیونکہ صبح اذان کے وقت پھر اسے اٹھ کر ساس کے ساتھ نماز اور تلاوت اسی کمرے میں جا کر کرنی ہوتی تھی۔ اس کی نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے سارا دن بخار جیسی کیفیت لگی تھی۔ سر درد بھی ہو جاتا تھا۔

اسی لیے وہ اب کبھی کبھار تھوڑی بے حس ہو کر جلدی اٹھ آتی تھی۔

"آپ کی اماں کو آپ کی ابھی شادی نہیں کرنی چاہیے تھی ماماز بوائے شادی جیسا تعلق بہتر نہیں نبھا سکتے کیونکہ ان کی اماں انہیں خود مختار یا شوہر تو بننے ہی نہیں دیتی۔"

بارہ کے بعد وہ واپس آیا تو پیٹ کے درد سے لڑتی کرن ایک بار پھر سے تنگ ہو چکی تھی۔ یا تو وہ اس کے آنے سے پہلے سو جایا کرتی یا سونے کی ایکٹنگ کرتی تھی اس طرح روز رات کو ان کے درمیان تلخیاں پنپ رہی تھیں۔ آج سوئی نہیں تو پیٹ درد نے کمی پوری کر دی تھی۔

"کرن! تم کس قدر حاسد لڑکی ہو ہر وقت میری امی سے بدگمان، میری بہنوں سے تنگ، میرے بھائیوں سے نالاں۔ ایک وہ لوگ ہیں ،انہوں نے کبھی تمہارے خلاف بات نہیں کی۔ ہمیشہ تعریف کرتے ہیں۔ ایک تم ہو تنہائی ملتے ہی چغلیاں اور غیبت سیشن شروع کر دیتی ہو۔ ان کے پاس اکیلے بیٹھوں تو ہزار باتیں، قہقہے اور تمہارے پاس بیٹھوں تو صرف شکایتیں۔"

"رات بارہ بجے کے بعد سو کر اذان کے وقت پھر ان کے کمرے میں بھاگوں تاکہ ان کے ساتھ نماز ادا کی جا سکے، آپ کو یہ آسان لگتا ہے۔ چار گھنٹوں کی نیند اس کے بعد سارا دن کمرے میں قدم نہیں رکھ سکتی کہ بڑی بہو ہوں۔ میرا بیڈروم تمہاری بہنوں کے قبضے میں تاکہ وہ ڈرامہ یا فلم دیکھ لیں۔ میں خاموش نہیں رہ سکتی کیونکہ بڑی بہو ہوں، میری خاموشی کا مطلب میں نے منہ بنایا ہوا ہے۔ اوٹ پٹانگ بولتے ہی رہنا چاہیے بس، دن میں بیس بار مجھے یاد دلایا جاتا ہے کہ بڑی بہو اچھی ہو تو گھر جڑا رہتا ہے ورنہ شیرازہ بکھر جاتا ہے۔"

آفتاب نے کھٹاک سے ہاتھ اس کے سامنے جوڑے اور سونے کے لیے کروٹ بدل لی، اگلے دن اسے رات میں کی گئی باتوں کے جواب سب کے سامنے سنا دیے گئے اور اُسے پتا چل گیا کہ ان کی باتیں بھی سنی جاتی ہیں۔

"گاؤں سے زرینہ کا فون آیا تھا پہلے تو گلہ کیا کہ تیری شادی میں انہیں کیوں نہ بلایا پھر کہنے لگی، آفتاب کی شادی اتنی جلدی کیوں کر دی۔ پہلے بیٹیوں کی کرتی آفتاب کے ہم عمر تو ابھی پڑھائی کر رہے ہیں۔ میں نے کہا۔ زرینہ میں بڑی انصاف پسند ماں ہوں۔ کماؤ بیٹے کی شادی اس لیے نہیں روک سکتی تھی کہ پہلے لڑکیوں کی کروں، مجھے اپنے بچے کی شادی کا شوق ہی بہت تھا۔ خوامخواہ بیٹے کو بوڑھا کرنا مجھے نہیں پسند۔ اس عمر میں شادی کریں تو خود بھی جوان ہوگا۔ اولاد بھی جوان ہو جائے گی۔ ایسا دیکھ کر سب سے زیادہ خوشی مجھے ہی ہوگی اگر زندہ رہی تو۔"

☆☆☆

"آفتاب کو حقیقت نظر ہی نہیں آتی کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ پیار کے نام پر اور بڑے بھیا ہونے کی وجہ سے۔ سب سے زیادہ غصہ مجھے اس وقت آتا ہے جب وہ کہتا ہے امی اور سب لوگ میرے اکھڑ ہونے کے باوجود مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں میری عزت کرتے ہیں کیونکہ میں آفتاب واللہ کی بیوی ہوں۔" کرن چھلہ کرنے کے لیے مستقل میکے شفٹ ہو چکی تھی۔ اب ماں اور بہنوں کے ساتھ سسرالی مسائل کھل کر شیئر کرتی تھی۔

"کرن! کوئی عقل کا ہاتھ پکڑو اگر تمہاری ساس نندیں ایسی ہیں تو تم کون سا کم ہو ہمیشہ ان کی امیدوں پر پورا اترتی ہو۔ ہر مہینے ان پر رعب ڈالنے کو آ جاتی ہو بجل کی آدھی تنخواہ تمہاری واپسی پر لگ جاتی ہے سال پہلے تو اتنا جہیز دیا ہے، ابھی تو وہ ساری چیزیں پڑی ہوئی ہیں۔ تم نئی شاپنگ کر کر کے ان کا گھر بھری جا رہی ہو۔"

"آپی! میں کیا کروں جب بھی میکے سے واپس جاؤں مڑ کے سے آفتاب کے سامنے پوچھتی ہیں کیا دیا میکے والوں نے؟ وہ گاؤں سے پہلے شہر

شفٹ ہو گئے ہیں رہتے ابھی بھی گاؤں کے شریکے میں ہیں۔"

"اب گاؤں پر نہ شروع ہو جانا قصور تمہارا اپنا ہے اوور سینسیٹو ہو کر سسرال میں نہیں بسا جاتا۔"

"آپی آپ کو اپنا وقت بھول گیا ہے جو مجھے اوور سینسیٹو ہونے کے طعنے دے رہی ہیں۔ بڑی بھابھی کے ساتھ آپ اور اماں بھی یہی کیا کرتی تھیں جب ہی وہ اکیلی اس رشتے کی مخالفت کر رہی تھیں کیونکہ انہیں پتا ہے بڑی بہو بننا کتنا عذاب ہے۔ ان لوگوں نے آفتاب کے دماغ میں یہی تو بھرا ہے کہ بڑوں کی شادیاں کرتے اور رشتے نبھاتے ہمارے گھر والوں کی ہمت جواب دے چکی ہے۔ میں تو یونہی نامناسب سے انتظام کے ساتھ بیاہ دی گئی ہوں کیونکہ چھوٹی ہوں آفتاب بھی چھوٹا داماد ہے اس لیے اس کے حصے میں بھی وہ والی عزت و توقیر نہیں آئی جو آپ لوگوں کے میاں کی تھی۔"

"وہ جو مرضی سمجھتے رہیں، تم پرواہ ہی کیوں کرتی ہو؟"

اب چھوٹی بھابھی اور ماں بہنیں ساری ایک طرف تھیں اور اسے ڈھیٹ ہونے کی پریکٹس کرنے کا کہہ رہی تھیں۔

"کیسے ڈھیٹ ہوا جائے جب گھر میں نند کی شادی کی تیاری چل رہی ہو۔ ساس ہر وقت اپنے بچوں سے یہی کہتی پائی جاتی ہو کہ داماد کی عزت فرض ہے غیر خاندانی لوگوں کی طرح نہیں کہ داماد اور عام مہمان میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ جب بھی وہ "عام مہمان" کہتی ہیں ساتھ ہی میرا بچہ کہہ کر ٹھنڈی آہ بھرتی ہیں کہ کسی نے داماد ہونے کے ناز نہیں اٹھائے۔ آفتاب میری دوائیاں بھول جاتا ہے بہن کے سسرال کو ماں کے مطابق پروٹوکول دینے کے چکر میں پھنسا رہتا ہے۔

"وہ ایسی عورت ہے جو بیٹوں پر ایک دھیلا لگا کر راضی نہیں لیکن بیٹی کے سسرال اور داماد کے نام پر کل جمع پونجی لٹا رہی ہے یہی کچھ وہ مجھ سے چاہتی ہے اگر شاپنگ کر کے نہیں جاتی ہوں تو آفتاب کے سامنے بھی بات ہوتی ہے کہ مجھ سے کوئی پیار نہیں کرتا۔ وہ اپنی بیٹی سے کرتی ہیں اور آفتاب اپنی بہن سے پیار کرتا ہے تب ہی تو بے دریغ پیسہ خرچ کر رہا ہے خرچے سے پیار کا پتا چلتا ہے وغیرہ وغیرہ، میرا دماغ پھٹنے والا ہو جاتا ہے۔"

"ایسی حالت میں ٹینشن نہیں لیتے۔" سب اسے تسلی دیتیں اور ہمت بڑھاتے۔

"دیکھو بیٹا! تمہارے ابو یا بھائیوں کو بتائیں تو وہ کہتے ہیں کوئی ایسی قابل گرفت بات نہیں ہے جس پر کرن کے سسرال میں جا کر عدالت سجائی جائے، زبانی کلامی ان کی آپس کی باتیں ہیں، تمہیں ڈائریکٹ تو کوئی کچھ کہتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے تم بھی زیادہ سوچنا بند کر دو، سسرال والے ایسے ہی ہوتے ہیں جگہ بنانے میں وقت لگتا ہے۔"

"میری تو کبھی نہیں بنے گی، آفتاب یہاں آنا چھوڑ چکا ہے کیونکہ اس کی امی نے غیر محسوس طریقے سے اسے آپ سب سے بدظن کر دیا ہے۔ وہ سمجھتا ہے اس کے آنے نہ آنے سے آپ لوگوں کو فرق نہیں پڑتا کیونکہ آپ کے سارے ارمان بڑے دامادوں کی وجہ سے پورے ہو چکے ہیں۔ بچے کو وہ اٹھایا نہیں کرے گا کیونکہ اس کی ماں کہے گی مرد بچے نہیں پالتے یہ عورتوں کا کام ہے۔"

"توبہ ہے کرن! کس قدر بدگمان ہو چکی ہو۔" سب ہی اس کی بات پر مسکرائی تھیں۔

"اڑا لو میرے مسائل کا مذاق، پہلے میں بھگت رہی ہوں، اب میرا بچہ بھی بھگتنے آ رہا ہے۔ مجھے تو شادی کرنی ہی نہیں تھی۔ اس گھر میں کسی تیسرے کی گنجائش ہی نہیں ہے، میری ساس کو صرف بیٹیوں کا فرسٹ کلاس اور بہت زیادہ جہیز بنانا ہے اور اپنے سمدھیانے پر بے تحاشا رعب جمانا ہے۔ ایسے میں انہیں یہ بچہ بوجھ بڑھانے والا ہی لگتا ہے جس پر آفتاب کی کمائی کا کچھ حصہ خرچ ہوا کرے گا جب کہ اس کی کمائی کی ہی وجہ سے تو اسے حصار میں رکھا ہوا

ہے۔ وہ کبھی بھی بچے اور باپ کی بونڈنگ نہیں بننے دیں گی، کیونکہ انہیں ڈر ہے کہ آفتاب اپنی فیملی میں انوالو ہوا تو بہن بھائیوں کی ذمہ داری سے ہاتھ اٹھا لے گا۔"

"ضروری نہیں ہے جیسا تم سوچتی ہو، ویسا ہی ہو، ہر وقت ان کے بارے میں بدگمان رہتی ہو۔ اس حالت میں اللہ کو زیادہ یاد کیا کرو۔"

ساری خواتین اسے باجماعت مشورہ دے کر اٹھ گئیں۔ پھر وقت نے بتایا کہ جو وہ سوچ رہی تھی اس کی ساس اور نندوں نے اس کی سوچ سے ایک سو اسی ڈگری کا ٹرن مارا تھا۔ لائبہ کے دنیا میں آنے کے بعد اس کے سارے خدشے غلط ثابت ہوئے تھے۔ گیم اس کی سوچ کے بالکل الٹ گئی تھی۔

☆☆☆

ساس نے پوتی اٹھا کر سب سے پہلے دی ہی بیٹے کی گود میں تھی۔ وہ سارے اس قدر پرجوش تھے کہ آس پاس والے بھی کرن کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ اعلا سے اعلا چیزوں اور کھلونوں کے ڈھیر سے اسپتال کا کمرہ بھر دیا گیا۔ وہ سارا خاندان کرن کے بجائے آفتاب کو زچہ بنائے ہوئے تھا۔

بڑے بھائی! تمہاری بیٹی کی ناک ایسی، بڑے بھائی تمہاری بیٹی نے ایک آنکھ کھولی ہے، بڑے بھائی تمہاری شہزادی اس دنیا کی ہے ہی نہیں۔"

کرن کے میکے والی خواتین نے اسے جتاتی نظروں سے دیکھا کہ "اب بتاؤ تم تو کہہ رہی تھیں، یہ لوگ آفتاب اور بے بی کی بونڈنگ نہیں بننے دیں گے یہ تو زچہ بھی آفتاب کو بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔" کرن بے بسی سے نظر ہی گھما سکی تھی۔

"بڑے بھیا! ہم لائبہ کو اپنے گھر ہی لے جاتے ہیں۔" طیبہ نے نہایت جوش سے بھائی، ماں اور پھر بھابھی کی طرف دیکھا۔ آفتاب بیٹی کو گود میں لیے بہن کی فرمائش پر چمکیلی آنکھوں سے مسکرا دیا۔

"بہن جی! وہ آپ کے گھر میں تو پہلے سے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہیں تو آپ کو شاید اتنی خوشی نہ ہو بلکہ ہم سب تو آپ کو پاگل لگ رہے ہوں گے۔" کرن کی ساس اپنی بات پر خود ہی ہنسیں۔

"لیکن وہ کیا ہے نا کہ ہمارے گھر کا تو پہلا بچہ ہے ہمارے تو چاؤ و لاڈ ہی اب شروع ہوئے ہیں اس لیے میں تو کہتی ہوں چھوڑیں رسم و رواج ہم کرن اور لائبہ کو ہسپتال سے سیدھے اپنے گھر نہ لے جائیں۔"

کرن کے ابا نے ان کا جوش و خروش دیکھ کر اجازت دے دی یوں کرن کے بچوں پر سسرالی قبضے کا آغاز ہوا تھا۔ یہ قبضہ اگر بچوں سے پیار کی وجہ سے ہوتا تو اسے دل و جاں سے قبول تھا لیکن یہ غضب کی منافقت اس لئے اپنائی گئی کہ "بڑے بھیا" کولہو کے بیل کی طرح ان کے حصے کا بھی کام کرتے جائیں اور اپنی جیب میں اپنی بیوی اور بچے کے لئے پھوٹی کوڑی نہ رکھیں۔ یہ ایسی جذباتی بلیک میلنگ تھی جو کرن کا رات دن خون چوستی تھی کہ ایک جیتے جاگتے انسان کو صرف ایک "بڑا بھائی" کے لقب اور منہ دکھاوے کی عزت و پیار سے بے وقوف بنا کے رکھا ہوا ہے۔ اسے اس سارے عمل کی سمجھ آ گئی تھی یہی بات ذہنی انتشار میں مبتلا کیے رکھتی تھی۔ اس نے جتنی بار ایکسپوز کرنا چاہا اتنی بار منہ کی کھائی اور ساس اور نندوں کی جتاتی نظریں برداشت کیں۔ وہ اب مان چکی تھی کہ اس کی ساس نندیں بہت ہٹ کر اسٹریٹجی بناتی ہیں...... جب وہ کھیل سمجھنے کے قابل ہوتی ہے تب تک ساری بازی ان کی طرف جا چکی ہوتی ہے۔ ایسے ہی خود سے ذہنی جنگ لڑتے وہ لائبہ کا فیڈر پکڑا آتی یا ڈائپر بدلا آتی کہ وہ صرف گود میں لے کر بیٹھنے والا پیار کرتی تھیں باقی ساری ذمہ داری کرن کی ہی تھی۔

بڑی نند کی شادی کی تاریخ طے ہوئی تو ایک مستقل ذہنی تشدد تھا جو اس پر رات دن ہوا، آفتاب کے سامنے ہوا اور اسے احساس تک نہیں ہوتا تھا کہ یہ باتیں جو میٹھے لہجے میں کی جا رہی ہیں میری بیوی کا کلیجہ چھلنی کرتی جا رہی ہیں، اسے صرف اتنا پتہ تھا کہ کرن کے بارے امی اور بہنیں بھی تنہائی میں اس کی

برین واشنگ نہیں کرتی تھیں جب کہ کرن کا تو روز کا وطیرہ تھا صرف شکایتیں اور اپنے رویئے سے تنہائی بھی خراب کر دیتی تھی۔ شادی والا گھر تھا جو بات بھی ہو رہی تھی ساتھ کرن کی شادی اور گھر والوں کا ذکر لازم تھا۔ غزل کچھ اس طرح چھیڑی جاتی۔

☆☆☆

"آفتاب بیٹا! ہمارے گھر تو پہلی لڑکی کی شادی ہے مناسب نہیں لگتا، کرن سے پہلے اس کی دونوں بہنوں کی ہو چکی تھی اس لیے اس کے میکے والوں نے ایسا نہیں کیا تو ضروری نہیں ہم بھی بچت کرنے کے لیے ان کے نقش قدم پر چلیں۔ جیسے کرن کا دل دکھا تھا میں ایسے ہی تمہاری بہن کا نہیں دکھانا چاہتی۔"

شادی کے بعد دعوت تھی تو تب کرن کے میکے کی طرح نہیں کرنی، ہمارا تو پہلا داماد ہے۔

کرن میکے اور اپنے دفاع کی بات کرتی تو وہ سب ہنس پڑتے جیسے کسی بے وقوف کی بات پر ہنسا جاتا ہے۔

"لو میری بیٹی تو برا ہی مان گئی کرن! میں نے تو بات برائے بات کی ہے کوئی برائی نہیں کی۔ اللہ تمہارا میکہ سلامت رکھے اتنا جذباتی نہ ہوا کرو ہم بھی تو تمہارے اپنے ہی ہیں یہ گھر تمہارا ہے۔ نند کا جتنا کرو گی اس کے سسرال میں تمہاری اور آفتاب کی ہی شان بنے گی۔

کرن کا دل کرتا دھاڑ کر کہے نہیں چاہیے مجھے یہ شان، جب میں اپنی پسند کا سوٹ نہیں خرید سکتی اپنے بچے کی چیزیں خود نہیں لے سکتی تو مجھے شان بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

نند کی شادی کے بعد حالات پہلے سے بھی بدتر ہو گئے کہ اب سسرال یہ کہہ کر بیٹی بلائی جاتی، شاپنگ کرنی ہے فلاں کی دعوت ہے وغیرہ وغیرہ۔ آفتاب سے کہا جاتا یہ ہے پیار، اس سے تمہاری بہن کی سسرال میں عزت بڑھ رہی ہے ان کو پتا چل رہا ہے ہم اپنی بیٹی سے کتنا پیار کرتے ہیں کتنی اہمیت دیتے ہیں۔ کرن کے والدین بھی پیار کرتے ہوں گے لیکن ہمارے جتنا نہیں، تمہیں تو سارا پتہ ہے آفتاب۔ وہ ماماز بوائے یوں سر ہلاتا جیسے اسے واقعی ہی سب کو پتا ہو۔

اب تو اس کی اپنی اولاد لائبہ اور اسامہ بھی اس کے پاس نہ آتے، ماموں، خالہ، نانا نانی کا گلہ ہی کرتے کہ وہ ہم سے پیار نہیں کرتے تو ہم نے ان کے گھر نہیں جانا۔ بچوں کے دماغ کو بھی بیٹے کی طرح ان لوگوں نے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ انہیں صرف پھوپھو کے گھر جانا ہی پسند تھا اور پھوپھو کے بچے ہی ان کے بہن بھائی تھے۔ بیٹی کی سسرال میں برتری بنانے کے لئے آفتاب کی آدھی کمائی بہن اور اس کے بچوں اور سسرال پر جانے لگی تھی۔ لائبہ اور اسامہ سے پیار اب نواسے اور چھ مہینے کی نواسی کی وجہ سے زبانی کلامی رہ گیا تھا۔ ساس، آفتاب کے سامنے منہ بھر کر کہنے لگی تھی جیسے ہم نواسے، نواسی کا کرتے ہیں ہر شے اعلا سے اعلا لے کر دیتے ہیں ایسے ہی کرن کے والدین نواسے نواسی کا کرتے تو آج آدھا بوجھ کم ہو جاتا تھا۔ وہ کرن کے میکے کی آڑ لے کر بیٹی کا گھر بھرتی جا رہی تھی صرف بیٹی کے سسرال کو مالی پریشر میں لینے کے لئے کرن کے میکے کی توہین کرتیں جس کی وجہ سے آفتاب اپنی ساری کمائی بھی بہن پر لٹانے کو تیار ہو جاتا تھا۔ اب نواسے نواسی پر جان چھڑکنے کا آغاز بھی ہو چکا تھا ساتھ ہی آفتاب کے سامنے اس کے بچوں کے ننھیال اور اپنا موازنہ کیا جاتا اور بتایا جاتا کہ اگر ہماری طرح اپنے نواسے نواسی پر شفقت لٹائیں تو بچے کیسے نہ نانی کے گھر جانا پسند کریں۔

"امی! وہ لوگ تو لائبہ، اسامہ سے اتنا پیار کرتے ہیں یہ تو جاتے بھی نہیں ہیں پھر بھی واپسی میرے ہاتھ ہی سب اتنی چیزیں بھیجتے ہیں آپ کو پتا ہی ہے۔"

"کرن بیٹی! بچے پیار کے بھوکے ہوتے ہیں وہاں انہیں ہمارے جتنا پیار نہیں ملتا تو اس لئے

جاتے بھی نہیں ہے۔ تو اسے تو اسی کے معاملے میں کنجوسی کریں تو وہ بدظن ہو ہی جاتے ہیں اسی لئے میں خصہ کے بچوں کے ساتھ کنجوسی سے تم لوگوں کو منع کرتی ہوں۔ ہم کریں گے تو وہ بھی ہمارے گھر آنا پسند نہیں کریں گے۔"

☆☆☆

جب سے بڑے بھیا نوکری کے سلسلے میں بچوں سمیت کراچی شفٹ ہوئے تھے چھ چھ ماہ بعد ملنا ملانا ہوتا تھا۔ اب بھی عید کے بعد وہ لوگ اب آئے تھے، بھیا بھابھی بہت تپاک سے ملے اور حسب معمول بچوں کا پوچھا تو اس نے بتا دیا تیار تھے لیکن پھر سے دادی اور پھوپھو نے انہیں پٹی پڑھا کر رکھ لیا تو اسے اکیلے آنا پڑا ہے۔ قسم قسم کے کھانے ہلہ گلہ دیکھ دیکھ کر اس کا دل بار بار لائبہ اور اسامہ کی طرف جا تا رہا۔ ممتا سے مجبور ہو کر اس نے نجل کو کہہ دیا

"مجھے گھر چھوڑ آؤ پلیز!"

"یہ کوئی وقت ہے واپس جانے کا؟"

"گیارہ ہی تو بجے ہیں، میرا دل بچوں میں اٹکا پڑا ہے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔"

"صبح صبح چھوڑ دوں گا ابھی تم بھی سونے کی کوشش کرو میں بھی سونے جا رہا ہوں۔"

اماں عشاء پڑھنے لگیں تو بڑی بھابھی اس کے پاس آ گئیں۔ بڑے اہتمام سے بھابھی نے کمفرٹر کھولا ٹانگوں کے اوپر اوڑھا، اپنے لائے ہوئے ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اس کے سامنے رکھی اور جم کر بیٹھ گئیں۔

"اچھا تو ہماری اجلی کرن اپنے بچوں کی وجہ سے بجھی ہوئی ہے۔ تم کچھ وقت کے لئے بچوں کو بھول کیوں نہیں جاتی ہو؟"

"لو بھلا اپنے بچوں کو بھی کوئی ماں بھولتی ہے؟" کرن نے برا منایا۔

دیکھو کرن! ہمیں پتہ ہے یا تمہیں پتہ ہے کہ لائبہ اور اسامہ کی دادی اور پھوپھو وغیرہ ان سے مخلص نہیں بس آفتاب کو قابو میں رکھنے کے لئے مختلف ڈھونگ رچاتے ہیں۔ آفتاب اس بات کو نہیں سمجھتا کہ اس سے غرض کا تعلق ہے آج گھر میں پیسے دینا چھوڑ دے تو کوئی اس کے بچوں کو منہ نہ لگائے۔ تم یہ حقیقت بچوں کے ذریعے ہی اسے سمجھانے کی کوشش کر کے دیکھ لو۔"

بھابھی! میری ہر کوشش ناکام گئی ہے سچ تو یہ ہے کہ باقی باتوں پر اب دل کو قرار آ گیا ہے اتنا صدمہ نہیں لگتا واحد بچوں کا معاملہ ایسا رہ گیا ہے جو مجھے رات دن تڑپاتا ہے۔

"میرے بچوں پر غاصبانہ قبضہ کر کے انہیں مجھ سے اور مجھ سے منسلک باقی رشتوں سے جتنا متنفر کر دیا گیا ہے آپ کی سوچ ہے۔"

"کوئی بات نہیں اتنی ٹینشن نہ لو جب بڑے ہونگے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خاک ٹھیک ہوگا بھابھی! جب تک لائبہ اور اسامہ کی گندی عادتیں پختہ ہو جائیں گی۔ پھر اسی ساس اور پھوپھیوں نے کہنا ہے بچی ذات کو منہ پھٹ بنا دیا ہے اسے ماں نے تمیز تہذیب نہیں سکھائی۔ ابھی مجھے نیچا دکھانے اور آفتاب کو فریب دینے کے لئے اس کی ہر الٹی سیدھی حرکت و شرارت کو مکمل سپورٹ کرتی ہیں۔ لائبہ بچوں والی باتیں نہیں کرتی پکی عورتوں کی طرح چغلی لگاتی ہے۔ اس کی دادی نے سکھا سکھا کر اس کا ذہن اتنا پکا کر دیا ہے کہ مجھے دشمن سمجھتی ہے اپنی پھوپھو اور اس کے بچوں کو نہیں۔ حالانکہ وہ مارتی بھی ہیں ڈانٹتی بھی ہیں لیکن اس کی شکائت پر لائبہ کو بتایا جاتا ہے پھوپھو کام کر کے تھکی ہوئی تھی پھوپھو ڈانٹنے سے زیادہ پیار کرتی ہے جبکہ آپ لوگوں کی باتیں بچوں سے کرید کرید کر پوچھ کر پھر سکھایا جاتا ہے بابا کو بتاؤ نانو کے گھر سب مارتے ہیں پیار نہیں کرتے ماما بھی مارتی ہے۔

میں ذرا سا انگلی لگا دوں تو سارا گھر رونا پیٹنا ڈال لیتا ہے لیکن صرف منہ زبانی کیونکہ وہ چاہتی ہیں بچے اور آفتاب ان کے مرید رہیں لیکن اخراجات میں میکے سے لاؤں جیسے وہ اپنی بیٹی کو دیتی ہیں۔ خود تو

منتی ذہن کے تھے ہی اب میرے بچے بھی اسی لائن پر لگالئے ہیں۔" کرن اپنے بچوں کی ذہنی حالت پر بات کرتے کرتے سچ مچ رو پڑی۔

"جب تمہیں اتنی ٹینشن ہے اور یہ بھی کنفرم ہے کہ وہ لوگ بچوں کے دل و دماغ میں تمہارے خلاف زہر بھر رہی ہیں تو تم بچوں سے ان سے دوگنا پیار کرو تا کہ وہ تمہیں بھی سننے لگیں۔"

"بھابھی! پیار اور مار دونوں ٹیکنیکس استعمال کر کے دیکھ لی ہیں بچے بری طرح سے مجھ سے متنفر ہیں۔ سچ تو یہ ہے لائبہ کی جب میں اپنی ساس جیسی باتیں سنتی ہوں تو بی پی ہائی ہو جاتا ہے خود ہی تھپڑ لگانے کو دل کرتا ہے کہ اتنی سی بچی اور اتنی بڑی بڑی اور لڑائی کروانے والی باتیں کیسے کر لیتی ہے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا حالات اتنے بگڑ چکے ہیں۔" بھابھی نے افسوس کیا۔

"لائبہ بچی ہے مجھے اس کی زیادہ ٹینشن ہے بعد میں سارا الزام ماں پر آ جاتا ہے کہ بیٹی کی تربیت اچھی نہیں کی۔ ان لوگوں کے پاس ابھی بھی گاؤں والے رشتے داروں کی سوچ چلتی ہے کہ لڑکیوں کو زیادہ نہیں پڑھانا چاہئے۔ اب لائبہ کی دادی بھی اس کے دماغ میں یہی بات ڈال رہی ہے۔ لائبہ اسکول میں بھی دلچسپی نہیں لیتی میرا دل تھا کہ آپ لوگ آئیں گے تو سب اکٹھے ہوں گے میرے بچے باقی کزنز سے کچھ اچھا ضرور سیکھ لیں گے لیکن وہ صرف پھوپھو کے بچوں کو فیملی سمجھتے ہیں۔ ننھیال کے بچے تو دشمن لگتے ہیں۔"

"کرن! تمہیں جب پتہ تھا کہ بچوں کے ساتھ تمہاری ساس نندیں یہ کھیل کھیل رہی ہیں ابتدا ہی سے تم بھی بچوں کی ساتھ ساتھ برین واشنگ کرتی جاتی۔ لیکن تم نے تو چیزیں خرید خرید کر گھر بھرنے کو ترجیح دی۔ ایسے مادہ پرست لوگ مادی اشیا سے صرف وقتی طور پر خوش ہوتے ہیں مکمل خوش نہیں رہ سکتے۔"

"بھابھی! یہ سب میں میکے سے اسی لئے لے کر جاتی ہوں کہ مجھے غصہ سے کم تر نہ سمجھا جائے۔ ان لوگوں کو جتانے کے لئے بجل پر بوجھ ڈالتی ہوں کہ میں بھی سب کی لاڈلی ہوں۔"

"انہوں نے مان لیا؟"

"کبھی نہیں مانا بلکہ وہ نیچا دکھانے کے لئے کوئی اور کھیل شروع کر لیتی ہیں۔"

"تم ان کے کھیل میں آتی ہو تب ہی تو نئے سے نیا کھیل شروع کرتی ہیں جب کھیل میں آ ہی جاتی ہو تو ہارتی کیوں ہو؟"

"بھابھی! وہ گیم روایتی طریقوں سے نہیں کھیلتیں اسی لیے میرے گیم سمجھنے تک وہ بازی ہی جیت چکی ہوتی ہیں۔"

"تو پھر میری مانو تو اس جیتی ہوئی بازی کو ان کی آزمائش بنا دو۔ لیکن اس کے لیے تمہیں دل سخت کرنا پڑے گا یہ ممتا کے ہاتھوں بلیک میل ہونا چھوڑنا پڑے گا۔ میکے سے بیگ بھر بھر کر لے جانا بند کرنا ہوں گے۔ تمہارے بچے تمہاری متاع ہیں، ان کے معاملے میں دل سخت کرنا مشکل ہے، پر کرنا پڑے گا کم سے کم تب تک جب تک تم اپنے بچے ان کے حصار سے نکال نہیں لیتی ہو۔"

"وہ کبھی نہیں نکلیں گے بھابھی! جوتے کھا کر بھی باپ کی طرح ان ہی کے گن گائیں گے۔"

"میری مان کر تو دیکھو۔ وقت ضرور لگے گا تمہارا دل بھی دکھے گا لیکن نتیجہ اچھا نکلنے کے ساٹھ فیصد چانس ہیں۔"

"ففٹی ففٹی چانس بھی ہوتے تو میں گیم آن ضرور کرتی۔" کرن نے بڑی بھابھی کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

"بھابھی! بڑی بہو ہونے کی وجہ سے اس گھر میں جو ٹف ٹائم آپ نے دیکھا۔ میں اس پر آپ سے معذرت کرتی ہوں۔"

"چلو ہم دعا اور کوشش کرتے ہیں کہ تمہارا مشکل وقت بھی جلد کٹ جائے۔"

"دیورانی کے آنے سے کٹ سکتا ہے لیکن

Scanned with CamScanner

میری ساس شاطر عورت ہے جان گئی ہے نئی بہو آئے گی تو خرچا بڑھے گا بڑی بیٹی کے وفد و رسد میں تنگی آئے گی۔ دوسری بات ولید کسی کام پر نہیں لگا، تیسری بات وہ آفتاب جیسا بھولا بھی نہیں ہے ان کے ساتھ رہ کر ان کو سمجھ گیا ہے کہ کیسے مجھے ذہنی آزار میں مبتلا رکھتی ہیں۔ وہ پہلے ہی دن ان کی حدود بتا دے گا۔ اس لیے میری ساس اب بیٹوں کی شادی کا بالکل نہیں سوچ رہیں بلکہ وہ تو چھوٹی بیٹی کو بھی بھولی ہوئی ہیں انہیں صرف بڑی بیٹی سے عشق ہے۔"

"چلو پھر خود ہی کوشش کا آغاز کر دو تاکہ تمہارے بچے تو تمہاری حدود میں واپس آجائیں۔"

"بھابھی! صبح سے ہی آپ کے مطابق عمل شروع کر رہی ہوں۔"

☆☆☆

"کرن! تم نے جانا نہیں ہے ابھی تک بستر پر لیٹی ہو رات کو تو گیارہ بجے بھی گھر جانے کو تیار تھی۔" تجمل آفس کے لیے تیار ہو کر اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"نہیں مجھے آج نہیں گھر جانا بلکہ ابھی چند دن مزید نہیں جانا۔" اس نے عزم سے کہا تو تجمل کے ساتھ رات کے کھانے میں سے کرن کے بچوں کے حصے میں آنے والی چیزوں کا ٹفن بھرے کھڑی امی حیران ہی رہ گئیں۔

"ارے لڑکی! دماغ خراب ہو گیا ہے کیا، بچے چھوڑ کر میکے رہو گی کیا یا آفتاب بچے چھوڑ جائے گا۔"

"آفتاب کا پتا نہیں لیکن میں اکیلی ضرور رہوں گی۔" بھابھی نے اس کے چہرے پر چھلکتا عزم دیکھ کر انگوٹھا کھڑا کیا تو اس نے بھی مسکرا کر آنکھ ماردی۔

"اس دفعہ میں بازی جیتنے کے لیے میدان میں نہیں اتر رہی ڈیئر ساسو ماں! بلکہ آپ کی جیتی بازی کو آپ کا امتحان بنانے کے لیے اتر رہی ہوں۔ یہ تو میں کر کے رہوں گی کیونکہ کھیل سے پہلے ہی آپ سے چند قدم آگے ہوں۔"

جس جس نے سنا، کرن نے چند دن بچوں کے بغیر میکے میں گزارتے ہیں۔ سب نے ہی اس بے وقوفی سے منع کیا لیکن وہ اپنی بات سے پیچھے ہی نہ ہٹی۔

"بیٹی! خود ہی تو کہتی ہو، وہ بچوں سے بھی صرف منہ دکھائی کا پیار کرتے ہیں، ان کے کھانے پینے سونے جاگنے کی ذمہ داری تمہاری ہے تو پھر جاؤ اور معصوم بچوں پر ظلم نہ کرو۔ ان کی ٹھیک دیکھ بھال نہ ہوئی تو بیمار پڑ جائیں گے پھر تمہیں ہی دکھ اور دوگنی مصیبت پڑے گی۔" ابا نے وہی خدشے بتائے جو حقائق تھے جن کی وجہ سے وہ بھی سخت قدم اٹھانے کا نہ سوچ سکی تھی لیکن اب وہ دل سخت کر چکی تھی۔

"ابا! آفتاب کی آنکھیں کھولنے کے لیے اور بچوں کو ماں کی اہمیت جتانے کے لیے دل کو تھوڑا سخت تو کرنا ہی پڑے گا۔ آپ کو تو پتا ہے میں تنگ دل نہیں ہوں نہ ہی میرا مطالبہ ہے کہ آفتاب اپنے خونی رشتوں کو چھوڑ دے۔ میرا تو بس اتنا سا دل کرتا ہے کہ میری جگہ پر مجھے عزت سے رہنے دیا جائے۔ بے کار مخلوق نہ سمجھا جائے، میرے میکے کا ہر وقت خود سے تقابل نہ کیا جائے۔ بچوں کو اپنی تسکین کی خاطر ننھیالی رشتوں کے خلاف نہ کیا جائے۔ باقی ساری باتیں برداشت ہو گئی ہیں، ان پر دل بھی اب نہیں دکھتا لیکن اپنے بچوں کی خدمت اور خیال رکھنے کے بعد بھی محبت نہیں ملتی تو دکھ ہوتا ہے۔

میں چاہتی ہوں اب بچے اور ان کا باپ جان لیں کہ ان سے بے لوث محبت میں ہی کرتی ہوں اور اب وقت آ گیا ہے کہ مجھے وہ سب کے سامنے اون کر لیں جب وہ مجھے اپنا لیں گے تو گھر کے باقی افراد خود ہی میری جگہ پہچان لیں گے۔"

"بس بیٹا! کبھی کبھی فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں ہمیں بڑی بہو کی بات مان لینی چاہیے تھی۔"

"ارے نہیں ابا! ایسے سب کریں گے تو لوگوں کے بڑے بیٹے کنوارے ہی رہ جائیں گے۔" اس کی

بات پر سب ہی ہنس پڑے۔ ضرورتاً حکمت عملی بدلنی پڑی ہے، اب میں وہ بدل چکی ہوں۔"

☆☆☆

اس کی توقع کے عین مطابق آفتاب کا فون تھا۔

"جی آپی! میں بس آپ کو فون کرنے والی تھی پھر ناشتہ کرنے بیٹھ گئی۔"

"بچوں سے کتنی لاپرواہ ہوا می اور طیبہ، حفصہ نہ ہوں تو وہ تو رل ہی جائیں، اسی لیے تو وہ تمہارے ساتھ آنا پسند نہیں کرتے۔ خیر جلدی گھر آجاؤ، لائبہ نے اسکول سے چھٹی بھی کرلی ہے اسامہ نے ناشتہ نہیں کیا۔"

"آپی! آپ بچوں کی ٹینشن کیوں لیتے ہیں جب آپ کو پتا ہے امی اور طیبہ لوگ کتنا پیار کرتے ہیں بلکہ مجھ سے زیادہ کرتے ہیں تو مینیج بھی کرلیں گے۔ کچھ نہیں ہوتا۔ میں نے بتانا تھا کہ میں بڑی بھابھی کے ساتھ رحیم یار خان جارہی ہوں ان کی والدہ کا پتا کرنے، وہاں دو دن تو لگ ہی جائیں گے۔"

"دماغ ٹھیک ہے۔ بچوں کو چھوڑ کر رحیم یار خان جارہی ہو، گھر میں کوئی اور ساتھ جانے والا نہیں ہے۔؟"

"توبہ ہے آپی! پتہ بھی ہے کہ چھ مہینے بعد بھیا بھابھی سے ملاقات ہورہی ہے میری، ایک تو آپ میرے میکے والوں سے ملنا پسند نہیں کرتے نہ آتے جاتے ہیں تو ان سے سارے تعلق میں نے ہی نبھانے ہیں۔ آپ ساتھ چلیں گے تو ابھی لینے آجائیں ہم پھر اپنے گھر سے ان کی بیمار والدہ کی عیادت کو چلے جائیں گے۔"

کرن نے وہاں تیر مارا جہاں چوٹ گہری لگنے کا امکان تھا۔ جہاں جہاں شوہر کو دلبرانہ طریقے سے ڈیل کرنا تھا وہاں وہاں آواز کے لوچ پر خاص توجہ رکھی اور جہاں دھونس سے کام لینا تھا۔ لہجہ کھردرا بھی کرڈالا۔

"پتا تو ہے تمہیں میرے پاس اتنا وقت کہاں؟" آفتاب فوراً بدک گیا کہ ماں نے غیرمحسوس طریقے اسے سسرال سے بدظن کیا تھا تو اب اسے گھلنا ملنا مشکل لگتا تھا۔

"اچھا پھر اسپیکر پر لگا کر بچوں سے بات کروا دیں۔"

"لائبہ! آپ کیا کررہی ہو؟" دادی کے پاس بیٹھی کھیل رہی ہوں۔"

"اوکے، میری بات سنو بیٹا! دادی اور پھوپھو لوگوں کو تنگ نہیں کرنا، جو بھی لینا ہو دادی، پھوپھو، چاچو کسی سے بھی کہہ دینا۔ سب لے دیں گے۔"

"تم نہیں آؤ گی ماما؟"

کرن نے "تم" نظرانداز کرکے لہجے میں مزید شیرینی گھولی کہ اس کھیل میں وہ بچوں کے ساتھ حد سے زیادہ میٹھا ہونا چاہتی تھی اور دوسروں کے اصلی منافق اور تلخ رویے ان کے سامنے ظاہر کرنا چاہتی تھی۔

"نہیں بیٹا! میں دوسرے شہر جارہی ہوں بڑی ممانی کے ساتھ، کچھ دن بعد آؤں گی۔ آپ کو اس لئے نہیں لے کر جارہی، یہاں بچے بھی مارتے ہیں اور کوئی بھی دادی اور پھوپھو لوگوں کی طرح پیار بھی نہیں کرتا، دادی کو فون دو۔"

"امی! میری بڑی بھابھی کی والدہ ٹھیک نہیں ہیں۔ مجھے ان کی عیادت کو جانا ہے۔ گھر اس لیے نہیں آرہی کہ پھر اپنے گھر سے جانے پر ہمارا خرچا ہو جائے گا آفتاب پر مزید بوجھ آجائے گا۔" اس نے آواز دبا کر یوں بات کی آفتاب سمجھے، گھر والوں سے چھپا کر یہ کہہ رہی ہے۔

"تو بچوں کو ساتھ لے جاؤ۔ طیبہ تیار کردیتی ہے۔"

"نہیں نہیں امی! مجھے بہت تنگ کریں گے آپ کے اور پھوپھو کے لیے اتنی جلدی اداس ہو جاتے ہیں۔ میرے بغیر رہ سکتے ہیں۔ آپ لوگوں کے بغیر نہیں رہتے۔ میری تو بھابھیاں حیران رہ جاتی

Scanned with CamScanner

ہیں جیسے بہن ہیں۔"

"کرن! تمہاری ساس اور نندیں اپنی نسل پر جان وارتی ہیں۔ کاش ہماری ساس بھی تمہاری جیسی ہوتی۔"

کرن نے ہنس ہنس کر ساس کو بانس پر چڑھانا چاہا حالانکہ وہ جانتی تھی کہ ساس متاثر نہیں ہوں گی۔ اس کا مقصد بھی صرف آفتاب کو سنانا ہی تھا جب ہی تو اس کے فون پر اسپیکر پر یہ باتیں کر رہی تھی۔ اسے خبر تھی اسامہ کو کھانے کے بجائے فیڈر پر فیڈ ر دیا جاتا رہے گا۔ ہو سکتا ہے، طیبہ گندا فیڈر مطرف کھنگال کر اس میں دودھ ڈال دیا کرے، جس سے بچے کا پیٹ بھی خراب ہو جائے گا لیکن اسے معلوم تھا، چند دن یہ برداشت کرنا ہے دل پر پتھر رکھنا ہی پڑے گا۔ ممتا جسم و جاں کی رگیں توڑتی رہی لیکن وہ ڈھیٹ بن کر رحیم یار خان روانہ ہو گئی۔ بے تابی سے شام کا انتظار کیا تاکہ آفتاب کے فون پر کال کر سکے۔ جان بوجھ کر ساس کے موبائل پر کال نہ کی۔

"اسامہ کیا کر رہے ہو؟"

"گاڑی چلا رہا ہوں۔"

"کھانا کھا لیا؟"

"نہیں۔ فیڈر پیا ہے۔"

"ماما پاس آنا ہے؟"

"نہیں۔"

"لائبہ سے بات کراؤ۔" اور پھر بیٹی نے بھی اس کے سوال کے جواب میں یہی کہا کہ ماما پاس نہیں آنا، اپنے گھر میں ہی رہنا ہے۔ کرن اچھی طرح جانتی تھی یہ ابھی ابتدا ہے اتنی جلدی مطلوبہ نتائج نہیں حاصل ہو سکتے لیکن دل پھر بھی دکھ گیا تو اس نے توجہ بھابھی اور اس کی والدہ کی طرف کر لی۔

دو کے بجائے انہیں تین دن لگ گئے۔ واپسی پر بچوں سے دوری نے سر درد بن کر ہلکے پھلکے بخار کی صورت اختیار کر لی۔ ساس بے چین تھیں کہ وہ واپس گھر آئے اور بچوں کو سنبھالے کیونکہ بیٹی پر کام کا بوجھ بڑھ گیا تھا۔ بھابھی پر حکم چلا کر بچوں سے پیار کرنا اور انہیں الٹی سیدھی پٹی پڑھانا آسان تھا لیکن خود ان کی فرمائش پوری کرنا اور پھر بیٹھ کر کھلانا بہت مشکل کام تھا۔ پہلے تو وہ لوگ کرن کو آواز دے دیتی تھیں۔۔۔۔

"یخنی والی کھچڑی بنا دو، اسامہ کو کھلانی ہے۔"

کرن محنت سے بنا کر دیتی اور وہ بچے کو ادھر ادھر سے چوم کر چمچ سے کھلا دیا کرتی تھیں۔ نام پھوپھو کا ہو جاتا اور پیار بھی صرف ان ہی کا نظر آتا۔ اب کچن میں بچوں کا فرمائشی پروگرام پورا نہیں ہو رہا تھا۔ اگر پورا ہو جاتا تو باقی کام اور بچوں کے اضافی کام سے پھوپھو صاحبہ کی طبیعت چڑچڑی ہو کر بچے کے پاس بیٹھ کر کھلانے اور لاڈ اٹھانے پر مائل نہ ہو رہی تھی۔

کرن کی بیماری کی اطلاع نے ان لوگوں کو اور بیچ پا کیا اور اس کی امید کے عین مطابق سر شام آفتاب بچوں کو لیے حاضر تھا۔

وہ مزید نڈھال ہونے کی اداکاری کرتی لیٹی رہی، بھابھی نے قسم قسم کی چیزوں سے ٹیبل بھر دی لیکن ہمیشہ کی طرح آفتاب نے نخرے سے صرف چائے کا کپ اٹھایا اور بچے ندیدوں کی طرح ٹیبل پر ٹوٹ پڑے۔ آفتاب ان کے طرز عمل پر واضح طور پر اپ سیٹ ہو رہا تھا۔ اس کے آواز دبا کر ٹوکنے پر لائبہ نے صاف کہا۔ وہ اور اسامہ بہت بھوکے ہیں کیونکہ ماما نہیں تھیں تو کسی نے ان کو اچھے والا کھانا نہیں دیا۔ صرف چائے پاپے دے دیتی ہیں۔ آفتاب گڑبڑا سا گیا۔

"چلو بھئی اٹھو گھر چلیں۔"

"آفی! میری حالت دیکھ رہے ہیں آپ، گھر جانے کا مطلب ہے کوئی ریسٹ نہیں ہو سکے گا۔"

"کیوں ریسٹ نہیں ہو سکتا۔ تم لیٹی رہنا طیبہ اور امی ہیں نا۔"

"تو مجھے یہیں لیٹا رہنے دیں طیبہ اور امی ابھی بھی سب سنبھال تو رہی ہیں۔"

"بیٹا! رہنے دو۔ ایک تو طبیعت ٹھیک ہو جائے

دوسرا کافی مہینوں بعد یہ سارے بہن بھائی اکٹھے ہوئے ہیں، مل کر وقت گزار لیں۔ بلکہ تم بھی رات رک جاؤ صبح یہیں سے دفتر چلے جانا۔"

کرن کی امی نے بھی مداخلت کی تو آفتاب اتنی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوا جیسے وہ زبردستی روک لیں گی۔ بچے بھی پیٹ بھر جانے سے تازہ دم ہو گئے تھے سو باپ کے ساتھ ہی جانے کو تیار ہو گئے۔

"تم لوگ ماما کے پاس رہو۔ ماما ٹھیک ہو جائیں گی تو ماموں کے ساتھ گھر آ جانا۔"

"ہم اتنے نہیں یہاں رہنا آپ کے ساتھ ہی جانا ہے۔"

بچے پھر سے یک زبان بولے تو کرن کو بھی موقع مل گیا۔

"آفتاب! ساتھ ہی لے جائیں۔ ادھر گھر میں سب کے بچے آنے سے گھر مچھلی بازار بنا ہوا ہے بچے آپس میں بہت لڑتے ہیں۔ ان کو کسی نے ایک لگا دی تو ساری رات روتے رہیں گے، دادی پاس جانا ہے پھوپھو پاس جانا ہے، چاچو پاس جانا ہے۔ باقی بچے ہمارے بچوں کی طرح دادی پھوپھو کے لاڈلے نہیں ہیں۔" آفتاب اسے دیکھ کر رہ گیا اور بچے بھاگتے دوڑتے بھرے پیٹ کے ساتھ پھر سے روانہ ہو گئے۔

☆☆☆

ہفتے بعد جب تجمل اسے شام کو چھوڑ کر گیا تو لائبہ، اسامہ بھاگ کر اس سے لپٹ گئے حسب توقع ساس اور نند کا منہ سوجا ہوا تھا کیونکہ کام کا سارا بوجھ اکیلے برداشت کرنا پڑا تھا۔ دیوروں اور میاں کے چہرے پر بھی تناؤ تھا۔

"آج بھی نہیں آنا تھا۔" آفتاب نے بالآخر زبان کھولی۔

"کیا مطلب نہیں آنا تھا۔ میں کوئی شوق سے تو اتنے دن لگا کر نہیں آئی۔ بیمار تھی، کسی نے فون کر کے حال تک نہیں پوچھا۔"

کرن کے جارحانہ انداز پر آفتاب دھیما پڑا تو باقی لوگوں کے چہروں کے تنے عضلات بھی ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ بھی سب کے ساتھ بیٹھک میں ہی بیٹھ گئی تو بچوں نے بھی دائیں بائیں سے کندھے پکڑ لیے۔ اب کے وہ سوچ کر آئی تھی انہیں کے بیچ میں گھسے رہنا ہے، باتیں سن لیتی ہیں لیکن میدان نہیں چھوڑنا۔

"ماما! پاستا بنا کر دیں، ماما! فیڈر بنا کر دو، ماما! پھوپھو نے مارا، ماما دادی نے ڈانٹا۔ پھوپھو گندی ہے دادی بھی اسی کی بات سنتی ہیں۔" جیسے سینکڑوں شکوے تھے۔

"کوئی بات نہیں۔ دادی اور پھوپھو پیار بھی تو کرتی ہیں ماما گھر پر نہیں تھیں تو آپ کی کتنی کیئر کی ہے......"

"جھوٹ بالکل جھوٹ، کسی نے کیئر نہیں کی، میں ٹھیک مانگتی رہی، مانگتی رہی کسی نے بنا کر نہیں دیا۔ اسامہ باتھ روم سے گندا ہی اٹھ کر آ گیا کسی نے اسے واش نہیں کیا۔"

لائبہ کی زبان قینچی کی طرح چلتی تھی اس سے بھولپن چھین کر گپ شپ کی طرف لگانے والی بھی پھوپھیاں اور دادی تھیں۔

"میں بھی کہوں دو دن سے اسامہ نیکر میں ہاتھ ڈالے کیوں پھر رہا ہے۔ اسے گندگی سے خارش ہو رہی ہوگی۔ امی، طیبہ! دو بچے نہیں سنبھالے گئے تم لوگوں سے۔"

آفتاب مزید جانے کیا بول رہا تھا لیکن وہ بچے کو اٹھائے واش روم کی طرف دوڑ لگا چکی تھی۔ جب وہ بچے کو نہلا دھلا کر بیٹھک میں لائی تو طوفان گزرنے کے بعد کی خاموشی تھی۔ پھر جو اس نے میٹھے لہجے میں ساس کو مخاطب کر کے اسامہ کے شدید ریشز کا گھریلو ٹوٹکا پوچھا تو سسر بھی میدان میں آ گئے موقف وہی تھا کہ اتنے سے بچے کے ساتھ اتنی لا پروائی کیونکر برتی گئی۔ خالی لوٹتے دیکھ کر ساس کھسک تو پہلے ہی گئی تھی پھر بچوں سے جان بوجھ کر لاپروائی برتنے نے اسے اور تپا دیا۔

کھانا مانگتے تو کہتی پھوپھو سے لے لو، پڑھنے

کے وقت کہتی پھوپھو سے پڑھوئے ساتھ ساتھ وہ بڑے ہی میٹھے انداز میں سب کے سامنے جتائے جاتی کہ امی اور طیبہ وغیرہ بچوں سے جتنا پیار کرتے ہیں اتنا ننھیال والے کر ہی نہیں سکتے تھے کیونکہ ان کے گھر پہلے ہی کافی بچے ہیں۔"

یہ وہی الفاظ تھے جنہوں نے آفتاب اور بچوں کے ذہن کو جکڑ رکھا تھا۔ وہ ہمیشہ تردید کرنے کی کوشش میں مزید ذہنی آزار جھیلتی تھی لیکن اب وہ سر تسلیم خم کرکے بات کو ڈرامائی انداز بھی دے رہی تھی۔

آفتاب اور سسر جیسے بھولے مرد اس چیز کو نہیں سمجھ پا رہے تھے لیکن کھیل شروع کرنے والیاں اندر ہی اندر ضرور بل کھا رہی تھیں۔ ساس کو اس کی میسنی شکل کے پیچھے کی مکاری سمجھ میں آ چکی تھی وہ پھر سے بازی جیتنا چاہتی تھیں لیکن اپنی بیٹی اتنے کام سے گھبرا کر بھی بھیجتے سے دست "پیار" اٹھا چکی تھی بلکہ اب وہ بھانجے بھانجی سے بھی بےزار ہونے کو آ رہی تھی کہ سہیلی کی شادی طے ہو رہی تھی اور اس کی ماں اسے صرف بڑی بہن کی خدمت کی پٹی پڑھاتی رہتی تھی۔

ہر دن بچوں کو پھوپھو اور دادی سے شکایتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ یہ پودا انہوں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا پھر کرن کو تنگ کرنے کے لیے روزانہ کی بنیاد پر سینچا تھا اسی لیے بچے منہ پھٹ ہو کر ایک کی چار لگاتے تھے۔ بچوں کی آنکھیں کھلتی جا رہی تھیں لیکن آفتاب پر ابھی معاملہ پوری طرح نہیں کھلا تھا۔ کرن کو تو امید تھی چند مہینوں میں منافقت اور حقیقی پیار کا مطلب سمجھ میں آ ہی جائے گا، بس اسے دل پر پتھر رکھ کر پیار پیار کی گردان کرتے جانا ہے۔ مخالف پارٹی کو مزید تاؤ دلاتے رہنا ہے تاکہ وہ کھل کر غلطی کریں اور بچوں اور آفتاب کے سامنے ظاہر ہو سکیں۔

☆☆☆

جمعہ کی شام بڑے بھیا اور ان کی فیملی کی کراچی واپسی تھی، آفتاب، سسر اور دیور جب مسجد سے واپس آئے تو وہ تیار بیٹھی تھی۔ اجلا چمکیلا دمکتا رنگ اور ہم رنگ دوپٹہ کانوں میں گھر کے واحد پودے چنبیلی سے اتاری کلیاں خوشبو بکھیر رہی تھیں۔

"آفتاب! مجھے امی کی طرف چھوڑ دیں اندر بھلے نہ آئیے گا۔ بس گیٹ پر اتار آئیں۔ شام کی ٹرین سے بھیا لوگ واپس جا رہے ہیں نا، ذرا جلدی کریں پلیز۔"

"تو بچوں کو تو تیار کرلو۔"

"بچے وہاں جا کر خوش نہیں ہوتے۔ امی اور طیبہ کے پاس خوش رہتے ہیں۔ اتنی بار تیار کرکے چھوڑ کر ہی جانا پڑتا ہے۔ ویسے بھی بچوں کے بغیر دو گھڑی سکون سے بات چیت ہو جاتی ہے۔ اسامہ، لائبہ! آپ دادی کے پاس رکو، میں بڑے ماموں سے مل آؤں۔"

"ادھر سے کھانا لے آنا، پہلے بھی آپ نہیں لے کے آئی تھیں۔"

"نہیں بیٹا! کسی کے گھر سے کھانا نہیں لے کر آتے۔ آپ نے جو کھانا ہے دادی بنا دیں گی۔"

"کوئی بنا کر نہیں دیتا۔ صرف آپ ہی بنا کر دیتی ہیں۔ دادی یا پھوپھو سے کچھ کھانے کو مانگو تو ڈانٹ ہی پڑتی ہے۔"

"توبہ ہے۔ چھٹانک بھر کی بچی کیسے جھوٹ بول رہی ہے لگاؤ اس کے تھپڑ، غضب خدا کا منہ پر جھوٹ بولے جا رہی ہے۔ آفتاب یہ لڑکی ہاتھ سے نکل جائے گی۔"

"امی! چھوٹی سی بچی ہے ہاتھ سے کیا نکلے گی ویسے بھی آپ کہتی ہیں۔ بچے جھوٹ نہیں بولتے تو ڈانٹا ہوگا تو کہہ رہی ہے آپ اس کی بات پر تنگ کیوں پڑ رہی ہیں؟"

کرن نے بیگ دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا۔۔۔

"امی! جیسے اب کہہ رہی ویسے ہی لائبہ میری امی وغیرہ کے بارے میں بھی بولتی رہتی ہے، آپ مانتی نہیں تھیں اب دیکھا، آپ تو مجھ سے بھی زیادہ پیار کرتی ہیں۔ آپ کی بھی شکایت جڑ دی ہے۔"

ساتھ اس نے دل جلانے والی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے رکھی۔ آفتاب کے پیچھے بائیک پر بیٹھ کر مزید گل افشانی کی۔۔۔۔۔

''طیبہ! اسامہ باتھ روم میں بیٹھا آوازیں نہ دیتا رہے پہلے بھی تم نے اس کی آواز نہیں سنی تھی تو ڈاکٹر کے پاس جا کر ریشز ٹھیک ہوئے ہیں۔ وہ پھر سے اٹھ کر آ جائے گا، ایسے بچہ بیمار ہو جاتا ہے اس کی آواز سن ضرور لینا۔'' چند پل گفتگو مزید جاری رہی تھی۔

آفتاب نے اسے گھر کے باہر ہی اتار دیا لیکن اب بھابھی کی کونسلنگ کے بعد وہ ان باتوں کو نظر انداز کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھی اور کامیاب بھی ہو رہی تھی۔

''ہاں بھئی کرن! کیسے چل رہے ہیں معاملات ''

''خاصے تیز رفتار ہیں۔ امی اور طیبہ بھری بیٹھی ہیں لیکن معاملہ بچوں کا ہے، اس لیے ابھی تک کھل کر کچھ نہیں بول رہیں پر آخر کب تک چپ رہیں گی۔ لائبہ تو جب بولتی ہے ان کی تینوں وکٹیں اڑا دیتی ہے۔''

''مطلب تم خوش ہو؟'' بھابھی مسکرائیں۔

''ہاں میں بہت خوش ہوں کیونکہ پہلی بار اس کھیل میں، میں ان سے آگے کھیل رہی ہوں۔ جب تک میں بچوں پر توجہ دیتی تھی، انہیں امی کے گھر اور باقی ہر طرف بھی ساتھ لے کر جانا چاہتی تھی۔ وہ لوگ مجھے ذہنی تکلیف دینے کے لئے بچے پاس رکھ لیتی تھیں۔ اب جب میں اس ریس سے باہر نکل آئی ہوں تو انہیں وہی پیارے بچے بوجھ لگ رہے ہیں۔ آج بھی خود کہہ رہی تھیں، ساتھ ہی لے کر جاؤ بچے تو الٹا سیدھا بولتے رہتے ہیں، ننھیال کا گھر چھوڑنے والی جگہ تو نہیں ہے پر میں نے کہا۔ آپ لوگ زیادہ پیار کرتے ہیں ننھیال میں کون سا یہ پہلے بچے ہیں جو ان کو پیارے ہوں گے۔'' پھر پوچھا۔

''کب تک یہی طرز عمل جاری رکھنا ہے؟''

''دیکھو کب تک رکھنا پڑتا ہے۔''

لیکن محض تین مہینے بعد ہی گھر کا نقشہ بدل چکا تھا گھر کے جن مکینوں کے بقول وہ بچے جو گھر کے پہلے بچے تھے جن میں سب کی جان تھی۔ اب وہی مکین ان ہی بچوں کو دنیا کے بدتمیز اور شرارتی ترین بچے کہہ رہے تھے۔ ان کے بقول انہوں نے بچے سنبھالنے کا ٹھیکا نہیں اٹھا رکھا تھا۔

''کرن! تم امی اور طیبہ پر انحصار چھوڑ دو۔ یہ ہمارے بچے ہیں ہمیں ہی ان کا خیال رکھنا ہے اور تربیت کرنی ہے۔ باقی سب تو عارضی پیار کرنے والے ہیں۔ میں نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ لائبہ اور اسامہ کو یہ لوگ اتنا برا بھلا کہیں گے، یار بچے ہی تو ہیں، خود ہی انہیں بگاڑ دیا اب خود ہی برا کہہ رہے ہیں۔'' وہ بیڈ پر نیم دراز بڑی سادگی سے دل کا حال ظاہر کر رہا تھا۔

''چلیں چھوڑیں ان باتوں کو، ہم خود اپنے بچوں کا خیال رکھ سکتے ہیں۔ آپ ذرا کھڑکی میں دیکھیں پورا چاند کتنا حسین لگ رہا ہے۔ لائبہ! آپ جا کر پھوپھو کے ساتھ سو جاؤ۔''

''میں نے نہیں جانا وہاں، وہ مارتی ہیں۔''

''کوئی ضرورت نہیں جانے کی، میری بیٹی میرے ساتھ لیٹے گی۔''

آفتاب نے لائبہ کی جگہ اپنے پہلو میں بنائی۔

کرن نے چور نظروں سے اپنے بھولے بھالے جن اور بیٹی کو دیکھا اور مسکراہٹ چھپا گئی کیونکہ وہ ہرگز نہ چاہتی تھی کہ وہ سچائی سامنے لائے اور آفتاب اس کا یعنی کرن آفتاب کا کردار سمجھ سکے۔ وہی تو تھی جس نے چالاکی سے چالاک لوگوں کو غلطی کرنے پر اکسایا تھا جس کی وجہ ان کی اصلیت سامنے آئی تھی اور دنیا کے سب سے پیارے بچے دنیا کے بدتمیز بچے بنا دیے گئے تھے۔

☆☆

زارا ہنجرا

پھر یوں ہوا

گیٹ پری نے کھولا تھا مجھے دیکھتے ہی وہ خوشی سے اچھل پڑی اور حلق کے بل چلا کر ماں کو آوازیں دینے لگی۔

''مما مما! دیکھیں تو کون آیا ہے؟ مما جلدی آئیں۔'' اتنی گرمجوشی سے استقبال ہونے پر میری سفر کی ساری تھکان دور ہوگئی۔

میں نے کپڑوں کا بھاری بیگ ایک طرف رکھا اور پری کو خود سے لپٹا کر خوب سارا پیار کیا اتنے میں مجسس انداز سے چلتی ہادیہ بھابھی باہر آگئیں۔ میں محبت سے آگے بڑھی لیکن بھابھی کا سرد سا رویہ دیکھ کر میرے جذبوں پر اوس سی پڑ گئی۔ خود کو خود میں سمیٹ کر بھاری بیگ گھسیٹ کر بھابھی کی تقلید میں آگے بڑھ گئی۔

ہادیہ بھابھی ایک ٹرے میں دو کپ چائے ساتھ چھ سات بسکٹ لے آئیں۔ میرے برابر بیٹھ کر رسما سا حال احوال پوچھا پھر میرے پلو سے چپکی پری کو گھر کا، وہ ماں کی تیوری سے ڈر کر بیگ اٹھا کے اکیڈمی نکل گئی۔

مجھے تھکان تھی اور نیند کا غلبہ، سونے کے لیے مناسب جگہ درکار تھی مگر یہ پوچھنا کہ میں کس کمرے میں سونے جاؤں۔ اس وقت دنیا کا مشکل ترین کام لگ رہا تھا۔ بھابھی اٹھ کر کچن میں گئیں۔ تو میں ادھر صوفے پر ہی براجمان ہوگئی۔

☆☆☆

اگلی صبح عجیب ہنگامہ خیز سی تھی کچن سے اٹھا پٹخ کی آوازیں تو کبھی بھائی بھابھی کی نوک جھونک میں حیران تھی کہ صبح صبح ہی ماحول بے مزا ہوگیا ہے۔ میں سب کچھ کمرے میں بیٹھی سن رہی تھی نجانے کیوں باہر نکلتے ہوئے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔ پھر ایسا کیا ہوا جو بھیا نے پری کو تھپڑ جڑ دیا کرنٹ کھا کے باہر کو بھاگی، پری کو جا کے اپنی بانہوں میں سمیٹا۔ لیکن ہادیہ بھابھی تن فن کرتی آئیں پری کو میری گرفت سے آزاد کیا، کھینچ کر دوبارہ بھیا کے سامنے لا کھڑا کیا اور خود بھی اس پر چلانا شروع ہوگئیں۔

''کہاں سے آئیں گے پیسے، یہ تمہارا باپ اب کیا ڈاکے ڈالے؟ کچھ رحم کروا اپنے باپ پر اور زبان کا چسکا تھوڑا کم کرو۔'' شاید پری نے اسکول جانے کے لیے پیسے مانگے تھے۔ میں بات سمجھ کے آگے بڑھی اسے ساتھ لگایا اور پھر کمرے سے پیسے لا کر دیے۔

جو اس نے بلا حیل و حجت لے لیے، بھیا بھابھی بھی خاموش رہے لیکن بھیا کے چہرے کی ناگواری

دیکھ کر میں واپس کمرے میں چلی گئی اور دو گھنٹے بعد بھابھی کی پکار پر باہر آئی، سامنے ٹیبل پر سوکھا سا پراٹھا اور فرائی انڈہ میرا منتظر تھا۔ میں ناشتا کرنے بیٹھ گئی۔

بھابھی پھولے منہ کے ساتھ اپنے کاموں میں لگی رہیں اور میرا وہ سارا دن بھابھی کی سرگرمیاں ملاحظہ کرتے گزرا۔ جو برتن آرام سے رکھا اور اٹھایا جا سکتا تھا وہ پٹخا جاتا۔ کیبنٹ کے دروازے زور زور سے مار کر نجانے وہ کیا غصہ نکال رہی تھیں۔ میں کام میں نے ہاتھ بٹانے کے لیے پیش قدمی کی بھابھی نے صاف منع کر دیا۔

"مما! یہ کیا آپ نے دال روٹی بنالی؟" رات کے کھانے پر پری منہ بسور کے بیٹھ گئی۔

"چپ چاپ کھاؤ۔" بھابھی نے دھاڑ کر کہا لیکن پری دبکنے کی بجائے بپھر گئی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو کل سے آپ مجھے بلاوجہ ڈانٹ رہی ہیں صبح پاپا نے مجھے آپ کے بھڑکانے پر مارا تھا نجانے کس بات کا غصہ آپ مجھ پر نکال رہی ہیں۔" ننھی سی پری تن کر ماں کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"پہلے تو ہمارے گھر کبھی دال نہیں بنی روز گوشت یا سبزی گوشت بنتا ہے جب کبھی پاپا کا دال کا دل ہو تو آپ گوشت ڈال کے حلیم بنا لیتی ہیں اور پھر جب باقی مہمان آتے ہیں تب تو کبھی دال نہیں بنی۔"

"بس" بھابھی نے دھاڑ کر ایک تھپڑ اسے جڑا تو پری بل کھا کر کرسی سے ٹکرا گئی۔

"اتنی ہمت تمہاری کہ تم بالشت بھر کی لڑکی مجھے سکھانے پڑھانے لگیں۔" میں مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی رہی، نہ پری کو گلے لگایا نہ بھابھی کو منع کیا مجھے لگا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب میری وجہ سے ہو رہا ہے۔ وہ رات بھابھی نے پری کو اپنے پاس ہی سلایا اور میں نے رات ہی اپنا بیگ دوبارہ پیک کر لیا۔

☆☆☆

ٹرین چل پڑی اور میرے ذہن کی سرزمین پر بھی سوچوں کی ٹرین چلنے لگی بھولے بسرے ماضی ماضی کی کچھ جھلکیاں ذہن کی اسکرین پر روشن ہو گئیں۔

"اف جتنی مہنگائی ہے جان کے لالے پڑ رہے ہیں۔ ایسے میں تو کسی کو ایک کپ چائے پلانا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ کلثوم پھوپھو نے امی کی کڑوی بات کو حلق سے اتار کر چائے کا گھونٹ بھرا میں سخت بدمزا ہوئی، جب سے کلثوم پھوپھو آئی تھیں امی صبح صبح ہی مہنگائی نامہ کھول کے بیٹھ جاتیں اور پھر صبح سے شام ہو جاتی امی کو دکھڑے سناتے سناتے۔

جمعرات کو جو سوجی کا حلوہ اور سبزی کا پلاؤ بنتا تھا کلثوم پھوپھو کی آمد سے بند ہو گیا۔ ہفتے میں دو تین بار صبح ناشتا کبھی پراٹھے کبھی انڈوں کا حلوہ یا دیسی گھی سے بنا اس سب کی جگہ سوکھے پراٹھے اور رات کا بچا سالن غرض ہمارے گھر کا تمام مینیو بدل گیا اور ساتھ ساتھ سارا دن جو کچھ پھوپھو کو سنایا جاتا، وہ جو مہینہ بھر رہنے آئی تھیں۔ پانچ، چھ دن بعد ہی رخصت ہو گئیں۔

پھوپھو کے جاتے ہی گھر کی فضا خوش گوار ہو گئی۔ امی جان کا لہجہ پھر سے مٹھاس بھرا وہی پکوان وہی خوشبوئیں نہ مہنگائی کا رونا نہ کاموں کی تھکن کا دکھڑا۔ وہ وقت کب کا گزر گیا امی ابو اور پھوپھو اپنے اصلی گھروں میں چلے گئے۔

ٹرین میری منزل تک پہنچ گئی اور مجھے پتہ بھی نہ چلا۔

"باجی کہاں گم ہیں آپ کا۔ اسٹیشن آ گیا۔" ساتھ بیٹھی عورت نے مجھے جھنجوڑا میں نے بھیگا چہرہ صاف کیا اور اپنا سامان اٹھا کر نیچے آ گئی اس سارے سفر سے ایک بات واضح ہو گئی کہ کبھی کبھی آپ کی غلطیوں کی سزا آپ کے پیاروں کو بھگتنی پڑتی ہے۔ میں نے ایک بار پھر آنکھیں رگڑیں تھکان سے میرا برا حال تھا۔ اپنے ماں باپ کی بوئی فصل میں کاٹ کے آئی تھی۔

☆☆

صدف عمر

منظر سارا بدل جائے گا

سبزے میں گھرا یہ گھر اپنے مکینوں کی بے اعتنائی کا شکار تھا۔ سبزہ بھی ایسا کہ جیسے جنگل میں آپس میں الجھے پیڑ، بات یہ نہ تھی کہ یہاں سنوارنے والے ہاتھ کم تھے بلکہ یہاں سب ہی ایک دوسرے کے خلاف سازشیں رچائے اپنی ذمہ داریاں دوسروں کے کندھوں پر ڈال کر خود کو بچانے کے فکر میں گھر کو دن بدن ایک جنگل میں بدلتے جا رہے تھے۔ پچھلے احاطے میں ایستادہ اونچے اونچے درخت کئی سالوں سے مناسب کاٹ چھانٹ نہ ہونے کی وجہ سے آپس میں الجھ کر عجیب دیوہیکل سے لگنے لگے تھے۔

شام کے وقت اس طرف کوئی بھولے سے بھی نہ پھٹکتا تھا کیونکہ یہ ویران احاطہ دن کی روشنی میں بھی عجیب خوف ناک لگتا تھا کہ آتے خوف آتا اسی وجہ سے وہاں سال کے بارہ مہینے گرد و غبار کا ایک طوفان سا رہتا تھا جو کبھی کبھی ازراہ مروت اوپری اوپری صاف بھی کروا دیا جاتا۔

کبھی اس جگہ گھر کی مالکن صفیہ بیگم نے بڑے ارمانوں سے کیاریاں بنوائی تھیں کہ سبزیاں اگائی جاسکیں اور جب تک وہ زندہ رہیں انہوں نے اس احاطے کی خوب دیکھ بھال کی۔ بوگن چمپا۔ چنبیلی کی باڑھ لگوائی جو خوب پھلی پھولی۔ مناسب تراش خراش سے یہ حصہ تب بہت خوب صورت لگا کرتا تھا اور شام کو دونوں بچیاں یہاں آکر کھیلا کرتی تھیں مگر ان کے

مکمل ناول

جانے کے بعد یہ جگہ بھی ویران ہوگئی۔ اب چمپا اور چنبیلی کی شاخیں ایک دوسرے سے الجھتی ساری دیوار پر مردنی سے لپٹی رہتیں مگر کوئی قدرشناس ہاتھ ان کو سنوارنے نہ آتا۔

یہ احمد علی کا گھر تھا جو انہوں نے اور صفیہ بیگم نے بڑی محبت و محنت سے بنوایا تھا۔ اس کے سنوارنے میں صفیہ بیگم دن رات جتی رہتیں۔ ان کے محبت بھرے آشیانے میں دو پھول کھلے تھے مہر اور مینا کی صورت میں تو انہیں لگا کہ ان کا گلشن محبت مکمل ہوگیا مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

وہ بہار کا ایک خوب صورت دن تھا۔ جب وہ میاں بیوی مہر کے اسکول میں اس کا رزلٹ لینے جارہے تھے۔ تین سالہ مینا سوئی ہوئی تھی ملازمہ کو اس کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ دونوں ہنستے مسکراتے بائیک پر نکلے اس دن گاڑی خراب تھی مگر احمد علی کی پرانی بائیک موجود تھی سو دونوں میاں بیوی باتیں کرتے جارہے تھے کہ راستے میں ایک موڑ مڑتے کسی گاڑی نے ٹکر ماردی۔ صفیہ اچھل کر سڑک پر گریں اور ان کا سرفٹ پاتھ پر بڑے زور سے لگا جبکہ احمد علی بائیک کے ساتھ گھسٹتے ہی چلے گئے۔ گاڑی والا موقع واردات سے بھاگ نکلا۔ راہ چلتے لوگوں نے ہی انہیں ایمبولینس میں ہسپتال پہنچایا مگر سر پر لگنے والی چوٹ کی وجہ سے صفیہ جانبر نہ ہوسکیں اور راستے میں ہی دم توڑ گئیں۔ البتہ احمد علی شدید زخمی حالت میں بے ہوش تھے۔

ان کی جیب سے نکلنے والے کارڈ کی مدد سے ان کے شوروم فون کرکے ان کی حالت کی اطلاع دی گئی۔ آدھے گھنٹے میں ہی ان کے چھوٹے بھائی آگئے۔ ان کی فوراً سرجری کردی گئی اسی دوران خاندان بھر میں صفیہ کے انتقال کی خبر کردی گئی اور جب روٹھی روٹھی سی مہر کو چچا اسکول سے پک کرنے آئے تو وہ اپنی ٹرافی سنبھالے حیران سی بابا، ماما کے بارے میں سوال کرتی رہ گئی مگر صحن کے وسط میں بچھی چارپائی پر کفن میں لپٹی صفیہ کو سکون سے لیٹا دیکھ کر آٹھ سالہ مہر گم صم رہ گئی۔

وہ وقت بہت کڑا تھا احمد علی کے بغیر ہی صفیہ کی تدفین کردی گئی تھی۔ وہ ابھی تک آئی سی یو میں تھے تین سالہ مینا کو سنبھالنا مشکل ہورہا تھا۔ وہ بار بار ماں کو ڈھونڈتی پکارتی۔ چچی پہلے تو از راہ مروت اس کو بہلانے کی کوشش کرتی رہیں پھر بے زاری سے اسے ملازمہ کے حوالے کرکے چلی گئیں۔ ملازمہ کے ساتھ اس کو بہلاتے ہوئے مہر بھی بے اختیار رونے لگتی۔ ملازمہ ترس سے ان دونوں بچیوں کو دیکھتی اور گلے سے لگا کر چپ کروانے کی کوشش کرنے لگتی۔

وقت کا مرہم یقیناً ہر گھاؤ بھر دیتا ہوگا —— مگر مہر کی زندگی سے حادثہ ایک آکٹوپس بن کر چمٹ گیا۔

احمد علی اسپتال سے ڈسچارج ہو کر آ تو گئے مگر ان کی کمر کا نچلا حصہ سخت متاثر ہوا تھا جس کی وجہ سے چلنا پھرنا دوبھر تھا ان کے لیے۔ ان کے چھوٹے بھائی انور علی نے اپنی فیملی سمیت اپنے چھوٹے سے گھر سے ان کے ہاں شفٹ کا فیصلہ کیا انور علی ایک ناکام انسان تھے۔ چھوٹی موٹی نوکری کرتے پھر چھوڑ دیتے۔ ترکے میں ملی جائیداد بیچ کر کھا چکے تھے۔ کچھ بیوی بھی عیش پسند اور آرام طلب تھیں سو اب مشکلوں سے گزارا کرتے پھرتے تھے۔ ایک دو کمروں کا اپنا ذاتی تنگ سا گھر تھا سو یہاں آنا ان کی لاٹری کھلوا گیا تھا جب اتنے روشن اور شان دار گھر میں آنے کا موقع ملا تو بتول چچی کے عیار ذہن نے خود جوڑ توڑ شروع کردی۔

ترکے میں ملی جائیداد سے احمد علی نے یہ گھر اور بڑا سا الیکٹرونکس شوروم کھولا تھا۔ اوپر سے صفیہ بھی گھر گرہستی کی ماہر اور سلیقہ مند تھیں۔ سو یہ گھر زمین خرید کے اپنی مرضی و پسند کے مطابق انہوں نے بنوایا تھا۔ وہ شروع سے ہی محنتی اور ترقی پسند ذہن کے مالک تھے سو اپنی لائف سٹیل کرچکے تھے مگر قسمت میں اور ہی کچھ لکھا تھا جو کہ بہت تلخ تھا۔ بتول بیگم آتے ہی پورے گھر پہ چھا گئیں۔ سب کچھ اپنے کنٹرول میں کرلیا۔ پرانی ملازمہ کو چھٹی دے دی گئی اور ایک نئی

ملازمہ رکھ لی گئی۔

☆☆☆

انور علی کو بھی وقتاً فوقتاً برین واش کر کے انہیں تقریباً اپنی مٹھی میں کر کے اب وہ سب کچھ اپنی مرضی سے کروانے لگیں۔ چار سالوں میں ہی سارا گھر کاروبار ان کے کنٹرول میں چلا گیا۔ احمد علی بے بس سے ہو گئے۔ انور علی نے شروع شروع میں بھائی کے علاج پر کچھ توجہ دی مگر اب مناسب علاج اور ورزش نہ ہونے کی وجہ سے وہ زیادہ چل پھر نہیں سکتے تھے اور اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئے تھے ان کے قابل اعتبار ملازمین کب کے فارغ کر دیے گئے تھے۔ علاج کے نام پر اب وہ ڈھیروں دوائیاں آتی تھیں جنہیں وہ کھاتے تھے بتول بیگم تو اس کے بھی خلاف تھیں مگر شاید اندر کچھ خون کی کشش باقی تھی کہ اس معاملے میں انور علی نے ان کی ایک نہ سنی۔ نیچے کے پورشن میں بڑا روشن کمرہ بتول بیگم کا بیڈ روم بن گیا جب کہ دوسرا بڑا کمرہ ان کی لاڈلی بدتمیز بیٹی نرمین کا تھا۔ وہ اتنے بڑے کمرے میں اکیلی ہی رہتی تھی بقول چچی کے۔

"اکلوتی ہے نا، اس لیے کسی کی شراکت داری اسے پسند نہیں۔" یہ کہتے وہ بھول جاتیں کہ خود وہ دو کمروں کے عام سے گھر سے اٹھ کر آئی تھیں۔

اوپر کے پورشن میں دو کمرے ان کے بیٹوں نے بانٹ لیے۔ گھر کا سارا نظام ہی الٹ پلٹ گیا۔ ان کے تینوں بچے بہت شور مچاتے اور لڑنے کے عادی تھے۔ نرمین بات بات پر چیختی روتی رہتی گو کہ مہر سے تین سال چھوٹی تھی مگر نہایت نک چڑھی اور بدتمیز تھی۔ زندگی گو کہ مشکل تھی مگر ایسے میں احمد علی کی اکلوتی بہن الفت بھی سسرال سے لڑ جھگڑ کر اپنے تینوں بچوں کو لے کر ادھر مستقل ڈیرے ڈالنے آ گئیں۔ بتول چچی کو تو آگ ہی لگ گئی مگر الفت بھی اپنے نام کی ایک ہی تھیں۔ ان کو سنانے کے لیے علی الاعلان بولتی رہتیں۔

"دو بھئی، میرے تو سگے ماں جائے کا گھر ہے۔ جب پرائے لوگ عیش کر سکتے ہیں (ایسے میں بطور خاص بتول چچی کو دیکھا گیا۔ وہ پہلو بدل کر رہ گئیں) تو میرا تو پورا حق بنتا ہے۔ ادھر رہوں گی تو اپنی پیاری بھتیجیوں کا خیال بھی رکھوں گی اور نظر بھی کہ واقعی خدمت ہو رہی ہے میرے بھائی کی یا صرف دکھاوا ہو رہا ہے۔ سچ بھائی صاحب! چھ سال سے مراد باہر گئے ہوئے ہیں۔ پلٹ کر نہیں پوچھا کہ زندہ ہو یا مر گئی ہو۔ میں ان کے گھر والوں کی کوئی خادمہ تھی جو دن رات ان کی خدمت کرتی رہتی۔ بس اس دفعہ مراد کے فون کرنے پر میں نے صاف صاف اپنا فیصلہ سنا دیا کہ میں تو اپنے بھائی کے گھر جا رہی ہوں بچوں کو لے کر اور اس وقت تک وہیں رہوں گی جب تک وہ کوئی فیصلہ نہیں کر لیتا۔ اگر اسے اپنے بچوں سے پیار ہے تو ہمارے ویزے بھجوا کر ہمیں بلوا لے' ورنہ بصورت دیگر میں اپنے بھائی کے گھر رہوں گی۔ کیوں بھائی صاحب؟ میں نے ٹھیک کہا نا؟" نان اسٹاپ بولتے انہوں نے رک کر خاموش بیٹھے احمد علی سے بڑی لگاوٹ سے پوچھا تو وہ بس پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گئے کیا بولتے؟

"اب دیکھیے گا میں آ گئی ہوں نا تو آپ کی خوب خدمت کروں گی۔ دنوں میں بھلے چنگے ہو جائیں گے۔ اور میری بچیاں، میری جگر گوشیاں" انہوں نے پاس کھڑی مینا کو کس کر گلے لگایا وہ بے چاری کسمسا کر رہ گئی۔ بتول بیگم کا بی پی ہائی ہونے لگا تھا وہ دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئیں۔ چار سالوں میں بھی پلٹ کر خبر نہ لی۔ اب اپنے مطلب کے لیے بی بنو آ گئیں' ان کے تاثرات سے بے نیاز الفت اپنی ہانکے گئیں اور بارہ سالہ مہر کے دل میں ہول اٹھتے رہے وقت نے شعور کی سیڑھیاں جلد ہی طے کروا دی تھیں۔ سو آنے والے دنوں کا نقشہ بخوبی نظر آ رہا تھا۔

پہلے تو کمروں پر خوب گرما گرمی اور لے دے ہوئی' آخر کار پھوپھو نرمین کے کمرے پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئیں۔ نرمین پاؤں پٹخ پٹخ کر روتی تھی۔ بتول چچی نے بیٹوں کو ایک کمرے میں کر کے

زمین کو کمرہ دلوا تو دیا مگر زمین ہنوز روٹھی تھی۔ پھوپھو اس کے واویلے پر منہ بنائے سنائی رہیں۔

"اتنی سی بچی ہے لیکن ہے پوری فتنی پورے کمرے پر قابض ہوئی بیٹھی تھی اور اب دیکھو کیا طوفان اٹھا رکھا ہے ہونہہ!"

اسد کو معاذ اور بابر کے کمرے میں زبردستی سیٹ کر دیا گیا۔ یوں یہ گھر اتنے لوگوں اور مختلف مزاج کے لوگوں کی وجہ سے ہر وقت طوفان کی زد میں آئی کشتی کی طرح رہنے لگا۔

مہر کو پہلے بہترین اسکول سے نکال کر ایک ایوریج پرائیویٹ اسکول میں ڈالا گیا تھا اب اتنے لوگوں کے آنے پر خرچ بڑھ جانے کا کہہ کر اسے اور مینا کو سرکاری اسکول میں ڈال دیا گیا۔ احمد علی کی دوائیں بھی دن بدن گھٹتی گئیں۔ زندگی عجیب موڑ پر انہیں کھڑا کیے۔ ان کا امتحان لینے پر تلی بیٹھی تھی۔ کوئی راہبر تھا نہ ہمدم بےبسی سی بےبسی تھی۔

☆☆☆

"ہیلو ہیلو کیا ناشتا ملے گا؟" مینا بابا کے لیے ناشتا بنا چکی تھی جب بابر حسب عادت شور مچاتا اندر آیا تھا۔ مینا ان سنی کرتی ٹرے میں برتن لگاتی رہی۔

چچی اپنا اور چچا کا ناشتا بھی اس سے بنوا کر اپنے کمرے میں لے گئی تھیں۔ زمین حسب معمول سو رہی تھی اور پھپھو اور ان کی صاحبزادیوں کی صبح گیارہ بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی۔ دونوں بی اے میں دو دو سال لگا کر اب گھر میں فارغ بیٹھی تھکان اتار رہی تھیں۔ سو اس وقت مینا اور مہر کے علاوہ شاید ہی کوئی جاگتا پایا جاتا تھا۔ چچی بھی نجانے آج کیسے جلدی اٹھ گئیں۔

مہر اپنا ایم ایس مکمل کر چکی تھی اور اب دو سال سے ایک پرائیویٹ کالج میں پڑھا رہی تھی جبکہ مینا تھرڈ ایئر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ اپنا اور بابا کا ناشتا لے کر جانے لگی۔ جب بابر نے روک دیا۔ "سنا نہیں تم نے۔ مجھے بھی ناشتا چاہیے"

"تو جا کر اپنی والدہ ماجدہ سے کہہ دیں ناں کہ آ کر ذرا ہاتھوں کو زحمت دے دیں۔ ویسے بھی مجھے کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" اس نے ٹکا سا جواب دے دیا۔

"اس وقت والدہ کو ان کے حجرے سے نکلوانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ تم بس مجھے ایک کپ چائے بنا دو۔ آج میرا ایک ضروری اسائمنٹ ہے مجھے ذرا جلدی جانا ہے۔" بابر ایم بی اے کر رہا تھا۔ سارے بہن بھائیوں میں بس ایک وہی واحد تھا جو پڑھائی میں اچھا تھا۔

معاذ بی اے کے بعد پڑھائی کو خیرباد کہہ کر چچا کے ساتھ اسٹور پر بیٹھنے لگا تھا۔ رہ گئی زمین۔ تو اس نے یونی ورسٹی میں داخلہ صرف ٹائم پاس کے لیے تھا۔ یونی ورسٹی اس کے لیے ایک فیشن پریڈ تھی جس میں وہ ہر مہینے کی جانے والی شاپنگ اور نئے نئے سوٹ دکھانے جاتی تھی لہٰذا جب دل چاہتا تھا جس وقت چاہتا وہ چلی جاتی جبکہ پھوپھو کی بیٹیوں کو پڑھائی سے ذرہ برابر بھی شغف نہ تھا۔ دھکوں سے بی اے کرنے کے بعد وہ اب سارا دن گھر بیٹھے موبائل میں لگی رہتیں یا پھر باہر دوستوں کی طرف چلی جاتیں۔

اسد بھائی کو ایف اے کے بعد ان کے والد نے اپنے پاس امریکہ بلوا لیا تھا سو اب تو نخرے اور آسمانوں کو چھونے لگے تھے۔ آخر وہاں کی کمائی کا زعم تھا سو اب تینوں خواتین کے کمرے میں روم ریفریجریٹر کے علاوہ نت نئے سامان کا ڈھیر تھا۔ اور بتول چچی کا رویہ بھی بادل ناخواستہ ہی سہی اچھا ہو گیا تھا۔

"تم یوں کرو یہ سامنے ساس پین پڑا ہے اس میں دودھ چینی پتی ڈالو اور ابال آنے پر حلق میں انڈیل لو۔ میں کیا کروں جو تمہارے ضروری اسائمنٹ ہے۔"

بے اعتنائی سے کہتے ہوئے وہ ٹرے اٹھائے نکل گئی۔ بابر سر پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔

"ہونہہ اپنی بہن صاحبہ سارا دن آرام کرتی رہتی ہے اور کام کرنے کو ہم ہی رہ گئے ہیں۔ ہمارے گھر

میں ہی رہتے ہیں۔ ہمارا ہی کھاتے ہیں اور ہمیں ہی ملازموں کی طرح ٹریٹ کیا جاتا ہے۔'' بابا کے کمرے تک جاتے جاتے وہ جلے دل کے پھپھولے پھوڑتی رہی۔

بابا روزانہ کی طرح سرہانے سے ٹیک لگائے نیم دراز تسبیح پڑھ رہے تھے۔ اپنی اس معصوم اور جذباتی 'قدرے دلیر بیٹی کو یوں بڑبڑاتے دیکھا تو دھیما سا مسکرا دیے۔

''چلیے بابا، آئیں گرم گرم ناشتا کریں۔ جلدی جلدی پھر مجھے کالج کی تیاری بھی کرنی ہے۔''

''تایا ابو کو ضرورت نہیں جلدی جلدی کرنے کی کیونکہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے سوائے ہی کرنے دیں۔ ہم تو درویش لوگ ہے ناں۔'' بابر ڈھیٹ بنا پیچھے پیچھے ہی آ گیا تھا۔ اور اس کو چڑانے کو شیطان پر زور ڈالتے ہوئے بابا کے پاس براجمان ہو گیا۔

''تمہارا مطلب ہے میں شیطان ہوں؟'' اس نے اسے گھورا تھا۔

''میرا مطلب تھا کہ ہم درویش ہیں میں اور تایا ابو کیوں تایا ابو؟''

اس نے ہاتھ اٹھا کر معصومیت سے بابا سے تصدیق چاہی وہ مسکرا دیے۔

''بھئی یہ تو میری چھوٹی پری ہے اور ہم اس کا ہر حکم مانتے ہیں۔ ناشتا تو جلدی کرنا پڑے گا۔''

اس کا پھولا سرخ چہرہ محبت سے دیکھتے ہوئے بابا نے اس کی سائیڈ لی تو وہ ذرا مسکرائی۔ بابر نے ٹرے میں رکھا کپ اور سلائس اٹھا لیا۔

''ارے ارے، رکھو اسے، یہ مہر کے لیے ہیں۔ تم سب کو تو بس تیار نوالہ کھانے کی عادت ہے۔'' اس کا جملہ بہت تلخ تھا۔

''اونہہ مینا۔''

اس کے غلط انداز و الفاظ پر بابر نے تنبیہ کی۔

''میں کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی بابا۔ جائے اور اپنی بہن یا والدہ صاحبہ سے کہہ کر ناشتا بنوائے۔ ہم کیا ان کے نوکر لگے ہیں۔

''رہنے دیں تایا ابا۔ سچ ہی تو کہہ رہی ہے۔'' بابر بڑے مطمئن انداز میں بغیر برا مانے کھائے جا رہا تھا۔ بابا کو اس کے انداز پر تاسف ہوا کہ بابر سب سے بہت مختلف تھا اور ان سے بہت محبت کرتا ہے مینا کا پارہ اس کے انداز پر ہائی ہوا جا رہا تھا۔

''بابر کے بچے......''

''انہیں بھی پلیز کھلا دو۔''

وہ اتنا برجستہ بولا کہ پہلے تو وہ کچھ ہی نہیں، ب، ہونقوں کی طرح اسے دیکھ کر رہ گئی مگر جب کچھ تو چ، سخت کہنے ہی والی تھی کہ مہر تیار ہو کر آ گئی۔

''ارے واہ! آج تو بڑے لوگ نظر آ رہے ہیں۔''

''بڑے لوگ تو آپ ہیں۔ جاب لگنے کے بعد ہم کہاں نظر آتے ہیں آپ کو۔'' وہ جواباً بولا تھا۔ مہر مسکرا دی پھر بابا کی طرف مڑی۔

''بابا! آپ ناشتا کریں تو میں میڈیسن دے دوں آپ کو۔''

مینا اس دوران غصے سے منہ پھلائے اپنا کپ اٹھائے سائیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔ بابر نے ستائش و احترام سے مہر کو دیکھا وہ بہت دھیمے مزاج کی شاکر طبیعت کی تھی۔ بہت فرض شناس اور محنتی، مینا سے الٹ مکمل مزاج۔

''میں لے لوں گا تم آؤ ناشتا کر لو، دیر ہو رہی ہے تمہیں۔'' بابا نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بٹھا لیا۔

''سوری مہر، آپ کی چائے میں نے پی لی۔'' بابر معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے سہولت سے کہہ کر سلائس اٹھا لیا۔ بابا نے چائے دانی دیکھی تھوڑی سی چائے باقی تھی۔ پھر اپنے کپ کو دیکھا آدھا کپ بھرا ہوا تھا انہوں نے چائے دانی سے چائے اپنے کپ میں انڈیل کر اسے تھما دی اور محبت سے بولے۔

''سوکھے سلائس حلق میں پھنس جائیں گے۔''

"مہر! بابا کی چند دوائیں ختم ہیں آپ واپسی پر لے آیے گا۔"

مینا بابر کو نظر انداز کیے دراز سے پرچہ نکال کر مہر کو تھمانے لگی مگر بابر نے ہوا میں اچک لیا۔

"چھوڑیں مہر، میں لے آؤں گا تایا ابو کی دوائیں مجھے یوں بھی جلدی آنا ہے۔"

"جی...... اور پھر آپ کی والدہ آپ کے تو لتے لیں گی مگر ساتھ میں ہمیں بھی وہ سنائیں گی کہ آئندہ کے ہماری سات پشتیں بھی اس احسان کو یاد رکھیں گے۔" مہر نے مینا کو گھورا بھی مگر اس کی کتر کتر چلتی رہی۔

"بری بات مینا، کسی کے خلوص پر شک نہیں کرتے۔"

"شک؟ بابا شک نہیں۔ میں یقین سے حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ جس کے عملی مظاہرے ہم کئی سالوں سے دیکھ اور بھگت رہے ہیں۔"

اس کی کڑوی باتیں حالات کی مرہون منت تھیں۔

"تم رہنے دو بابر، میں لے آؤں گی۔"

مہر نے لاکھ منع کیا مگر وہ مصر رہا۔

"غیریت مت برتیں مہر، اور ہاں تایا ابو! لوگوں سے کہیں کہ مرچیں کم کھایا کریں۔ روز بروز مہنگی ہوتی جا رہی ہیں سو لگتی بھی خوب ہیں۔" وہ آخر میں بھی اسے چھیڑنے سے باز نہ آیا اور شرارت سے کہتا نکلتا چلا گیا۔ پیچھے وہ سلگ کر رہ گئی۔

☆☆☆

شام کی چائے پر آج لاؤنج میں بڑی رونق تھی پھوپھو اور بتول چچی میں آج کل بظاہر بڑی یگانگت نظر آ رہی تھی اور ایسا خاص خاص موقعوں پر ہوتا تھا پھر جب سے اسد بھائی بھی امریکہ گئے تھے تب سے چچی نے اپنی پالیسی بدل لی تھی۔ اب وہ کھلم کھلا پھوپھو سے محاذ آرائی سے گریز کرتیں مگر باتوں کے بیٹھے وار عادت سے مجبور ہو کر گزرتیں بقول ان کے وہ بہت صاف گو تھیں سو منافقت اور سیاست ان سے نہیں ہوتی تھی جو دل میں ہوتا وہی زبان پر۔

سو آج لاؤنج میں اکٹھی چائے پی جا رہی تھی اور تو اور شہزادی زرمین بھی اپنے حجرے سے باہر عام رعایا میں نظر آ رہی تھیں۔ سیما اور سائرہ سر جوڑے فیشن میگزین پر جھکی ڈسکس کر رہی تھیں۔ زرمین شاہانہ انداز میں صوفے پر نیم دراز اپنے قیمتی اسمارٹ فون کو ہاتھ میں لیے کھٹا کھٹ انگلیاں چلا رہی تھی۔ تینوں میں اگر دوستی نہ سہی تو ایسی خاص دشمنی بھی نہ تھی تینوں اب اوپر کے پورشن میں ہی ہوتی تھیں۔

پچھلے کچھ سالوں میں اوپر دو کمرے مزید تعمیر کرائے گئے تھے ایک نیا کھلا ہوا دار کمرا تو فوراً زرمین نے لے لیا۔ دوسرے میں یہ دونوں بہنیں شفٹ ہو گئیں کیونکہ بقول پھوپھو کے کہ ان کی رات دیر تک پڑھائی کرنے سے وہ ڈسٹرب ہوتی تھیں۔ ایسا لنگڑا عذر اب کوئی ان سے پوچھے ایسی کون سی پڑھائی تھی جو گھسٹ کر بی اے تھرڈ ڈویژن میں کیا گیا تھا مگر ایسا پوچھ کر اوکھلی میں سر کون دے سکتا تھا۔ حالانکہ دونوں صاحبزادیاں اب بھی رات گئے تک نیچے والدہ کے کمرے میں ہی پائی جاتی تھیں۔ بابر نے البتہ شکر ادا کرتے ہوئے زرمین کے چھوڑے نئے کمرے میں شفٹ ہونے میں دیر نہ لگائی تھی۔ معاذ کی اس سے خاص بنتی نہ تھی۔

"مینا! ذرا یہ چائے تو گرم کر لاؤ۔" وہ بابا کے کمرے سے ان کے لیے پانی کا جگ بھرنے لگی تھی مگر چچی نے آرڈر دے دیا، دل چاہا کہ کہہ دے زرمین بھی یہیں ہے مگر جانتی تھی وہ فضول میں الجھیں گی۔ چائے گرم کر کے وہ بابا کے لیے پانی لے گئی۔

"سنا ہے ریحان بھائی کا وہ امریکا والا ڈاکٹر بیٹا آیا ہوا ہے۔ پرسوں میری ثریا سے ملاقات ہوئی تو بتا رہی تھی۔" اصل مدعا پر اب آیا گیا۔

"جانتی ہوں میں۔ مجھے بھی فرحت بتا رہی تھی کہ اس دفعہ شادی کی نیت سے آیا ہے۔ جلد ہی ریحان بھائی کے گھر ایک بڑی تقریب رکھی جا رہی ہے۔ سارے خاندان کو بلایا جائے گا۔" پھوپھو زیادہ

باخبر تھیں۔

"واؤ اس کا مطلب ہے سوئمبر رچایا جا رہا ہے پھر تو لوگوں کی تیاری دیکھنے والی ہوگی۔"

سیما نے میگزین سے سر اٹھا کر ٹھٹھا مارا۔ سائرہ بھی اس کا اشارہ سمجھ کر ہنسنے لگی تھی۔ نرمین نے تیکھی نظروں سے دونوں کو گھورا۔ دھیان تو اس کا بھی سارا ادھر ہی تھا مگر وہ ہمیشہ ہر ایسے معاملے میں خود کو بے نیاز ظاہر کرتی جیسے اسے پرواہی نہ ہو۔

"جو بھی رچایا جا رہا ہو، میرا خیال ہے الفت، کیوں نا انہیں دعوت پر بلا لیا جائے دیکھو نا ریحان انور کے سگے تایازاد ہیں۔ اتنا حق تو بنتا ہی ہے نا۔"

(ہمارا) یہ فقرہ دل میں دہرایا۔

"ٹھیک ہے پھر، آج دعوت دے ڈالتے ہیں۔" پھوپھو کو ان کی چالاکی کی خبر تو تھی مگر مجبور تھیں۔ ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے وہ الگ سے چھپا کر دعوت نہیں کر سکتی ہیں آخر کو خاندان کی بات تھی۔

"ہاں، رات کو فون کر کے انہیں پرسوں رات کھانے پر بلا لیتے ہیں۔ یوں بھی ہفتے کی رات ہوگی۔ اگلا دن چھٹی کا ہوگا سو سب کو سہولت رہے گی۔"

پھوپھو یا ان کی بیٹیاں کون سا پڑھتی یا جاب کرتی تھیں یہاں بھی چچی نے اپنی سہولت دیکھی تو پھوپھو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر بظاہر مینیو منتخب کرنے لگیں۔ سیما اور سائرہ کو اپنے کپڑوں اور پارلر کی فکر لگ گئی۔ نرمین بظاہر بے نیاز تھی مگر اپنی انفرادیت کیسے برقرار رکھتی ہے اسے خوب اچھی طرح آتا تھا اسے خود پر بہت زعم تھا۔ یوں بھی وہ سائرہ، سیما سے زیادہ اسٹائلش اور حسین تھی کھلا پیسہ ہاتھ میں تھا سو اس کی پسند خود بخود لاجواب ہوتی گئی اسٹیپ میں کٹے بال، چمکتی اسکن اور لمبے کیونکس لگے ناخن، وہ ہر طرح سے اپنا خیال رکھنے کی قائل تھی' سو ابھی سے بہت پراعتماد تھی۔ دو دن بعد کی دعوت کے لیے۔

رات کو دعوت دینے کا فریضہ سرانجام دے دیا گیا اور اگلے دن سے گھر میں ایمرجنسی لگ گئی۔ کام والی کی شامت آئی ہوئی تھی۔ وہ جو کینوں کی لاپروائی کی وجہ سے ڈنڈی مار جاتی تھی۔ اب کونے کھدروں میں گھس کر گند نکلوایا جا رہا تھا۔ بازار سے نئے گملے لائے گئے جو دروازے سے قطار در قطار آتے ہوئے۔ برآمدوں کی سیڑھیوں میں بھی رکھوائے گئے' کیاریوں کی سیٹنگ اور پچھلے لان کے لیے عارضی طور پر کہیں سے ایک مالی بلوایا گیا۔ ازراہ تکلف پچھلا احاطہ بھی صاف کروایا گیا۔

سائرہ اور سیما دن میں بازار اور شام میں پارلر میں پائی جاتیں۔ پھوپھو بینک سے اپنے قیمتی کپڑے اور لاکٹ سیٹ بھی نکلوا لائیں آخر امپریشن بھی تو جمانا تھا۔ نرمین خاموشی سے اپنے پارلر کا ایک وزٹ کر آئی تو اس کی اسکن چمک رہی تھی۔ بالوں کی ٹریٹمنٹ' مینی کیور، پیڈی کیور وہ بہت مطمئن تھی۔ سائرہ اور سیما گو کہ بہت خوب صورت نہ تھیں۔ مگر انہیں کم شکل بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔ مگر نرمین کی طرح طرح دار نہ تھیں۔

ان ساری تیاریوں سے مہر بے نیاز اور مینا بے زار تھی کیونکہ زیادہ شامت اس کی آئی ہوئی تھی۔ ملازمہ کے ساتھ لگے رہنے کی ڈیوٹی اس کے سر تھی اسی وجہ سے دو دن کالج سے بھی آف لینا پڑا۔ مہر کی مجبوری تھی مگر اس پر بھی اسے خوب باتیں سننے کو ملی تھیں۔ مینیو تو سارا کا سارا تھکا دینے والا تھا اور بنانا ان دونوں بہنوں کو ہی تھا۔ مہر کالج سے آکر جو کچن میں جتی تو شام کو ہی جا کر فارغ ہوئی۔

"اب بس بھی کریں مہر، کچھ کام اور لوگوں کو بھی کرنے دیں۔" بابر کچن میں پانی پینے آیا تو پسینے میں نہائی مہر کو دیکھ کر سخت متاسف ہوا۔

"جی...... لوگوں سے بھی جا کر کہہ دیں نا کہ خود آکر زحمت کریں اور ہماری بھی بس کرا دیں۔ اگر اتنی ہمت ہے آپ میں۔"

سلاد سجا کر فارغ ہوئی مینا مہر کے بولنے سے

Scanned with CamScanner

پہلے تلخی سے گویا ہوئی۔ "آج بابا کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔

"بس کام ختم ہی سمجھو بابر۔"

مہر نے ایپرن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے اسے ٹالا۔

"ہمت کی بات نہ کرو تم مگر میں جانتا ہوں تم لوگوں کے حق میں بولنا۔ تم لوگوں کی زندگی مزید مشکل کرنے کے مترادف ہے۔"

وہ کہہ سچ ہی رہا تھا۔

"اب کون سی آسان ہے۔ تھوڑی اور مشکل سہی۔ خواری مزید سہی۔"

اس کے لہجے کی تپش ویسے ہی تھی

"مہر...... یہاں خود سے کسی کو بھی احساس ہونے والا نہیں۔ جب تک آپ خود احتجاج نہیں کریں گی۔ خود کو ویلیو نہیں دیں گی۔ ہر حکم کو خاموشی سے بجالانا بھی تو ظلم ہے۔" مینا کی تخی کو نظر انداز کیے وہ مہر سے مخاطب ہوا۔

"بولنے کا انجام یا احتجاج کرنا سوائے خواری کے کچھ نہیں۔ سو چپ رہنا ہی بہتر ہے۔" مہر کے تھکے تھکے لہجے پر مینا سر جھٹک کر رہ گئی۔

"سب کام ہو گیا ہے تو تم دونوں اب جاؤ...... ہیں...... تم کب آئے؟"

بتول چچی تیز تیز بولتی کچن میں داخل ہوئیں۔ مگر بابر کو دیکھ ٹھٹک گئیں۔ وہ صبح کا نکلا تھا۔ ان کے مشکوک انداز پر بھی بابر چہرے پر سخت تاثر لیے چپ کھڑا رہا۔

"جی چچی، سب کام تقریباً ہو گیا ہے۔ بریانی دم پر ہے۔ کڑاہی تیار ہے۔ نرگسی کوفتے ریڈی ہیں۔ کباب صرف تلنے ہیں۔ فش بھی فرائی کر دی ہے۔ سلاد وغیرہ بھی تیار ہے۔"

وہ مہر کو سننے کے بجائے بابر کو ہی گھورتی رہیں۔ مگر دبے لہجے میں ٹوک کر بولیں۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اب تم دونوں جاؤ۔ باقی کا کام بچیاں دیکھ لیں گی اور ہاں۔ مہمانوں کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔ اپنے اور اپنے ابا کے لیے کھانا نکال لینا۔ دوپہر کا سالن فریج میں پڑا ہے۔"

"باقی رہ کیا گیا ہے امی؟ جو "بچیاں" دیکھ لیں گی۔"

مینا جو چچی کی خود غرضی پر دل ہی دل میں سلگ رہی تھی۔ بابر کے طنزیہ لہجے پر ایک تیکھی نظر ڈال کر رہ گئی۔

"باقی سو کام ہوتے ہیں اور یہ تمہیں کیوں ہمدردی کا بخار چڑھا رہتا ہے کیوں اتنا درد اٹھ رہا ہے۔ صبح سے غائب ہو اب آئے ہو تو ادھر چپک کر بیٹھے ہو۔"

انہیں ان دونوں کے سامنے اس کا طنزیہ لہجہ کھلا تھا۔ سو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئیں۔ مہر نے بھی یہاں سے نکل جانا مناسب سمجھا جانتی تھی کہ اب اس کو بھی رگیدا جائے گا۔ کمرے میں آئی تو واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ یقیناً اب مینا دیر تک پانی کے نیچے کھڑی ہو کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرتی رہ گی۔

☆☆☆

دعوت حسب خواہش بہت شان دار رہی۔ ریحان بھائی اپنی فیملی کے ساتھ آئے تو پھوپھو بطور خاص برانڈڈ سوٹ اور زیور پہنے خود کو معتبر سمجھ رہی تھیں تو دوسری طرف۔ بتول چچی کی بھی تیاری کچھ کم نہ تھی۔ صفوان ان کی توقع سے زیادہ شان دار تھا۔ چھوٹا والا بھی چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ پڑھ رہا تھا۔ ڈیشنگ تو وہ بھی تھا۔ ایک ہی بیٹی تھی جو فائن آرٹس کی اسٹوڈنٹ تھی۔ وہ بڑی الگ تھلگ سی بیٹھی تھی۔ سیما اور سائرہ جو مہمانوں کی آمد کے ساتھ ہی ڈرائنگ روم میں آگئی تھیں۔ اس سے کچھ دیر تو خوش اخلاقی نبھانے کی کوشش کرتی رہیں مگر اس کے لیے دیے انداز پر منہ بنا کر بیٹھ گئیں۔ دونوں معزز خواتین لڑکوں کی پرسنالٹی دیکھ کر دل ہی دل میں جوڑ توڑ کر کے خوش ہوتی رہیں۔ نرمین البتہ کسی

گیسٹ آف آنر کی طرح کافی دیر بعد اندر آئی جب کولڈ رنک کا دور چل چکا تھا۔ ایک ادائے بے نیازی کے ساتھ وہ اندر آئی تھی۔ بلیک شارٹ شرٹ اور پینٹ کے ساتھ نیٹ کا دوپٹہ اسٹائل سے ایک کندھے پر ڈالے، چمکتے نئے انداز میں سیٹ کیے بالوں کے ساتھ وہ بڑے اعتماد سے اندر آئی تو اس کے خیال میں چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ بتول چچی نے سدرہ آنٹی کے پوچھنے پر فخریہ اپنی پیشکش کا تعارف کروایا۔

پھوپھو اور دونوں لڑکیاں اس کے انداز دیکھ کر جل کر رہ گئیں۔ آج تو انور علی بھی اسد کے ساتھ بڑے ٹائم سے گھر آ گئے تھے اور ریحان کے ساتھ بیٹھے خوش اخلاقی بگھار رہے تھے۔ میز سجانے پر سیما اور سائرہ کی خوب لے دے ہوئی نرمین نے اٹھ کر ایک گلاس بھی ٹیبل پر نہ رکھا۔ پھوپھو دل ہی دل میں جلتی بھنتی اس وقت انہیں کسی طرح منا کر یہ کام کرانے میں کامیاب تو ہو گئیں مگر سوچ لیا کہ بعد میں نرمین کے خوب لتے لینے ہیں۔

کباب پھوپھو نے شرماشری خود تل لیے۔ چچی تو لگتا تھا ایلفی لگا کر بیٹھی ہیں۔ کھانے کے بعد آئس کریم کا دور چلا۔ اسد کھانے پر شریک ہوا۔ مگر بابر کھانے پہ ہی باہر نہ آیا۔ چچی کو اس کے انداز کھلے تو بہت مگر اس وقت صبر کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ انور صاحب سے باتوں کے دوران ریحان بھائی نے دوبارہ سے احمد علی کے بارے میں پوچھا تھا۔ وہ جب سے آئے تھے ان کے بارے میں دو تین بار پوچھ چکے تھے مگر دونوں خواتین انہیں مسلسل ٹالے جا رہی تھیں کہ وہ بہت بیمار ہیں زیادہ دیر بیٹھ نہیں سکتے اب تک وہ دوا کھا کر سو جاتے ہیں۔

مگر اب کی بار وہ اصرار کر کے انور چچا کے ساتھ احمد علی سے ملنے آ گئے۔

دونوں خواتین بھی انہیں روک نہ سکیں۔ مینا اس وقت ان کی پنڈلیوں کی مالش کر رہی تھی جبکہ مہر ان کو میڈیسن دے رہی تھی۔ ان کی پنڈلیوں اور کمر کے نچلے حصے میں درد بڑھ گیا تھا۔ مہر سوچ رہی تھی کہ ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لے۔ چھوٹی ٹیبل پر کھانے کی ٹرے جوں کی توں موجود تھی جس میں سے جھانکتے باسی ٹھنڈے دیکھ کر انور چچا کو ذرا سی شرمندگی ہوئی۔ جانتے تھے کہ یہ آرڈر کس کا ہوگا۔

دونوں لڑکیوں نے آنے والے مہمان کو سلام کیا وہ بہت محبت اور گرم جوشی سے بابا سے ملے۔ کچھ دیر خیر خیریت پوچھنے کے بعد انہوں نے شفقت سے مینا کو دیکھ گلہ کیا۔

"یہ دونوں پیاری سی بیٹیاں تمہاری ہیں۔" بابا مسکرا دیے۔ مینا تولیے سے ان کے پاؤں اور پنڈلیاں پونچھتی اب اٹھ رہی تھی وہاں سے۔

"بھئی انہیں کیا پتا نہیں تھا کہ آج ان کا تایا آ رہا ہے۔ نہ ہی ملنے آئیں۔ نہ ہی کھانے میں شریک ہوئیں۔"

وہ بڑی شگفتگی سے شکوہ کر رہے تھے۔ مہر مروتاً مسکرا دی۔ مینا کا چہرہ ویسا ہی سپاٹ رہا۔ چچا گڑبڑا سے گئے۔

"آج میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے ریحان بھائی۔ دونوں میرے ساتھ ہی لگی ہوئی ہیں۔ اس لیے آ نہیں سکیں۔"

بابا نے سہولت سے بات سنبھالی۔ چچا کی رنگت بحال ہونے لگی تھی وہ مسکرائے۔ تائیداً۔

"جی اور چچی نے بھی منع کر دیا تھا کہ آپ لوگوں کے سامنے آنے کی ضرورت نہیں۔"

مینا سے اس صاف گوئی کی امید نہیں تھی۔ چچا بوکھلا گئے۔ ریحان بھائی حیرت سے وجہ پوچھ رہے تھے۔

"کیوں بھئی...... رشتے میں تم لوگوں کا تایا ہوتا ہوں، کوئی غیر تو نہیں۔"

"یہ تو آپ انہی سے پوچھ لیجیے گا۔" وہ بے تاثر لہجے میں کہہ کر ہاتھ دھونے واش روم گھس گئی۔ مہر بابا کو دیکھ کر رہ گئی۔ مینا کے اندر پلتی بغاوت اسے بہت پہلے ہی محسوس ہونے لگی تھی۔

"بچی کو غلط فہمی ہوئی ہوگی ورنہ بتول کیوں منع کرے گی۔"

چچا اب کھسیا کر لاکھ وضاحت دیتے کمرے کے مکین کی حالت اور ٹرے میں موجود کھانا چیخ چیخ کر اعلان کر رہا تھا کہ یہاں ان لوگوں کو کس درجے پر رکھنے کی روایت ہے۔ کئی لمحے خاموشی کی نظر ہو گئے۔ دل ہی دل میں تاسف کا شکار ریحان بھائی بڑی مشکل سے سنبھلے پھر زبردستی بشاشت سے مسکرائے مہر سے اس کے بارے میں پوچھتے رہے۔ مینا اپنی بات کے انجام سے بے فکر ہو چکی تھی۔ سو بڑے اطمینان سے ٹرے اٹھا کر سامنے بیٹھی ٹھنڈا کھانا رغبت سے زہر مار کرتی رہی۔ چچا کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی کونے میں یا ریت میں منہ چھپا کر بیٹھ جائیں۔ غصہ تو انہیں مینا کے ساتھ بتول پر بھی آ رہا تھا جو ہر ایسے موقع پر انہیں ذلیل کروانے کا اہتمام بصد شوق کرواتی تھیں کیا تھا اگر وہ دونوں بھی کھانے میں شریک ہو جاتیں۔ اب جانے خاندان بھر میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہوں گی اور اس بات کو کس ڈھنگ سے لیا جائے گا۔ چچی کو اندر ہی اندر بڑی بے چینی ہو رہی تھی۔ سو وہ بھی آ موجود ہوئیں۔

"چلیے نا بھائی صاحب، وہاں پر آپ کا انتظار ہو رہا ہے۔"

ان کا شربتی ٹپکاتا لہجہ ایسے موقعوں پر خوب ہوتا تھا جہاں سے نفع کی امید ہو۔ اب تو بات ان کے شان دار بیٹے کی تھی جسے دل میں وہ اپنے داماد کا درجہ دینے کے بعد اس پر اپنا حق سمجھ رہی تھیں۔

"آپ چلیے بھابھی، میں آتا ہوں۔" ان کے لہجے میں کچھ نیا سا تھا۔ کیا؟ وہ سمجھ نہ سکیں۔ سو چچا کے اشارے پر ناچار واپس مڑنا پڑا۔ نظر سامنے بیٹھی مینا پر پڑی۔ جو بڑے اہتمام سے کھانے کے بعد اب ٹرے کو سائیڈ پر رکھ رہی تھی۔

"یہ کمینی روز تو مغرب کی اذان کے ساتھ کھانا کھا لیا جاتا ہے اور آج؟ یقیناً ہمدردی حاصل کرنے کا اوچھا طریقہ ڈھونڈا ہے۔" ٹرے میں رکھی پلیٹ کے اندر ٹنڈے شکل سے عجیب سے لگ رہے تھے۔ دل پسند نتائج اخذ کرنے میں انہیں یوں بھی ملکہ حاصل تھا۔

جاتے وقت ان کا بگڑا موڈ مہرو نے بھانپ لیا اور دل ہی دل میں آنے والی محاذ آرائی کے لیے تیار ہونے لگی۔ یہ دعوت شروع جتنے جوش و خروش سے ہوئی تھی۔ اختتام اتنا ہی سرد ہوا۔ وہ لوگ جلدی چلے گئے۔ جاتے وقت ریحان بھائی بہت چپ چپ سے لگ رہے تھے۔ مینا نے کچن سمیٹنے سے صاف انکار کر دیا۔ سو مہر کو خاموشی سے سب کچھ خود کرنا پڑا۔

بقیہ خواتین چونکہ بہت تھکی ہوئی تھیں سو تھکن اتارنے جلد ہی کمرے میں چلی گئیں۔ تختہ ہوتی کمر کے ساتھ مہر جب کمرے میں پہنچی تو مینا کا خالی بستر اس کا منہ چڑا رہا تھا اس نے کمرے سے ملحقہ دوسرا دروازہ کھولا تو مینا بابا کے کمرے میں فرش پر بستر لگائے سوئی ہوئی نظر آئی۔

اکثر جب بھی بابا کی طبیعت خراب ہوتی تھی تو مینا ان کے کمرے میں ہی بستر لگا لیتی۔ اسے بابا سے عشق تھا۔ ماما کو کھونے کے وہ ابتدائی چند تکلیف دہ سال جب وہ کسی سے بہلتی نہ تھی تب بابا کی آغوش میں جاتے ہی وہ ان کے سینے پر سر رکھ کر مطمئن ہو کر سو جاتی' تب سے بابا کے ساتھ اس کا لگاؤ بہت بڑھ گیا تھا۔ مہر نے دیکھا بابا دوا کے زیر اثر سو چکے تھے۔ وہ خاموشی سے پلٹ گئی۔ اس کی زندگی کا چوکور جب سے تکون میں بدلا تھا تب سے اس کی ذات اس کی ظاہری شخصیت کے نیچے دب کر رہ گئی تھی۔ خود کو چھپانے کا ہنر بڑا فن سہی مگر کتنا تکلیف دہ اور صبر آزما ہے یہ کوئی اس سے پوچھے۔

☆☆☆

اگلے دن بتول چچی نے لاؤنج میں مینا کی کلاس لینی شروع کر دی۔ بابا بڑی بے چینی سے اپنے کمرے میں پڑے یہ سب سن رہے تھے۔ بار بار انہوں نے بے قراری سے مینا کو پکارا تھا۔ مگر چچی کی چیخ

Scanned with CamScanner

...کمرے کے دروازے
تک ہی جا کر دب گئی۔ مہر مارکیٹ، بابا کی میڈیسن لینے گئی تھی۔

مینا صبح سے ہی بابا کے پاس تھی۔ چچی کے ہزار بلاووں پر بھی وہ باہر نہ نکلی۔ اکثر وہ ایسے ہی ڈھیٹ بن جاتی تھی۔ ابھی بھی وہ بابا کے کمرے سے جگ لیے پانی لانے نکلی تھی لہٰذا چچی کو سنہری موقع مل گیا۔ پھوپھو اکثر ایسے موقعوں پر نیوٹرل ہو جاتیں۔ بظاہر خاموشی سے ٹی وی دیکھتے ان کے کان تو ادھر ہی لگے ہوئے تھے۔

''اور یہ بھی سنو الفت! اس میسنی کے کارنامے روز تو شام ہوتے ہی باپ بیٹیاں کھانا کھا لیتی ہیں مگر کل بطور خاص صرف ہمیں شرمندہ کروانے نیچا دکھانے کو ریحان بھائی کے سامنے وہ باسی ٹھنڈا کھانا کھایا گیا۔ انہیں جتانے کو کہ ان کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا جاتا ہے۔'' اصل مدعا یہ تھا سو بھڑاس نکلتی گئی۔

''چہ چہ بری بات مینا! اب تم ہمیں خاندان میں یوں رسوا کرواؤ گی کیا کمی ہے آخر تم لوگوں کو یہاں؟ میں بھی سالوں سے اپنا گھر بار چھوڑے صرف تم لوگوں کی خاطر ادھر پڑی ہوں۔ سچ ہے نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔ بلکہ نیکی برباد گناہ لازم۔'' الفت، پھوپھو کی اس دروغ گوئی پر اس کا دل چاہا کہ انہیں کھری کھری سنا کر آئینہ دکھا دے کہ وہ کس لیے اور کیوں ادھر پڑی ہیں مگر جانتی تھی کہ جھوٹوں کو سچ کا آئینہ دکھانا وقت کھونا کرنے کے مترادف ہے۔

''کل بابا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی سو ان کے ساتھ لگ کر میں اور مہر کھانا نہ کھا سکے دوسرے ہمیں کیا پتا تھا کہ آپ کے معزز مہمان ادھر ہی چلے آئیں گے ورنہ بطور خاص جتانے کا میرا ارادہ نہ تھا نہ ہی مجھے ایسا لئے شوق ہیں۔''

ضبط ٹوٹ ہی گیا۔ سلگتے لہجے میں انہیں کھرا جواب دے کر وہ بابا کے کمرے کی طرف جانے ہی لگی کہ چچی نے بازو سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے کھینچا پانی

...تا جب ہاتھ سے چھوٹ کر گر ... ختم ہو گیا۔
بابا نے بے چینی سے کھڑا ہونا چاہا تو درد کی ایک تیز لہر ان کے کندھوں سے ہوتی ہوئی ٹانگوں۔ تک چلی گئی وہ جیسے ہانپ سے گئے۔ ''اچھا اگر تمہیں شوق نہیں ہے تو کیوں انہیں کہا کہ میں نے منع کیا تھا تم لوگوں کو ان کے سامنے آنے سے۔''

رات چچا کی باتوں کا زہر ان کے دماغ پر چڑھا ہوا تھا۔ چچا نے منع بھی کیا تھا کہ اب اس معاملے کو زیادہ اچھالنے کی ضرورت نہیں نہ ہی مینا سے پوچھ گچھ کرنے کی اور یہ کہ آئندہ اس قسم کی کوئی ہدایت دینے کی بھی ضرورت نہیں مگر وہ یہ سب کیسے برداشت کر سکتی تھیں کہ سورات سے ہی جلتے توے پر ناچ رہی تھیں۔

''تو اس میں جھوٹ کیا ہے۔ کیا آپ نے منع نہیں کیا تھا۔''

اس نے بڑی بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا تھا۔ دل جو کل سے بغاوت پر آمادہ تھا اب حدیں پار کرنا چاہتا تھا۔ ہر ناروا سلوک وہ اپنے ساتھ تو برداشت کر سکتی تھی مگر کل جب سارا دن کچن کی نذر کر کے وہ بابا کے کمرے میں پہنچی تو تکلیف سے زرد پڑے بابا کے چہرے کو دیکھ کر ایک آتش فشاں سا تھا جو اس کے اندر پھٹ پڑنے کو بے تاب ہو گیا۔ ان کے عزت مآب مہمانوں کی مہمان داری وہ کریں اور ان کا بے بس و لاچار باپ تکلیف سے پڑا تڑپتا رہے جو ابا اس بیمار شخص کو اچھا کھانا بھی نہ ملے۔

''ہاں تو میں نے منع کیا تھا تمہیں کیا بگاڑ سکتی ہو تم میرا۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہاری بدکردار بہن کا سایہ بھی میری بچی اور اس کے آنے والے مستقبل پر پڑے۔ دنیا جانتی ہے۔ سارا دن لور لور گھومتی پھرتی تھی۔ نجانے ایسا کیا کارنامہ سرانجام دیا محترمہ نے کہ اگلوں نے بھی انکار کہلا بھیجا۔ بی بی ہمیں کوئی شوق نہیں کہ دوسروں کے گناہ اپنے سر پر لادیں۔ معاف رکھو ہمیں۔''

Scanned with CamScanner

ان کی زہر بھری باتیں ان کا کٹیلا لہجہ مینا کا چہرہ ضبط کے مارے سرخ ہو گیا اور اندر کمرے میں لاچار پڑے بابا جیسے صدیوں کے بیمار ہو گئے۔

ان کی پاکیزہ، پھول سے زیادہ نازک بیٹی جس کی ہمت جس کے ضبط اور جس کے صبر کے وہ قائل تھے آج ۔ رکیک الزامات کی زد میں تھی اور وہ اس کے حق میں بول بھی نہیں پا رہے تھے۔ پھر وہی تکلیف دہ قصہ دہرایا جا رہا تھا۔

"خبردار...... ایک لفظ بھی مزید مت بولیے گا۔ میری بہن کے کردار کو جانچنے والی آپ کون ہوتی ہیں۔ کس حق سے آپ اس پر ایسے گھٹیا الزامات لگا رہی ہیں۔" مینا آج سارے لحاظ بھول گئی۔ سارے ڈر سارے خوف جیسے جادو کے اثر سے غائب ہو گئے۔ بلند ہوتی آوازوں پر سب ہی فرداً فرداً لاؤنج میں جمع ہوتے گئے۔ بابا نے سائیڈ پر پڑی چھڑی کو اٹھایا تھا۔ ان کی طاقت تو چچی کے الفاظ نے چھین ہی لی تھی۔ وہ بمشکل کھڑے ہوئے ان کی بیٹی اکیلی تھی۔ اسے ان کی ضرورت تھی۔

"ارے تیور تو دیکھو پاکیزہ بی بی کے بی بی آواز نیچی رکھو ورنہ زبان گدی سے کھینچ لوں گی۔"

اس کی جرأت اس کی بے خوفی انہیں مزید اشتعال دلا رہی تھی۔ کل اس کی وجہ سے ایک بڑی بازی ان کے ہاتھوں سے نکلنے کا امکان تھا۔ معاف کرنا ان کی سرشت میں نہ تھا۔

"اس بھول میں مت رہیے گا کہ آپ زبان کھینچیں اور میں چپ کھڑی رہوں۔"

بے خوفی سے ان کی آنکھوں میں دیکھتے اس کا انداز استہزائیہ تھا۔ یہ جملہ تھا کہ جلتی پر تیل۔ پھوپھو ہیں ہیں کرتی رہ گئیں اور چچی کا جواباً اٹھا ہاتھ اس کا منہ لال کر گیا۔ سیما سائرہ حق دق رہ گئیں جبکہ نرمین کے چہرے پر ایک استہزائیہ سے بھرپور مسکراہٹ لپکی تھی۔ جواباً وہ بپھر کے آگے بڑھی تھی مگر بابا کو کمرے کے دروازے پر گرتے دیکھ وہ بے ساختہ بھاگی۔

"بابا" اس کی وحشیانہ چیخ گھر کے درودیوار ہلا گئی۔ بڑی مشکلوں سے وہ دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے تھے مگر آگے کا منظر دیکھ ان کی رہی سہی ہمت بھی نچوڑ گئی۔

"بابا...... اٹھیے بابا...... پلیز...... بابا!" بے بسی سے روتی وہ انہیں جھنجوڑ رہی تھی۔ تکلیف سے زرد پڑتے چہرے۔ بھینچے ہوئے ہونٹ، پسینے سے تربتر چہرے پر کیسی مردنی سی چھائی ہوئی تھی۔ مینا کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا۔ اس کی روتی کرلاتی صداؤں پر بابر جو اپنے کمرے سے ابھی ابھی باہر نکلا تھا بھاگا ہوا آیا۔

بتول چچی سراسیمہ سے ان کی حالت دیکھ رہی تھیں۔ پھوپھو اور باقی حاضرین بھی جیسے ساکت رہ گئے تھے۔ بابر کو صورت حال کا اندازہ ہو گیا تو اس نے فوراً روتی مینا کو سختی سے ہٹایا اور بے ہوش پڑے احمد علی کو بازو میں اٹھا لیا۔

"بابا کے کمرے سے فوراً گاڑی کی چابی لاؤ۔"

گیٹ کی طرف بھاگتے اس نے نرمین کو آواز دی۔ سارے منظر میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا۔ الفت پھپھو بھی اس کے پیچھے لپکیں۔ نرمین چابی لے آئی تو مینا اٹھ کر گاڑی کی طرف بھاگی۔ بابر بابا کو اب احتیاط سے پچھلی سیٹ پر لٹا رہا تھا۔

"میں بھی ساتھ جاؤں گی۔ میں بابا کے ساتھ جاؤں گی۔" آنسوؤں بھری آنکھوں اور آنسوؤں سے تر چہرہ مینا نے اس کا بازو التجا آمیز انداز میں تھاما تو وہ انکار نہ کر سکا۔ چند لمحوں میں ہی گاڑی گیٹ سے نکل کر اوجھل ہو گئی۔

"اللہ توبہ...... بھابھی...... تمہیں اتنا ہنگامہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اوپر سے تم نے تو ہاتھ اٹھا کر حد ہی کر دی۔ بھئی تم بڑی سنگ دل عورت ہو تم۔ اللہ بھائی صاحب کی خیر کرے۔"

یوٹرن لینے میں الفت پھپھو کو کمال حاصل تھا۔ انہیں سناتی وہ ہولتی اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ چچی بتول کچھ کہنے کی کوشش میں بس منہ کھول کر رہ گئیں۔

☆☆☆

یہ حادثہ شاید اس کی کہانی کا نقطہ آغاز تھا یا پرانی

کا لفظ انجام تک جانہ تی۔ باہر ہوتی تو ان باتوں کو سمجھتی۔ مہر ان دنوں کو سوچ کر ابھی تک خوف زدہ تھی۔ فضا میں سبزے کی مخصوص مہک رچی تھی۔ کھڑکی سے گزرتے نظارے۔ اس کے ارتکاز میں کمی نہ لا سکے تھے۔ بابا کا بی پی انتہائی حد تک گر گیا تھا۔ ہارٹ بیٹ انتہائی مدھم ہوتی جارہی تھی۔ وہ قیامت کے دو دن جو بابا نے آئی سی یو میں گزارے، اس کے لیے کسی قیامت سے کم نہ تھے سجدے میں گری وہ دونوں اللہ سے گڑگڑا کر اپنے بابا کی زندگی مانگتی رہیں۔

اس دوران کون آیا کس نے کیا کہا؟ اسے کچھ یاد نہ تھا وہ ہر چیز سے بے نیاز بس اپنے بابا کی زندگی مانگتی رہیں۔ بابر نے ساری بھاگ دوڑ کی۔ وہ انہیں رک کر تسلی دیتا پھر بے بسی سے ان کے مردہ چہرے دیکھ کر اپنے لفظوں کو بے اثر سمجھ کر چپ چاپ چلا جاتا۔ ان دنوں بہت سے کاش اس کے گرد منڈلاتے رہتے۔ کاش یا وہ سب نہ سنتے۔ نہ دیکھتے کاش وہ مارکیٹ تک دوائیں لینے نہ گئی ہوتی۔ کاش مینا چپ رہتی۔ صبر سے کام لیتی۔

بتول چچی کی باتوں کی مار تو وہ ہمیشہ سہتی رہی تھیں مگر ہاتھ کی مار۔ اس کا دل کوئی جیسے مٹھی میں بھینچ لیتا۔ مینا اس دوران بالکل چپ تھی اس نے مہر سے کوئی بات نہ کی اور تیسرے دن سہ پہر کے قریب جب بابا نے آنکھیں کھولیں۔

مہر...... چائے پی لو......" سنبل کی آواز پر اس کی سوچوں کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ اس نے گہرا سانس بھرتے کپ تھام لیا۔

"لگتا ہے تم بالکل انجوائے نہیں کر رہیں تم اتنی دیر سے باہر نظریں جمائے گم صم بیٹھی ہو۔ دو تین مرتبہ میں آواز بھی دی مگر۔ جانتی ہوں تم آنا نہیں چاہتی تھیں مگر یار اب آ ہی گئی ہو تو انجوائے تو کرو۔" اس کی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی حسب عادت وہ نان اسٹاپ بولے چلی جارہی تھی۔

"تم جانتی ہو نا۔ کس وجہ سے انکار کر رہی تھی؟" اس کے انداز پر وہ چپ ہوگئی۔ سنبل اس کی بہترین دوست تھی۔

"اب انکل کی طبیعت کیسی ہے؟"

"فی الوقت وہ چل پھر بالکل بھی نہیں سکتے۔ آج کل بابر انہی کے کمرے میں رہ رہا ہے مینا تو انہیں اٹھا بٹھا نہیں سکتی۔ دیکھو۔ نیکسٹ وزٹ پر ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔"

وہ اسے تفصیل بتانے لگی۔

"ان شاء اللہ...... وہ بالکل ٹھیک ہوجائیں گے۔ تم پریشان مت ہو۔" اس کے ہاتھ کو خلوص سے دباتے وہ تسلی دینے لگی۔ وہ پھیکا سا مسکرائی۔

"ان شاء اللہ" پھر چائے کے سپ بے دلی سے لینے لگی۔ سنبل اس کا دھیان ہٹانے کو ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی بظاہر وہ سن رہی تھی مگر دھیان بابا کے آس پاس ہی بھٹکتا رہا۔ کالج کے اس ٹور پر وہ آنا نہیں چاہ رہی تھی وہ تو عین وقت پر مسز تسلیم بیمار پڑ گئیں اور مسز اعجاز کو ایک ایمرجنسی پڑ گئی تو میڈم کے حکم پر ناچار اسے راضی ہونا پڑا۔ بابا والے واقعہ کو ڈیڑھ ماہ ہو چکا تھا اور یہ دن اس کے لیے سخت اذیت بھرے تھے وہ جانتی تھی۔

اس دوران اس کی کالج سے کئی چھٹیاں بھی ہوگئیں۔ سو اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا۔ ان کے ساتھ چھ لیکچرز اور بھی تھیں۔ سارے راستے لڑکیاں شور مچاتی۔ ہلہ گلہ کرتی رہی تھیں اوپر سے موسم بھی سہانا ہوگیا تھا۔ کن من پڑتی پھوار میں بوندوں کے رقص اور اٹھلاتی ہوا نے لڑکیوں کو مزید شوخ کر دیا تھا۔ ساتھی کولیگز بھی بہت انجوائے کر رہی تھیں ایک وہی تھی جس کا ذہن بوجھل اور دل اداس تھا حالانکہ بابر نے کتنے تسلی دلاسے دیے تھے۔ یقین دلایا تھا کہ وہ بابا کا خیال اچھے سے رکھے گا ورنہ وہ شاید پرنسپل کی ناراضی کی پروا کیے بغیر رک جاتی۔

☆☆☆

نوکری اس کی مجبوری تھی۔ یہ جاب اسے اپنی ایک پرخلوص پروفیسر کے توسط سے ملی تھی۔ ایک ویل ریپوٹڈ کالج تھا۔ ایم اے کے بعد وہ بی ایڈ کی تیاری

کرتی یہاں جاب بھی کرر کھی تھی۔اس جاب سے اس
کی کئی ضرورتیں بن مانگے پوری ہو جاتیں۔
بابا کی دوائیں ان کی اچھی خوراک، مینا اور اس
کے کئی اخراجات جن کو پورا کرنے کے لیے پہلے اسے
چچی کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا تھا سو شکر تو چچی نے
بھی ادا کیا کہ ان خرچوں سے بھی ان کی جان چھوٹی۔
کالج کی پرنسپل تھوڑے سخت مزاج کی تھیں مگر زندگی
کے اتنے سال تنگ دل لوگوں اور کڑے حالات میں
گزارنے کے بعد اسے یہاں ایڈجسٹ ہونے میں
دشواری نہ ہوئی۔

چچا بابا کے علاج سے رفتہ رفتہ غافل ہوتے
ہو گئے دوائیوں کی مقدار بھی کم سے کم ہوتی ضروری
تک آ گئی۔محبت کا وہ ابال جو چچا کو شروع میں اٹھا
تھا۔چچی کی برین واشنگ پر رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا گیا۔کئی
مہینے گزر جاتے' بابا کا مناسب چیک اپ نہ ہوتا۔چچا
ان کے کمرے میں ہفتوں جھانکتے تک نہ تھے۔مہر کو
ان کی دواؤں کے لیے کئی مرتبہ یاد دلانا پڑتا تب جا کر
ہزار احسان جتا کر جو میڈیسن آتیں اس میں بھی ایک
دو کم ہی ہوتیں۔ایسے میں تعلیم سے فارغ ہونے کے
بعد مہر کا مقصد ایک اچھی نوکری کا حصول تھا۔اسے فی
الوقت ٹرائل پر رکھا گیا تھا۔

کام زیادہ تھا مگر وہ مطمئن تھی۔گھر میں کام کے
لیے دو دو ملازمائیں تھیں مگر وہ گھر کے کام کم اور پھوپھو
اور چچی کے ذاتی کام زیادہ کرتیں۔اوپری اوپری
صفائی کے بعد گندے سندے برتن دھو کر ایک پھوپھو
کی خدمت میں حاضری لگوانے چلی جاتی دوسری
بتول چچی کے پٹھے بیٹھے بیٹھے دونوں خواتین کے پٹھے
جام ہو جاتے تھے۔سو خود کو خوب دبوایا جاتا اور ادھر
ادھر کی چٹ پٹی خبریں بھی خوب سنی جاتیں۔ان کی
صاحبزادیوں کے ذاتی کام بھی وہ انجام دیا کرتیں۔سو
گھر کی طرف سے غفلت پر انہیں ڈانٹا نہ جاتا۔کھانا
شروع میں تو جیسے تیسے کھالیا تھا مگر جونہی مہر ذرا سمجھ دار
ہوئی یہ ذمہ داری خود بخود اس کی بعد میں مینا کی بنتی
گئی۔کپڑے ملازمائیں دھوتی تھیں مگر مہر، مینا کے
نہیں۔اپنے سارے کام وہ خود انجام دیتیں۔بابا کی
دیکھ بھال گھر کے اضافی کام، استری وغیرہ کچن کی
ذمہ داری بلکہ وقت بے وقت کی ذمہ داری اور
پڑھائی۔ان تمام چیزوں کو انہوں نے مینج کرنا سیکھ
لیا تھا۔

بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے اب تک وہ یہ
سب دیکھتی چلی آ رہی تھی۔ایک واحد بابر تھا جو سب
سے مختلف تھا۔حساس اور خیال کرنے والا ورنہ ان
کے ساتھ تو ملازماؤں سے بدتر سلوک کیا جاتا۔ہر عید
پر ان کے لیے احسان کر کے سستے کم قیمت لباس
آ جاتے۔مگر باقی سب کے کپڑے اور لوازمات
دیکھنے سے تعلق رکھتے۔مینا وہ سوٹ اٹھا کر کام والی کو
دے دیتی اور عید بھی پرانے سوٹ میں مزے سے
گزارتی۔ چچی کے جملے پھوپھو کی تیکھی چبھتی
نگاہیں۔کچھ بھی اسے نہ ڈراتے۔

وقت کے ساتھ ساتھ مینا پر بھی حقیقت آشکارا ہوتی
چلی گئی اور اس کے اندر تلخی بھر گئی۔

"ہمارے بابا کے پیسوں پر سانپ بن کر بیٹھے
سب عیش کر رہے ہیں اور ہمیں۔ہمارے ساتھ کسی
تیسری درجے کے شہری جیسا سلوک کیا جاتا ہے۔بابا
آپ بولتے کیوں نہیں ہیں؟ یہ سب آپ کا ہے۔اس
پر ہمارا حق ہے مگر ہمیں جتا جتا کر یہ گھٹیا چیزیں دی جاتی
ہیں۔"

پہلے پہل تو وہ بابا سے الجھتی رہتی۔بابا بے بسی
سے اسے دیکھ کر رہ جاتے۔کیسے کہتے کہ اس نیم
معذور جسم کے ساتھ وہ کس حد تک ان سے لڑ سکتے ہیں
فی الوقت ان لوگوں کا اتنا آسرا ہی کافی تھا کہ ان کی
جوان ہوتی بیٹیاں اپنے گھر میں زمانے کے سرد و گرم
سے محفوظ تھیں۔

تعلیم جیسے تیسے حاصل کر رہی تھیں۔آدھ پونے
پلیٹ کھا لیتی تھیں۔مہر جیسے بابا کی بے بسی کو سمجھ گئی وہ
مینا کو ڈانٹ دیتی۔

"تم کیوں فضول میں بابا کو ٹینشن دیتی ہو۔
دیکھتی نہیں کہ ان کی طبیعت یوں بھی ٹھیک نہیں رہتی۔"

پھر یوں ہوا کہ وہ بظاہر چپ ہوگئی مگر اب بھی کبھی کبھار اس کے منہ سے کوئی تیخ جملہ کوئی چبھتی بات نکل ہی جاتی جو دونوں خواتین کو آگ بگولہ کر دیتی۔

دھیمی چلتی مسحور کن ہوائیں خوشبوؤں اور سبزے کی خوشبو سے لدی ہوئی تھیں۔ آسمان پر گہرے بادلوں کا بسیرا تھا۔ کن من پڑتی پھوار سے بے نیاز سب ٹولیوں کی صورت میں بٹی ہوئی تھیں۔ چائے کا بڑا سا مگ ہاتھوں میں تھامے اس نے ایک گہری سانس کھینچ کر بارش اور سبزے کی خوشبو کو اپنے اندر اتارا تھا۔ یوں لگا جیسے برسوں بعد کھل کر سانس لی ہو۔ اندر جیسے ساری کثافتیں دھل گئی ہوں۔

درخت پھوار سے بھیگ کر مزید نکھر گئے تھے۔ وادی کا سارا حسن اپنے اندر سموئے کولتار کی وہ سیاہ سڑک ان زندگی سے بھرپور آوازوں پر متحیر تھی۔ مہر نے ایک گہری سانس بھری اور سگنل کو دیکھا جو لڑکیوں کو لیڈ کر رہی تھی۔ سہ پہر قریب تھی کئی جگہوں پر گھومنے کے بعد لڑکیوں کو اچانک ہی ہائیکنگ کا شوق اٹھا تھا۔ یہ ایبٹ آباد کا ایک نواحی علاقہ تھا۔ سبزے اور پھولوں سے لدا ہوا جہاں پہاڑوں پر بنے گھروں سے مسحور کن دھواں نکل رہا تھا۔ وہ بہت تھکن محسوس کر رہی تھی۔ باقی کے لوگ اس سے کافی آگے نکل چکے تھے۔ سست روی سے چڑھتے چڑھتے وہ تھک کر رک گئی تو ایک سائیڈ پر پڑے بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔

''بابا اور مینا کیا کر رہے ہوں گے۔'' بارش کی وجہ سے سگنل کا مسئلہ ہو رہا تھا۔ آواز صاف نہیں آرہی تھی۔

کہیں کالے تو کہیں سفید بادل ایک دوسرے کے تعاقب میں دوڑ رہے تھے جیسے اس وقت اس کے ذہن میں خیالات، اس نے یونہی بے دھیانی میں جھک کر نیچے سڑک کو دیکھنے کی کوشش کی تھی کہ نجانے کیسے پھسل گئی۔ بے اختیار ہی اس کے حلق سے ایک خوف زدہ مگر قدرے گھٹی ہوئی چیخ نکلی تھی۔ اسے لگا کہ اب یہ وقت آخری ہے۔ تکلیف و خوف سے اس نے زیر لب اپنے رب کو پکارا تھا کہ نجانے کیسے اور کس نے ایک جھٹکے سے اسے کھینچ لیا۔ ساکن ہو جانے کے احساس نے کئی منٹ تو اسے یونہی دم بخود آنکھیں میچے، سانس روکے رکھا۔ گردش کرتے زمین و آسمان رک کیسے گئے؟ اس کے حواس یہ سمجھنے سے قاصر تھے۔

''ہیلو مس......آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟ آنکھیں کھول لیں۔ رولر کوسٹر رک چکا ہے۔'' بظاہر سنجیدہ مگر قدرے چہکتی نامانوس سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ پھر چہرے کے آگے چٹکی بجائی گئی۔ وہ قدرے حواس باختہ سر دونوں ہاتھوں میں تھامے یونہی ساکن بیٹھی تھی۔

''دیکھیے مانا کہ یہ پوز گوتم بدھ کا بہت مشہور ہے مگر اس وقت اس آسن میں بیٹھے رہنا مناسب نہیں۔ کہیں آپ کے بھگت آپ کے آس پاس جمع ہونا شروع نہ ہو جائیں۔ سوچا ہے۔ ہیلو۔'' خوف سے بند آنکھیں آہستگی سے کھلیں۔ وہ پہاڑی کے ایک چھوٹے پلین سے حصے پر بیٹھی ہوئی تھی اور وہ جو کوئی بھی تھا نہایت اطمینان سے پنجوں کے بل اس کے قریب بیٹھا فرصت سے جائزہ لے رہا تھا۔

''لگتا ہے چوٹ شاید دماغ پر لگی ہے یا شاید قوت گویائی متاثر ہوئی ہے۔ مس آر یو آل رائٹ۔'' وہ مسلسل بولے جا رہا تھا۔

اس نے پاؤں سیدھے کرنے چاہے ایک ٹیس سی اٹھی۔ وہ کراہ کر رہ گئی ایک جوتا غائب تھا نجانے کدھر گر گیا تھا۔ انگوٹھے کا ناخن بھی اکھڑ چکا تھا۔ ٹخنے میں شدید درد ہو رہا تھا۔ نجانے کہاں کہاں اور بھی لگی تھی۔ مقابل کی کرنجی آنکھیں بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔

''محترمہ! ریلیکس ویسے خودکشی کرنے کا نہایت ہی بھونڈا طریقہ ڈھونڈا ہے آپ نے سیدھے سیدھے جمپ لگاتیں۔ یوں جھک کر قلابازیاں کھانے سے صرف ہڈیاں ٹوٹ سکتی ہیں۔'' وہ شاید

اسے گرتے دیکھ چکا تھا اور نجانے ایسا سمجھ رہا تھا۔

"پلیز۔" اس نے اسے مزید بولنے سے روک دیا۔ ایک تو تکلیف اوپر سے اس کی نان اسٹاپ لن ترانیاں۔

"اوہ، یعنی گونگی نہیں ہیں۔ شکر ہے چلیے اب ذرا چیک کروا دیجیے کہ چوٹیں کہاں آئی ہیں۔ خان جی ...... ذرا بیگ تو دینا۔"

اس نے تبصرہ کرتے نجانے کسے پکارا تھا۔ وہ بھی جن کی طرح حاضر ہوگیا۔ مسلسل اٹھتی ٹیسوں کو دباتے وہ بے حال ہو رہی تھی۔ بمشکل ہونٹ بھینچے وہ اپنی کراہوں کو روک رہی تھی۔ اس نے بیگ لے کر رکھا پھر اطمینان سے اس کے پاؤں کا جائزہ لینے لگا مگر ہاتھ لگانے کی دیر تھی کہ درد کی ایک تیز لہر اسے شرابور کرگئی۔ اس بے اختیار ہی اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"پلیز مس...... مجھے چیک کرنے دیں کہ موچ ہے یا کوئی فریکچر۔"

"کیا ہوا مہر...... تم ٹھیک تو ہو نا؟"

اتنے میں سنبل ہانپتی کانپتی پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ آپہنچی۔ اجنبی نے سر اٹھا کر بھنویں اچکائیں۔ پھر دوبارہ جھک کر اس کا پاؤں ٹٹولنے لگا۔ سنبل کی بات کا وہ کیا جواب دیتی اس نے بے اختیار دھیرے سے اس کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

"آپ یوں نہیں دیکھنے دیں گی۔ خان جی ادھر آؤ۔" وہ شاید اس کا اسسٹنٹ تھا۔

"بی بی کے ہاتھ ذرا زور سے پکڑو۔" اس خونخوار مونچھوں والے مرد کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اس نے بے ساختہ اپنے ہاتھ چھپالیے۔ سنبل ارے ارے کرتی رہ گئی۔

"دیکھیں۔ اگر آپ کو آپریٹ کریں گی تو اس میں آپ کا ہی فائدہ ہے ورنہ بصورت دیگر اس پہاڑی سے آپ کو اتارنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ آپ کو دوبارہ دھکا دے دیا جائے تاکہ آپ بعد شوق و احترام خود ہی نیچے لڑھکتی ہوئی پہنچ جائیں۔"

"آپ کی تعریف؟ کون ہیں آپ۔" سنبل کڑے تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"خود نہیں کرتا۔ کوئی کردے تو اور بات ہے۔" سنبل بھی نہیں پوچھنے لگی۔

"کیا ہوا ہے انہیں۔ یہ ٹھیک تو ہے نا۔"

"جی محترمہ! بس دو تین ہڈیاں ٹوٹی ہیں۔ شاید چھوٹا موٹا فریکچر ہو۔ باقی تو ٹھیک ہیں۔" پاؤں کا معائنہ کرتے ہوئے اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ سنبل کو سامنے پا کر اس کے آنسو تیزی سے بہنے لگے تھے۔ سنبل نے اس کے پاس بیٹھ کر اسے محبت کے ساتھ لگایا اور تسلی دینے لگی۔

"حوصلہ کرو۔ کیا بہت درد ہو رہا ہے۔"

"چوٹیں بہت ہیں۔ میرے پاس تو یہاں بس فرسٹ ایڈ کا سامان ہے۔ کلینک لے جانا پڑے گا۔"

"آپ کی تعریف۔" سنبل کو اس کے مسلسل بولنے پر دوبارہ پوچھنا پڑا۔ وہ مسکرایا۔

"میں ہاشم آفریدی ہوں۔ بائے پروفیشن ڈاکٹر۔" وہ شاید بہت بولنے کا عادی تھا۔

"تو ڈاکٹر صاحب کیا مسئلہ سیریس ہے۔"

"ایسا کچھ خاص نہیں — ناخن تقریباً اکھڑ چکا ہے۔ اسے ہٹانا پڑے گا۔ ٹخنہ سوجا ہوا لگ رہا ہے مگر فریکچر نہیں۔ باقی بازوؤں ٹانگوں پر معمولی خراشیں اور چوٹیں۔" مہر اب آنسوؤں سے رو رہی تھی۔ اس نے بینڈیج نکالی اور مہارت سے ٹخنہ کے گرد لپیٹنے لگا تھا۔

"میم کیا ہوا؟"

"مس کیا ہوا؟"

"مہر کیسے گر گئیں۔ اتنے میں ایک ہجوم سا اس کے گرد جمع ہوگیا۔ وہ ایک دم مرکز نگاہ بن گئی۔ ڈاکٹر صاحب سب سے بے نیاز اپنے کام میں معروف رہے۔ مہر کو یوں سب کا متوجہ ہونا عجیب سی شرمندگی سے دوچار کرگیا۔

"میڈم بہت چوٹیں آئی ہیں۔ یہ ڈاکٹر ہاشم آفریدی ہیں۔ اگر مناسب سمجھیں تو اسے کلینک لے چلتے ہیں۔" سنبل تفصیلاً بتانے لگی تھی۔ مہر تو بس

خاموش اپنی آنسوؤں اور شرمندگی کو چھپانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''جی، میرا کلینک یہیں پاس ہی ہے۔ اس وقت میں ایک مریض کو دیکھ کر آ رہا تھا کہ ان کو زخمی دیکھ کر رک گیا۔ آپ لوگ انہیں نیچے سڑک پر کسی طرح لے آئیں۔ وہاں سے میرا کلینک زیادہ دور نہیں۔''

بینڈیج لگا کر وہ بیگ بند کر کے اٹھ گیا۔

''تھینک یو ویری مچ، ویسے میں سنبل ہوں ہم اسلام آباد سے کالج ٹور پر آئے ہیں۔'' سنبل نے خوش اخلاقی سے تعارف کروایا تھا۔

''مل کر خوشی ہوئی۔'' مقابل کی کرنجی آنکھیں چمکیں۔

''ویسے آپ کی یہ اسٹوڈنٹ خاصی غائب دماغ ہیں۔ لگتا ہے زندگی سے بے زار ہیں۔''

اس کی بات پر لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ مہر کو سہارا دیتی سنبل بھی مسکرا دی۔

''سر! یہ ہماری ٹیچر ہیں۔''

لڑکیوں نے شوخی سے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''اوہ......'' وہ ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

''چلیں پھر انہیں لائیں آپ لوگ، میں چلتا ہوں۔'' وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا پھرتی سے پہاڑی سے اترتا چلا گیا۔ پیچھے پیچھے وہ خوں خوار اسسٹنٹ بھی۔

''بہت ایکسپرٹ لگتے ہیں ڈاکٹر صاحب پہاڑوں سے اترنے میں۔''

''کوائٹ ہینڈسم۔''

''کول ہیں اور ڈشنگ بھی۔''

''کسی مووی کے ہیرو کی طرح۔''

منچلی لڑکیوں کے دبی دبی زبان میں اس پر ہونے والے تبصرے اس کے کانوں میں پڑ رہے تھے۔ وہ سب بڑے جوش دخروش سے ڈسکس کر رہی تھیں۔ اس کے لیے کھڑا ہونا اور نیچے اترنا عذاب ہو رہا تھا۔ وہ زمین پر پاؤں جما نہیں پا رہی تھی۔ اس کی تکلیف دیکھ کر دو اور اسٹوڈنٹ آگے بڑھیں۔ اس کا وزن تقریباً انہی پر تھا۔ وہ آہستہ سے دانت دانتوں پر جمائے اترنے لگی۔ کلینک واقعی قریب ہی تھا۔

اس کا انگوٹھا اچھا خاصا زخمی تھا۔ گھٹنے کہنیاں چھلنی ہوئی تھیں۔ وہاں خوش شکل سی باتونی نرس تھی۔ جو تسلی دیتی مسلسل سوال جواب کرتی اس کی ڈریسنگ کرتی جا رہی تھی۔ لگتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا اثر اس پر بھی تھا۔ اس نے اسے انجکشن بھی لگایا۔

''یہ پین کلر ہیں اگر درد زیادہ ہو تو ہر چار گھنٹے بعد بھی لے سکتی ہیں اور یہ اینٹی بائیوٹکس ہیں۔ یہ دو ٹائم لینی ہیں کہ زخم سیپٹک نہ کریں۔ ٹیوب ہے۔''

پرچہ سنبل کو تھماتے وہ سمجھا رہا تھا۔ مسز تقی نے ان کے اسسٹنٹ سے میڈیسن منگوائیں۔ جتنی دیر میں میڈیسن آئیں۔ اس نے چائے منگوا لی مہر کو گولیاں چائے کے ساتھ دے کر سنبل اور مسز تقی اب اس سے بات چیت کر رہی تھیں وہ وہاں کا مقامی ڈاکٹر تھا اور لگتا تھا موصوف کو فی سبیل اللہ کام کرنے کا خاصا شوق تھا۔

''شکریہ ہاشم۔ آپ نے بہت مدد کی۔''

مسز تقی اس سے بہت متاثر نظر آ رہی تھیں۔

''مائی پلیژر'' اس کی آنکھیں چمکیں۔

''آپ کی فیس؟'' سنبل کے شرارتی انداز پر وہ مسکرایا۔

''آپ لوگ میرے شہر میں مہمان ہیں اور ہم مہمان نواز لوگ ہیں۔ جو مہمان سے کچھ لیتے نہیں۔ اس لیے شرمندہ مت کریں۔'' اس کی روشن آنکھیں بار بار مہر کے چہرے تک بھٹک کر آتیں۔ نجانے وہ کیا کھوج رہی تھیں۔ کلینک سے نکلتے وقت اس نے سرسری سے انداز میں سنبل سے پوچھا تھا۔

''ان کا نام کیا ہے۔ مطلب پورا نام؟''

''مہروز یہ احمد علی۔'' سنبل کے بتانے پر وہ پر سوچ انداز میں سر ہلا کر رہ گیا تھا۔ سنبل اسے لے کر ریسٹ ہاؤس آ گئی تھی۔ یہ بھی مسز تقی کی مہربانی تھی کہ ان کے جاننے والے کا یہ ریسٹ ہاؤس تھا۔ جہاں

Scanned with CamScanner

ان کی رہائش کا انتظام کیا گیا تھا۔ دوائیں اور انجکشن سے اسے غنودگی ہو رہی تھی سو وہ سو گئی۔ سنبل اور باقی اسٹوڈنٹس اور اسٹاف فی الوقت باہر تھے۔ رات تک تکلیف بڑھ گئی۔ دوائیں سے وقتی آرام آیا تھا اس وقت وہ بہت بے چین تھی۔ انگوٹھا کا ٹوٹا ناخن تو نرس نے اتار رو دیا تھا مگر اب تکلیف کر رہا تھا۔ سنبل نے جو اس کی حالت دیکھی تو مشورہ دیا۔

''ڈاکٹر ہاشم کو بلوا لیتے ہیں۔ شاید ایک اور انجکشن سے تمہیں آرام آجائے۔'' باقیوں نے بھی اتفاق کیا۔ وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

''ہاں بھئی مہروز یہ۔ انہوں نے اپنا کارڈ دیا ہے اس میں ان کے گھر کا بھی نمبر ہے۔ اگر تکلیف بہت ہو رہی ہے تو میں کال کر لیتی ہوں۔'' مسز تقی نے ہمدردی سے پوچھا مگر اپنی ذات کو لے کر وہ کبھی بھی کسی کو تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔ اتنی اہم تو وہ کبھی نہ تھی۔

''نہیں میڈم شکریہ، میں اب بہتر ہوں اگر صبح تکلیف بڑھی تو آپ سے کہہ دوں گی۔''

اس نے ان کو ٹالنے کے لیے کہہ تو دیا مگر ساری رات کراہتے گزری۔ اسے بہت تیز بخار ہو گیا تھا۔ سنبل اس کے ساتھ جاگتی رہی اور لعن طعن کرتی رہی۔

''محترمہ کی ناک بہت لمبی ہے۔ بامروت ہونا اب اتنا بھی اچھا نہیں کہ خود کو اذیت میں ڈالا جائے کبھی کبھی کسی کی مان بھی لینی چاہیے۔''

اس کی مدھم آواز میں کی جانے والی بڑبڑاہٹیں خاموشی سے سنتی رہی۔ کل شام کو رک جانے والی رم جھم ساری رات پھر سے اور دھم مچاتی رہی کھڑکی پر بجتی بوندوں کی پائل اور سناٹے میں کمرے کے اندر جلتے ہیٹر کی آواز کے سوائے کوئی صدا نہ تھی۔ سنبل نے اس کو دوا دی تھی۔ صبح کے قریب جا کر اس کی آنکھ لگی تھی۔ سنبل بھی اس کی طرف سے مطمئن ہو کر سو گئی۔ نو بجے آنکھ کھلی تو کمرہ سارا خالی تھا۔ سنبل اس کے جاگنے کا انتظار کر رہی تھی۔ ناشتا کر کے وہ فارغ ہوئیں اسٹوڈنٹس اور کولیگز اس کی طبیعت پوچھنے آگئیں۔ بخار کم تھا اور رات کی نسبت وہ بہتر محسوس کر رہی تھی۔

''تمہاری تو ساری تفریح ہی غارت ہو گئی۔ دیکھو تو آج موسم کتنا خوب صورت ہے۔'' اس کی کولیگ فائقہ نے کہا۔ رات ہونے والی رم جھم رک چکی تھی۔ بادل چھٹ رہے تھے اور خوش گوار ہوائیں چل رہی تھیں۔ وہ بس مسکرا کر رہ گئی۔

''......السلام علیکم، جملہ خواتین۔''

ایک جانی پہچانی آواز آئی۔ اس نے بے اختیار دروازے کی سمت دیکھا۔ ڈاکٹر ہاشم آفریدی اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے آیا تھا۔ اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں مخصوص سی چمک جاگی تھی۔ وہ نظریں چرا گئی۔

''وعلیکم السلام جنٹل مین۔'' پر زور جواب دیا گیا۔ سنبل سے حال احوال پوچھا گیا سب سے اخلاق برتنے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''اچھا تو مہر بی بی۔ سنا ہے طبیعت ساری رات خاصی خراب رہی ہے آپ کی۔ مگر مروتاً آپ اصرار کرتی رہیں کہ مجھے بے وقت زحمت نہ دی جائے۔ بی بی ہم ڈاکٹر پیشہ لوگ ہیں۔ ایسی ایمرجنسی کے عادی چاہے رات ہو یا دن ہمارا فرض ہے خدمت مریضوں کی۔'' بیگ کھولتے۔ اس کا بی پی لیتے اس نے تھرمامیٹر اسے دیا تھا۔ پھر سب کے سوالوں کا وہ فرداً فرداً جواب بھی دیتا رہا۔

آج اس نے ایک میڈیکل کیمپ لگانا تھا دوسرے گاؤں۔ سو اس کے ساتھی کولیگز جا چکے تھے اسے بھی یہاں سے فارغ ہو کر ادھر ہی جانا تھا، مسز تقی کو وہ بتا رہا تھا۔

''اوں...... بی پی خاصا لو ہے۔ ٹمپریچر بھی ہے وہ تو ہو گا خیر چلے گا۔'' اس نے بیگ سے سامان نکالا اور انجکشن تیار کرنے لگا۔

''میڈیسن لی تھیں آپ نے، فرق پڑا کچھ۔'' سوال ہوا۔

رات سے کافی بے خبر ہوں۔" آہستہ سے کہا گیا۔

"اچھا چلیں کلمہ پڑھ لیں۔" انجکشن بڑھاتے اس نے یوں سنجیدگی سے کہا جیسے وقت نزع قریب آگیا ہو۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"لگتا ہے آپ کی پریکٹس اچھی نہیں چل رہی۔ اب تک کتنے مریض ملک عدم روانہ کر چکے ہیں۔" سنبل نے فوراً بدلہ لیا۔ وہ انہماک سے انجکشن لگاتا رہا پھر فارغ ہو کر اسے دیکھ کر اطمینان سے فرمایا۔

"گنتی کرنا میرا اصول نہیں ہر چیز بے حساب کرتا ہوں۔"

"کیا......" سنبل اچھل پڑی۔ بغور اسے دیکھا کہ شاید مذاق کر رہا ہو مگر وہ اب بڑی باقاعدہ قسم کی سنجیدگی سے مسکرا رہے تھے۔

"آپ کوالیفائیڈ...... ڈاکٹر تو ہیں ناں۔" وہ مشکوک ہوگئی اپنے بازو کو مسلتی مہروز یہ نے سنبل کو گھورا۔

"الحمدللہ جسے شک ہو آزمالے۔ علاج شرط ہے۔" پھر وہ مہر کی طرف پلٹا۔

"اچھا بی بی۔ یہ میڈیسن جاری رکھیں۔ ایک ہفتے تک یہ سوجن بھی کافی اتر جائے گی۔ باقی اللہ بہتر کرے گا۔ چلتا ہوں۔" بیگ بند کر کے وہ کھڑا ہوا کہ چند لڑکیاں چائے لیے آگئیں۔

"سر پلیز۔ چائے۔"

اس نے شائستگی سے انکار کرنا چاہا مگر میڈم تقی کے اصرار پر بیٹھ گیا۔ پھر چائے کے دوران وہ ان شوخ لڑکیوں کے سوالات کے گول مول جواب دیتا رہا۔ دوران گفتگو اس کی مہر پر پڑتی پراسرار نگاہیں اور ان میں ابھرتی چمک کو سنبل نے بھی نوٹ کیا تھا۔ بعد میں وہ مہر کو معنی خیزی سے جتاتی رہی مگر وہ سر جھٹک کر رہ گئی۔

"اگر وہ اپنا کیمپ چھوڑ کر صرف میرے لیے آیا ہے تو اس میں معنی خیزی کا پہلو کہاں سے نکلتا ہے۔"

دل نے مدتوں سے حوس کی چھوڑ دی ہے۔ حوس لمانی کا اس کی زندگی میں گزر نہ تھا۔

کوئی کہانی یا ڈرامہ تو نہیں کہ اچانک کوئی ہیرو آٹکرائے اور یہ ٹکراؤ محبت میں بدل جائے اور ہیروئن کے بدن کی ساری سوئیاں نکال کر وہ اسے ایک پھولوں بھری وادی میں لے جائے جہاں کوئی غم، کوئی تکلیف فکر نہ ہو۔ بابا اور مینا سے بات کر کے وہ ہلکی ہوگئی۔ واپسی کے سفر میں وہ بہت اداس تھی۔ اس پھولوں بھری وادی سے اسے ایک عجیب سی انسیت محسوس ہو رہی تھی جو دل میں اداسی کی دھند بن کر پھیلتی جا رہی تھی۔ نجانے کیوں؟

☆☆☆

"سنو بڑی مزے دار خبر ہے۔" آج کئی دن بعد مینا کو اس نے ہلکے پھلکے موڈ میں دیکھا تھا۔ اس نے کتابیں بند کیں تاکہ فرصت سے اسے سن سکے۔

"پتا ہے تم جب ایبٹ آباد گئی تھیں۔ تو پیچھے سے ریحان انکل کے گھر ایک سوئمبر رچایا گیا تھا۔"

"کیسا سوئمبر؟" اس کے سوال پر وہ استہزائیہ ہنسی۔ "تھا ایک سوئمبر جس کی تیاریاں دونوں پارٹیاں کئی ہفتوں سے چپکے چپکے کر رہی تھیں۔ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش میں دونوں نے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا مگر انجام......" طنزیہ ہنسی۔ "خیر اس دن یہ جلوس بڑے اہتمام اور غرور سے گیا۔ واپسی کے بعد بھی کئی دن اس پارٹی کے چرچے اور تذکرے تھے۔"

"یہ کیا الجھی الجھی باتیں کر رہی ہو مینا۔ کھل کر بتاؤ۔" مہر نے اس کی بے سروپا باتوں پر اسے ٹوک دیا۔

"سنو مائی ڈیئر۔ بس خاموشی سے سنو۔ نجانے میرے باپ کے کئی ہزاروں پر پانی پھیرا گیا۔ کیسے کیسے اہتمام کیا گیا اپنی نمائش کا تاکہ ان کا وہ فارن پلٹ بیٹا انہیں پسند کرے مگر افسوس صد افسوس۔ منہ کی کھائی ہے دونوں نے۔ آج خبر ہے کہ لڑکے کی بات کسی اور سے طے ہوگئی ہے اور جلد ہی شادی بھی

Scanned with CamScanner

ہے۔ اب دونوں پارٹیاں کھسیانی —— ہوئی ماتمی شکل بنا کر سوگ منا رہی ہیں اور دل کھول کر برا بھلا کہا جا رہا ہے۔"

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے۔ ہر شے کو مات ہوتی ہے اور یہ سب خود کو بہت بڑے کھلاڑی سمجھتے ہیں ناں مگر ہر معاملہ ان کی حسب خواہش حل ہو یہ تو ضروری نہیں۔ منہ کی کھا کر کیسا لگتا ہے انہیں بھی تو پتا چلا ہوگا۔" مہر نے اس چھوٹی سی لڑکی کو دیکھا۔ تلخی جس کی زبان، سوچوں میں بھری ہوئی تھی اور اس کے اوصاف کو کھا رہی تھی۔ اس نے نرمی سے سمجھانا چاہا۔

"کسی کے نقصان پر خوش ہونا کم ظرفی ہے مینا۔"

"نقصان...... کیسا نقصان۔؟ گھاٹے میں تو ہم رہے ہیں ہمیشہ۔ انہیں کون سے نقصان اٹھانے پڑے ہیں۔ اور جہاں تک ظرف کا تعلق ہے تو میرا ظرف اتنا بھی وسیع نہیں کہ اپنی پوری زندگی کو کھا جانے والوں کو معاف کردوں۔" سرد مہری سے کہتی وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ مہر اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔

"اگر کام ہوگیا ہو تو لائٹ آف کردیں پلیز۔"

اس کی روٹھی روٹھی آواز پر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ جانتی تھی وہ اب اس سے ناراض ہوگئی ہے۔ ان لوگوں کی طرف داری اسے گوارا نہ تھی۔

اگلے دن چچی کافی مضمحل دکھائی دیں۔ پھوپھو البتہ سوگ کا چولا اتار کر تیار ہو کر جانے کہاں سیر کو نکل گئیں۔ چچی کو ریحان انکل سے اتنی بے مروتی کی امید نہ تھی۔ باتوں باتوں میں دیے گئے لالچ اور سبز باغ بھی کام نہ آئے۔ "لو۔ سارے وقت تو میری بچی کے آگے پیچھے رہا۔ کیسے اس کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ اس کی تعریفیں کرتے اس کی زبان نہ تھک رہی تھی اور یہ زرمین تو بتا رہی تھی کہ ایک دو بار باہر اتفاقیہ ملاقات ہوئی تھی تو اسے کافی پلوانے بھی لے گیا اور اب دیکھو رشتہ مانگا بھی تو کس کا...... ہونہہ پر میں نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔ ایسا چکر چلایا ہے کہ اب مر کر بھی ایسا نہ سوچیں گے۔" وہ فون پر اپنی چھوٹی بہن سے کہہ رہی تھیں۔

"ہاں...... بھائی صاحب کی بیماری پر ریحان بھائی آئے تھے بعد میں بھی آئے تو یہ بھی ساتھ تھا۔ تب اس کے انداز چیخ چیخ کر زرمین کی طرف اس کے جھکاؤ کو ظاہر کر رہے تھے۔" مبالغہ اور جھوٹ ان کے اوصاف ثانیہ تھے۔ وہ اپنی بیٹی کو ہلکا لینے نہیں دیتی تھیں۔

"اس میسنے مکار کی اتنی خاطر مدارت کی۔ اتنا پیسہ برباد کیا۔ سب بے کار ہوگیا۔ ہونہہ بے قدرے۔ جھوٹے مکار لوگ۔" بولتے وقت وہ جذبات کی روانی میں آواز پر قابو نہیں رکھ سکیں سو باہر لاؤنج میں موجود مینا اور ٹی وی دیکھتے بابر نے سب با آسانی سن لیا۔ ماں کی ایسی باتوں پر بابر شرم سے سرخ پڑ گیا۔ بہن کی یوں نمائش کی تفصیل پر اس کا خون کھولا اوپر سے مینا کی تمسخرانہ مسکراہٹ تھی، وہ تن فن کرتا ماں کے کمرے میں گھسا اور زور سے دروازہ بند کردیا۔

"دو غلے لوگ......" سر جھٹکتے وہ بڑبڑائی۔

"آپ کو کیا ضرورت تھی زرمین کی نمائش کرنے کی۔" وہ ان کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

"ہیں...... کیا مطلب......" چچی نے موبائل بند کرتے ہوئے اسے گھورا۔

"مطلب آپ اچھی طرح سمجھتی ہیں امی...... میں ابھی سب سن رہا تھا جو آپ فون پر ارشاد فرما رہی تھیں۔" وہ غصہ دبا کر بولا۔

"تو کیا غلط کہا میں نے...... ایسا کون سا گناہ کرلیا ہے جو تم جہنم کے داروغہ بن کر میرے سر پر سوار ہوگئے ہو۔" بی پی تو ان کا کل سے خیر سے ہی ہائی تھا اب باہر کے تیور دیکھے تو بگڑنے لگیں۔

"امی...... امی...... آپ کب ریئلائز کریں گی کہ آپ کہاں کہاں پر غلط ہیں۔" وہ بے بس ہوگیا۔ انہیں سمجھانا فضول تھا۔

Scanned with CamScanner

"اے لو میاں...... یہ خوب کہی تم نے یعنی اب تم مجھے غلط ثابت کرو گے۔ مجھے۔ ناں میں پوچھتی ہوں۔ ایسے کون سے غلط کام۔ غلطیاں کرتے دیکھ لیا ہے تم نے مجھے۔ ایسے کون سے جرم کیے ہیں میں نے۔"

"اب آپ بات کو فضول میں دوسری طرف لے جا رہی ہیں۔ آپ کو زمین......"

"یہ کیا زمین زمین لگا رکھی ہے۔ ساری دنیا ہی ایسے کرتی ہے۔ کوشش کرتی ہے۔ تب جا کر من پسند رشتہ ملتا ہے میں نے ایسا کون سا انوکھا کام کر لیا ہے جو تم یوں انگارہ بنے کھڑے ہو۔" اس کی بات پورے ہونے سے پہلے وہ چیخ کر بولیں۔

"آپ نے غلط کام نہیں کیا۔ بلکہ صحیح کام کو غلط طریقے سے کرنے کی کوشش کی ہے۔ یوں اپنی عزت اپنی بیٹیوں کو ارزاں نہیں کیا جاتا سمیٹ کر رکھا جاتا ہے۔ شو پیس بنا کر کسی کے سامنے نہیں پیش کیا جاتا۔"

"تو میں نے کون سی بولیاں لگائی ہیں بیچ چوراہے میں۔ دیکھو بابر...... میں تمہارے تیور بڑے دنوں سے دیکھ رہی ہوں اور برداشت بھی کر رہی ہوں۔ یہ جو تم نے سماج کی بھلائی کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے نا تو اس سے باز آ جاؤ۔ بہت پر پرزے نکال لیے ہیں۔ بس کرو۔ میرے صبر کو نہ آزماؤ۔"

احمد علی سے اس کے خوش گوار تعلقات انہیں ایک آنکھ نہیں بھا رہے تھے سو اس وقت بھی خود کو ملامت کرنے کے بجائے وہ اسے برا بھلا کہنے لگیں۔

"آپ سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔" وہ باہر جانے لگا تھا۔

"تو مت کرو بات۔ جاؤ اور اپنے سگوں سے کرو۔ ان کی خدمتیں کرو۔ تلوے چاٹو۔" وہ پیچھے سے چیخنے چلانے لگیں۔...... باہر آیا تو مینا کو دیکھ کر نظریں چرا کر باہر چلا گیا۔ اندر وہ ابھی بھی چیخ چیخ کر بول رہی تھیں۔

☆☆☆

چیک اپ کے بعد بابا کی دوائیں تبدیل کر دی گئی تھیں۔ اس حادثے کے بعد مینا اور مہران کا زیادہ خیال رکھنے لگی تھیں کہ ایک ہی تو ان کا اثاثہ تھا۔ ابھی بھی بابا کو چیک کر کے وہ کمرے میں آئی تو دیکھا مینا سو چکی تھی۔ آج اسے لیکچر بناتے بناتے دیر ہو گئی تھی۔

چچی کا بی پی دو دن سے بڑھا ہوا تھا اور ان کا پرہیزی کھانا بنانے سے مینا نے صاف انکار کر دیا کہ اس دن کے بعد سے ان کے درمیان ایک ان دیکھی سرد جنگ چل رہی تھی۔ سو یہ ذمہ داری از خود مہر کے سر پر آ گئی۔ بابا بھی اب بہت ڈپریسڈ رہنے لگے تھے یہ خیال کہ اپنے ہی گھر میں وہ اپنی بیٹیوں کو مکمل تحفظ و خوشی نہیں دے سکتے۔ انہیں مسلسل کھائے جا رہا تھا۔ سو ان کا بی پی دن میں کئی بار کیا جاتا۔

وہ دل سے چاہتے تھے کہ اب مہر کے فرض سے وہ سبک دوش ہو جائیں۔ یہ سوچیں انہیں دن رات الجھائے رکھتیں، مینا، بابا کا دھیان بٹانے کو سارا دن ان کے ساتھ لگی رہتی، یوں کچن کی بھی ذمہ داری مہر پر آ گئی تو اس نے سکون سے حل پیش کیا" کہ تم بھی مت کرو کام۔ کر لیں گی خود ہی جب ان کے پیٹ میں چوہے دوڑیں گے۔ تم بس ہمارے لیے کچھ ہلکا پھلکا بنا لیا کرو۔"

مگر وہ دوبارہ سے تصادم نہیں چاہتی تھی۔ جس کی وجہ سے بابا اسٹریس کا شکار ہوں۔ کھڑکی کے پردے برابر کرتے ہوئے اس کی نگاہ پچھلے احاطے میں اگے جنگل پر پڑی تو وہ رک گئی۔ اس احاطے میں تین کمروں کے دروازے کھلتے تھے۔ اس کے اور بابا کے کمرے کے علاوہ ڈرائنگ روم کا۔

یہ گھر اس کا نقشہ اس کی ماما کی پسند کا تھا۔ ان کمروں کی کھڑکیاں بھی اسی جگہ کھلتی تھیں جہاں بچپن میں وہ جھانکتی اور ماما کو ادھر دیکھ کر بھاگ کر ان تک آ جاتی تھی۔ اس جگہ سے سب کو خوف آتا تھا مگر یہ جگہ اسے اپنے بچپن میں لے جاتی جہاں دھیمے دھیمے مسکراتی ماما تھیں۔ صحت مند بابا تھے۔ ان کا پرسکون گھر تھا۔ تب وہ ماما کے ساتھ گھنٹوں ادھر بیٹھی کھیلا کرتی۔ ماما پھولوں کو بیلوں کو سنوارے جاتیں۔

ساتھ ہی اس سے بھی چھوٹی چھوٹی باتیں کیے جاتیں۔ آہ۔ اس کی نازک خوب صورت ماما۔ اس نے آنکھیں بند کر کے اس منظر کی خوب صورتی کو ایک جذب سے محسوس کرنا چاہا تو نجانے کیسے دھیان اپنی چوٹوں کی طرف چلا گیا۔ جو اب کافی حد تک مندمل ہو چکی تھیں۔ اس کی چوٹوں پر بھی کیا داستانیں گڑھی گئیں۔ معنی خیز اشارے کیے گئے۔ تب اس نے بہت ضبط سے کام لیا تھا اور بابا مینا...... دونوں کتنے پریشان ہو گئے تھے بابا تو...... اس نے کہنیوں کو آہستگی سے چھوا۔

"دنیا کو ظاہری گھاؤ تو نظر آ جاتے ہیں مگر روح پر پڑے زخم، چھالے، نظر نہیں آتے۔ کاش ان کا بھی کوئی مسیحا ہوتا۔ کاش" کھڑکی بند کرتے اس نے یاسیت سے سوچا۔ ان زخموں کو دیکھتے دھیان میں وہ مانوس اجنبی آ گیا۔ جو غیر تھا مگر غم گسار لگا تھا۔ جو کچھ نہ تھا مگر اس کے زخموں کی مسیحائی کرتے اس کے ہاتھ، اس کا چہرہ، سب آشنا سے لگے تھے۔ اس نے گہری سانس بھرتے دل میں ابھرتے اس انوکھے احساس کو جھٹکنا چاہا تھا مگر۔

☆☆☆

الفت پھوپھو کے روز روز کے چکر رنگ لے ہی آئے تھے۔ اتوار کو سائرہ کو دیکھنے لوگ آ رہے تھے سب کچھ بالا ہی بالا طے کرنے کے بعد یہ ایک رسمی سا کارروائی تھی۔ بتول چچی کے سینے پر سانپ لوٹ گئے۔ اتنی رازداری برتنا انہیں بری طرح کھلا۔

"کھائے ہمارا...... رہے ہمارے ساتھ۔ مگر کیسے ہمیں دودھ میں سے مکھی کی طرح باہر نکال پھینکا۔ بہت ہی گھنی، مکار اور موقع پرست عورت ہے یہ الفت۔" پچھلے آدھے گھنٹے سے ان کا واویلا سنتی نرمین نے بےزاری سے انہیں ٹوکا۔

"بس کریں امی...... ایسا کون سا شہزاد گلفام ڈھونڈا ہو گا جو آپ کا رنج ہی ختم نہیں ہو رہا۔"

"ہاں تو کیا خبر۔ کوئی شہزادہ ہی ڈھونڈا ہو۔ باہر کی کمائی کا رعب ہی بڑا ہوتا ہے ہمیں تو ہوا تک لگنے نہیں دی جلتی ہے نا میری بیٹی کی خوب صورتی سے، بس یہی خطرہ ہو گا کہ نرمین بازی نہ لے جائے تب ہی۔" من پسند نتیجہ اخذ کر کے وہ اب اپنی انا کو تسکین اور ڈھارس دے رہی تھیں۔

"تو مجھے کون سا فرق پڑتا ہے۔ لاکھ رازداری برتیں مگر بلی آخر کار تھیلے سے باہر آ ہی جائے گی۔" اس کا پر تفاخر انداز اور ناز قدرے استہزاء لیے ہوئے تھا۔ چچی سر ہلا ہلا کر اب آئندہ کی حکمت عملی طے کرنے لگیں۔

اتوار کو وہ لوگ آئے اور سائرہ کے ہاتھ پر شگن کے پیسے رکھ گئے۔ ریفریشمنٹ کا سارا انتظام پھوپھو نے بہت اعلا کروایا تھا۔ مینا تو ہاتھ جھاڑے سائیڈ پر ہی بیٹھی رہی۔ مہر نے کچھ آئٹم پھوپھو کے کہنے پر گھر میں تیار کر لیے۔

کھاتے پیتے لوگ، پڑھا لکھا لڑکا جو کویت کی کسی آئل ریفائنری میں انجینئر تھا۔ رشتہ پھوپھو کی "ذاتی وچولن" نے کروایا تھا۔ سو سارے معاملات نہایت رازداری سے پھوپھو نے مل ملا کر طے کر لیے۔ چچا جان البتہ چچی کے بھڑکانے پر خاصے ناراض تھے سو وہ...... ان لوگوں کے آنے سے پہلے ہی باہر چلے گئے۔ البتہ چچی خوب جم کر بیٹھی تھیں۔ ان کے ساتھ آئی خواتین کے قیمتی ملبوسات زیورات چچی کا دل جلائے جا رہے تھے۔ جس گاڑی میں وہ آئے تو نئے ماڈل کی کرولا اپنے منہ سے اپنی قیمت خود بیان کر رہی تھی۔

سیما آج ہر کام میں پیش پیش تھی۔ سائرہ لجاتی شرماتی بڑی مصنوعی سی لگ رہی تھی۔ وہ دونوں حسب دستور باپ کے پاس ہی رہیں۔ چچی ان میں بیٹھی نجانے کون سے افسانے پھوپھو کی نظر سے بچا کر سناتی رہیں کہ اتنے میں نرمین نے اپنے مخصوص انداز میں بھرپور انٹری دی تھی۔

☆☆☆

اگلے دن آنے والا فون ایک طوفان لے آیا۔ پھوپھو تن فن کرتی لاؤنج میں آئی تھیں جہاں چچی

فرصت سے بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔

"بھابھی۔ یہ تو مجھے پتا تھا کہ کسی کی خوشی تم سے برداشت نہیں ہوتی مگر تم اتنا گر جاؤ گی اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔"

"ہے ہے۔ ہوش کے ناخن لو۔ یہ کیا بکواس کیے جا رہی ہو۔" چچی چمک کر ناگواری سے بولیں۔

"تم نے ساٸرہ کی ساس سے یہ نہیں کہا کہ مین سسرال سے لڑ جھگڑ کے برسوں سے میکے میں بیٹھی ہوئی ہوں۔"

"خبر غلط تو یہ بھی نہیں مگر بھئی میں نے تو ان کے پوچھنے پر اتنا بتایا تھا کہ سسرال سے بنی نہیں تو بی بنو بوریا بستر سمیٹے میکے آ بیٹھی تھیں۔ آخر بہن، بیٹیوں کا اتنا حق تو ہوتا ہی ہے نا۔" چچی نے اطمینان سے گھونٹ بھرتے بظاہر معصومیت سے جلتی پر مزید تیل چھڑکا۔

"کان کو یوں پکڑیں یا یوں۔ بات تو ایک ہی ہے۔ آپ تو چاہتی ہی نہیں ہیں کہ میری بیٹی کا اکی اچھا جگہ رشتہ ہو۔ کچھ تو لحاظ کریں جو میرے لیے ایسی الٹی سیدھی باتیں بول کر یہ رشتہ خراب کر رہی ہیں اور اوپر سے نرمین کو اتنا سج سنور کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ کوئی اسے دیکھنے آئے تھے۔" اصل بات تو یہ ہی تھی، ساٸرہ کی ساس نے نرمین کے لیے خواہش کا اظہار کیا تھا اور یہ تو پھوپھو نے مر کے بھی نہیں ہونے دینا تھا۔ اپنی بیٹی کے مستقبل کو تاریک کرنے کا ان کو شوق نہیں تھا جو بتول بیگم کی اس تنک چڑھی منہ پھٹ دختر نیک اختر کو بھی ادھر کھپا دیتیں۔

"اے لو۔ میں نے ایسی کون سی الٹی سیدھی باتیں کی ہیں۔ میں تو خدا لگتی کہوں۔ مجھ سے یہ لیپا پوتی نہیں ہوتی جو دل میں وہی منہ پر۔ منافقت نہیں آتی اور مجھ پر چڑھائی کرنے سے بہتر ہے کہ تم جا کر اپنی سمدھن کی خبر لو۔ غضب خدا کا ایسی فتنہ عورت...... آج تمہیں الٹی سیدھی بکواس کر کے چڑھا رہی ہے کل نجانے اور کیا گل کھلائے۔" مجال ہے ان پر ذرا بھی جو اثر ہوا ہو۔

"اسی وجہ سے میں نے رازداری برتی تھی کہ جانتی ہوں یہاں حاسدوں کی کمی نہیں۔" پھوپھو کا بس نہیں چل رہا تھا کہ انہیں چٹیا سے پکڑ کر گول گول چکر دے ڈالیں۔

"جاؤ بھئی۔ اپنا راستہ ناپو۔ ہم کیوں جلیں گے تم جیسوں سے۔ ایسا وقت ابھی ہم پر نہیں آیا۔ اور نہ ہی میری بیٹی کو رشتوں کی کمی ہے جو ایسے تو دو ٹیروں ..... پر اپنی رال ٹپکاؤں۔" ان کی بات پر ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ الامان۔ تھکا ہارا بابر یونیورسٹی سے آیا تو گھر کا کشیدہ ماحول اسے مزید برگشتہ کر گیا۔

"سو پلیز۔ اگر تکلیف نہ ہو تو مجھے کھانا گرم کر دیں۔" وہ دروازے میں کھڑا درخواست کر رہا تھا۔ مہر کے کچھ بولنے سے پہلے مینا چیخی۔

"کیوں تمہارے ہاتھ کیا ٹوٹے ہوئے ہیں یا۔"

"مینا......" مہر کی آواز پر وہ بادل نخواستہ چپ کر گئی تھی۔

"سالن تو میں خود بھی گرم کر لوں مگر روٹی ختم ہے اور وہ تو میں نہیں پکا سکتا۔"

"تم چلو۔ میں آ کر پکا دیتی ہوں۔" مہر نے نرمی سے کہا۔ اسے بابر کی اچھائیاں اس کے احسانات یاد تھے۔ بابا کی جس طرح عزت، ان کا خیال وہ کرتا تھا یہاں کسی کو بھی اس کی توفیق نہ تھی۔

"ویسے بائی داوے۔ آپ کی ایک عدد بہن اور والدہ بھی ہوتی ہیں۔" جتایا گیا۔

"ویسے بائی داوے۔ ہر وقت مرچیں چبانا ضروری بھی نہیں ہوتا۔" اس کے جملے پر مبہم سا مسکراتا بابر جاتے جاتے مڑا تھا اور جاتے کہہ کر جھپاک سے باہر نکل گیا۔ مینا جل بھن گئی اور مہر سر جھٹک کر رہ گئی۔

گھر کی یہ کشیدہ فضا ان کے لیے تو سازگار کبھی بھی نہ تھی سو مہر محتاط ہی تھی مگر مینا بہت بے نیاز تھی اسے اب ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ حالات نے اسے ایسا بنا دیا تھا مہر بابر کو کھانا دینے نکل گئی۔

Scanned with CamScanner

☆☆☆

آنے والے نے سامان گیٹ کے پاس رکھ کر ایک گہرا سانس لیا۔ سفر گو کہ اتنا تھکا دینے والا نہ تھا مگر اس راہ کو چلتے یہاں تک آتے وہ تھک ضرور گیا تھا۔ باہر سے اس خاموش گھر کو دیکھ کر وہ کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکا۔ لہٰذا آگے بڑھ کر بیل پر ہاتھ رکھ دیا۔ وقفے وقفے سے دی جانے والی گھنٹی پر کافی دیر بعد دروازہ ایک سرخ آنکھوں والے لڑکے نے کھولا تھا۔ شاید گہری نیند سے جاگا تھا۔

''جی آپ کی تعریف۔؟'' قدرے شائستگی سے تعارف چاہا تو وہ بے ساختہ ہی بولا تھا۔

''خود نہیں کرتا کوئی کر دے تو اور بات ہے۔'' ایک یاد سی ان کرنجی آنکھوں میں چمکی تھی مسکرا کر سامنے حیران کھڑے لڑکے کو دیکھ کر سر جھکایا تھا۔

''مجھے احمد علی صاحب سے ملنا ہے۔ آپ ان سے جا کر کہیں کہ دراب آفریدی کا بیٹا آیا ہے۔'' ذرا ڈھنگ سے تعارف پر وہ آنے والا واپس مڑا۔ پھر چند منٹ بعد ہی وہ ان کے روبرو تھا۔ ان کے ہاتھ تھامے، دھیمی آواز میں مضبوطی سے بولتا ہوا۔ ان کو تسلی دیتا ہوا۔

''آنا تو مجھے ضرور تھا، بہت پہلے ہی مگر فیصلہ لینے میں دیر ہو گئی۔ آپ مایوس تو نہیں ہوئے؟'' اور بابا کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوتی گئیں۔ بابر سامنے خاموشی سے کھڑا جیسے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''مجھے یقین تھا کہ قدرت مجھے اس بار مایوس نہیں کرے گی۔ بس یہ انتظار بہت جاں گسل ہوتا ہے بیٹا۔ جو اس کی سولی پر ٹنگا ہو وہی جانتا ہے کہ امید و بیم کے درمیان ڈولتے ایسے ایک ایک سانس مشقت بن جاتی ہے۔''

''لیکن اس کے اختتام پر خوشیاں ہوں۔ دلفریبی ہو تو ساری تھکن پل بھر میں اتر ہی جاتی ہے۔'' اس کی دلاسہ دیتی مبہم باتیں۔ احمد علی نے حیران کھڑے بابر کو دیکھا پھر خوشی سے لبریز لہجے میں بولے۔

''یہ جہاں آرا کا بیٹا ہے۔ صفیہ کا بھانجا۔'' بابر سمجھ کر مسکرا دیا۔ اسی نے تو تایا ابو کے سارے خط پوسٹ کیے تھے۔

''اور یہ بابر...... میرا بیٹا ہی سمجھو اسے۔'' ان کے لہجے میں بولتی محبت پر آنے والے نے پیچھے مڑ کر بغور اسے دیکھا اور خیر مقدمی انداز میں مسکرا دیا۔

''جاؤ...... جا کر مہر سے کہو کھانا لائے۔ مسافر بہت دور سے آیا ہے اور تھکا ہوا بھی ہے۔'' وہ سر ہلاتا باہر نکل گیا تو انہوں نے مڑ کر اس اونچے لمبے کرنجی آنکھوں والے کو محبت سے دیکھا۔ اس کا آنا۔ ان کا مان بڑھا گیا تھا۔ انہیں نئی طاقت دے رہا تھا۔

کھانا نکالتی، روٹی پکاتی مہر کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کا سامنا کس طوفان سے ہونے والا ہے۔ بابر کی تلاش کے بعد وہ خود ہی کھانے کی ٹرے اٹھائے بابا کے کمرے کے دروازے پر رکی تھی۔

''آؤ مہر...... آ جاؤ...... یہ کوئی غیر نہیں ہے تمہاری خالہ کا بیٹا ہے۔''

''خالہ کا بیٹا۔'' مہر اس حوالے پر ٹھٹھک گئی۔ یہ حوالہ کوئی خوش گوار نہیں تھا اس کے لیے، بھاری ہوتے دل و قدموں کے ساتھ ٹرے تھامے وہ اس کے سامنے آئی تھی جب وہی مسیحا مانوس لہجہ گونجا تھا۔

''السلام علیکم۔'' اس نے ٹرے رکھتے ہوئے بے ساختہ ہی سر اٹھا کر سامنے موجود ہستی کو دیکھا تو بت بنی رہ گئی۔ بابا کیا کہہ رہے تھے اسے سنائی نہیں دے رہا تھا۔ سماعتیں دھوکہ کھا سکتی ہیں مگر بصارتیں......

''یہ تمہاری خالہ کے چھوٹے بیٹے ہاشم ہیں۔'' اس کی مسکراتی شناسائی کا سگنل دیتی آنکھیں آج بھی اتنی ہی روشن تھیں۔ اس نے اپنے بے جان ہوتے جسم کے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش کی۔ مقابل کی لو دیتی نگاہوں سے نظریں چرا کر اس نے آہستہ سے سلام کا جواب دیا اور بیٹھ گئی۔ بابا مزید کیا کہہ رہے تھے سماعتیں سننے سے قاصر تھیں اپنی پشت پر ان دو

آنکھوں کی تپش اُسے باہر نکلتے تک محسوس ہوئی۔

وہ کمرے میں آکر بند ہوگئی۔اس سے یہ رشتہ نکل آئے گا اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ایک اور دکھ دیتا رشتہ۔کرب سے آنکھیں موندتے وہ ڈھے سی گئی۔

شام تک سارے گھر میں اس کی آمد کی خبر پھیل چکی تھی۔مینا آنے والے کے لیے ڈرائنگ روم میں بستر لگا چکی تھی۔

"یہ کون سا بیٹا آگیا جہاں آرا کا؟ پہلا والا تو رسی تڑا کر بھاگ نکلا تھا۔دوسرا تو سنا تھا کہ دادی کے پاس ہوتا تھا۔اس نے پالا پوسا۔لو! اب نیا خرچا......"

غرض طرح طرح کی قیاس آرائیاں کی گئیں مگر جب اس سے ملاقات ہوئی سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔خوب صورت وشائستہ دراز قامت۔بولتی چمکتی آنکھوں والا ہاشم آفریدی چھا جانے کی صلاحیت رکھتا تھا سو چھا گیا۔وہی خواتین جو طرح طرح کی باتیں کرتی بیزار تھیں ایک دم متحرک ہوگئیں۔ان کا جوش دیدنی تھا۔پھوپھو نے جلدی سے جاکر سیما کو تک سک سے تیار ہو کر آنے کا آرڈر دے دیا تو چچی کو بھی ہوش آگیا۔نرمین آج کسی دوست کی طرف تھی سو اسے فون کر کے جلد آنے کی ہدایت کی جو بدتمیزی سے ہوا میں اڑا دے گئی۔

"ماں کیسی ہے تمہاری۔کئی سال ہوگئے اس نے مڑ کر خبر ہی نہ لی۔" مصنوعی لہجے میں اخلاق جھاڑتی پھوپھو مینا کو سخت زہر لگی اس دم۔

"جی بس۔ابا کی جاب کی وجہ سے کئی سال تو ایک جگہ ٹک ہی نہ سکیں۔خیر......" وہ بڑے سکون سے ان کے سوالات کی بوچھاڑ نہ صرف سن رہا تھا بلکہ...... جواب بھی دیے جا رہا تھا۔

"خیر جن کو تعلق رکھنا ہو خبر لیتی ہو وہ ہر حال میں رابطہ کر ہی لیتے ہیں۔تم بتاؤ۔کیا کرتے ہو آج کل۔سنا تھا کہ تم کو دادی نے گود لے لیا تھا۔انہیں کے پاس ہوتے تھے۔"

"جی بس کرتا کیا۔کمال کرتا ہوں یعنی کچھ ایسا خاص نہیں۔" وہ بڑی عاجزی سے بولا تھا۔

"اور رہتا تو میں اب بھی دادی کے پاس ہوں۔اپنے آبائی گھر میں۔اماں بھی اب ادھر ہی آگئی ہیں بابا کی ریٹائرمنٹ کے بعد اب ہم سب مل کر رہ رہے ہیں۔"

"آپ کو بابا بلا رہے ہیں۔" کافی دیر سے سنتی مینا سے ان کی انکوائری برداشت نہ ہوئی تو بالآخر زور سے بولی۔

"اوکے لیڈیز پھر بات ہوگی۔" وہ بھی فوراً کھڑا ہو گیا اور منہ پھلائے جاتی مینا کے پیچھے نکلتا چلا گیا۔پھوپھو روکتی ہی رہ گئیں۔

بابا نے اس کو آفر دی بھی کہ وہ اس کے کمرے میں رہے مگر ہاشم نے سہولت سے منع کر دیا۔وہ نیچے ہی ٹھیک تھا تاکہ حالات کا نزدیک سے جائزہ لے سکے پھر احمد علی،مینا،مہر اور ڈرائنگ روم کی ترتیب ایسی تھی کہ وہ تینوں اکٹھے بنے ہوئے تھے۔تینوں کا ایک دروازہ پچھلے احاطے میں نکلتا تھا۔سو احمد علی کے قریب رہنے کے لیے اس کا عارضی ٹھکانہ ہی بہترین تھا۔نرمین کافی لیٹ ہی آئی تھی۔جس پر چچی نے اس کی کلاس لے ڈالی جواباً وہ چڑ گئی۔

"ایسا کون سا پرنس چارلس ان کے ننھیال سے آگیا ہے۔آپ بھی حد کرتی ہیں۔اب اپنا لیکچر ختم کریں۔" وہ جواباً بدتمیزی سے بولی تھی۔اس کی خودسری پر چچی چپ کر گئیں۔اس کو سر چڑھانے والی وہ خود ہی تھیں۔انہیں ذرا قلق ہوا۔مہر دانستہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔اسے دیکھ کر ماضی کے کئی زخم ہرے ہو گئے تھے۔مینا کو بھی سارے حالات کا علم تھا سو وہ بھی ہاشم سے قدرے کھنچی کھنچی رہی۔بابا کو دیکھ کر یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی انرجی ٹانک مل گیا ہو وہ کئی عرصے بعد اتنے مطمئن،خوش اور پرامید نظر آرہے تھے۔

"آج تو آپ اپنے حجرے سے باہر ہی نہیں نکلیں۔مجبوراً سارے کام مجھے کرنے پڑے۔"

مینا نے شکوہ کیا مگر وہ نظر انداز کیے یوں ہی لیٹی رہی۔

''ہوا کیا ہے۔؟ کچھ بولیں بھی۔''

''میں آپ سے بات کر رہی ہوں مہر۔''

اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پر اس نے جھنجلا کر اس کے پاس بیٹھتے آنکھوں پر رکھا بازو ہٹانے کی کوشش کی تو اس نے بے زاری سے ٹوک دیا۔

''تنگ مت کرو مینا۔''

''کیوں تنگ نہ کریں۔ بابا کئی بار آپ کا پوچھ چکے ہیں۔ مگر لگتا ہے آپ تو جیسے سکتے میں چلی گئی ہیں۔ مہر...... بولنا سیکھیں۔ ہر جگہ خاموشی اچھی نہیں ہوتی۔ اگر آپ کو ان کا آنا برا لگا ہے تو کھل کر اظہار کریں۔ یوں خود کو گھلانا۔ کوئی میڈل نہیں دے گا آپ کو۔''

''میرے اعتراض کرنے سے کیا سب بدل جائے گا۔ ٹھیک ہو جائے گا۔؟ وہ واپس چلا جائے گا۔؟'' اس رندھی آواز پر مینا بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی۔

''شاید کچھ بھی نہ ہو مگر آپ کے اندر کا غبار تو ڈھل جائے گا ناں۔ بعض دفعہ بولنا بہتر ہے بجائے اندر اندر گھلنے کے، خاموش رہ کر آپ لوگوں کی تصدیق ہی کر سکتے ہیں۔ ظلم کے خلاف نہ بولنا بھی ظلم ہے ناں اور یہ بات میں نے سیکھ لی ہے۔'' خود سے پانچ سال چھوٹی بہن کے منہ سے یہ سن کر پہلے تو وہ حیران ہوئی پھر قدرے تلخی سے مسکرائی تھی۔

''ضروری تو نہیں تجربات ہر کسی کو ایک سا سبق سکھائیں۔ مجھے خاموش رہنا ہی آسان لگتا ہے نسبتاً بولنے یا لڑنے کے۔ میں کسی سے لڑ نہیں سکتی، نہ ہی خود کو جسٹی فائی کر سکتی ہوں۔'' اس نے جیسے تھک کر اپنی کمزوری کا اعتراف کیا۔

''ایک لمحہ ایسا آتا ہی ہے مہر۔ جب آپ سرتاپا بدل جاتے ہیں۔ بعض اوقات تبدیلی آہستہ آہستہ آتی ہے مگر بعض جھٹکے آپ کو یک لخت کچھ سے کچھ کر جاتے ہیں۔ میں دعا کروں گی کہ آپ کی زندگی میں بھی وہ لمحہ، وہ موڑ آئے جب آپ خود اپنی ذات کے لیے لڑ سکیں۔ صبر بھی ایک حد تک ہی ہوتا ہے۔ زیادہ صبر بعض مرتبہ آپ کو بے حس بنا دیتا ہے اور بے حسی پر کوئی اجر نہیں۔'' نرمی سے اس کا ہاتھ تھامے وہ بولے گئی۔

''اور ہاں۔ جرم جس نے کیا تھا سزا بھی انہیں بھی نہیں دیں۔ دوسروں کو اپنی بریت میں اپنی صفائی میں بولنے کا موقع تو ملنا چاہیے ناں۔! خود سے فرض کر لینا کہ جرم میں سب ہی شریک تھے بدگمانی اور ناانصافی ہے۔'' بڑے پتے کی بات اس نے ہلکے پھلکے لہجے میں سمجھائی تو وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

مینا کب کی سو چکی تھی اور وہ کھڑکی میں کھڑی سوچ رہی تھی کہ یہ اس کہانی کا نقطہ آغاز تھا یا انجام......! مینا اس حادثے کے بعد جیسے بدلی تھی وہ حیرت انگیز تھا۔ جھجک ڈر، خوف سب کو پیچھے چھوڑے اب اس کے ہر عمل ہر انداز میں ایک اطمینان ہوتا تھا۔ کوئی کیا کہے گا اسے پروا نہیں۔

بابا کی وہ حالت اور پھر ان کا تندرست ہو جانا اسے خوف کے انتہائی عمل کے بعد سے بہادر بنا گیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اگر کھل کر جینا ہے تو کھل کر بولنا بھی ہے۔ اسے اب کسی کام کی پروا نہیں ہوتی تھی۔ ملازمہ کی چھٹی کرنے پر اب وہ جھاڑو اور جھاڑن ہاتھ میں لیے گھر صاف کرتی نظر نہیں آتی تھی بلکہ وہ بھی اطمینان سے اپنے بابا کے کمرے میں بیٹھی رہتی۔ پہلے کی طرح حکم کی غلام نہیں رہی تھی۔ چچی بھی اب اس کے منہ زیادہ نہیں لگتی تھیں اور رہ گئی وہ...... اس نے تھکی تھکی سی سانس لی۔ ڈاکٹر ہاشم آفریدی۔ حاتم آفریدی کا چھوٹا بھائی۔ اس کی سگی خالہ کا بیٹا۔ حاتم آفریدی۔ اس کا منگیتر۔ خالہ کے میاں سرکاری ملازم تھے سو ان کا تبادلہ شہر شہر ہونے کی وجہ سے خالہ بھی ایک جگہ ٹک ہی نہ سکیں۔ ہاشم چھوٹا تھا۔ خالو کی والدہ کو اپنے آبائی گھر سے بہت محبت تھی سو انہوں نے

وہیں رہنے پر ترجیح دی۔ ہاشم کے ساتھ وہ ایبٹ
آباد کے نواح میں واقع اپنے گھر میں رہیں۔
ننھیال میں وہ اس کا واحد رشتہ تھیں۔ نانو کا
انتقال تو جب وہ پانچ سال کی تھی تب ہی ہو گیا اور
نانا پیدائش سے پہلے ہی نہ رہے۔ خالہ، ماما کے
انتقال کے بعد کافی دن اس کے پاس رہی تھیں۔
اور جانے سے پہلے وہ بابا سے کہہ گئی تھیں کہ وہ مہر کی
فکر نہ کریں وہ ان کی امانت ہے۔ بعد میں بھی وہ
بابا سے رابطے میں رہیں۔ ہر موقع پر وہ اس کے
لیے شگن بھیجتی رہیں۔ تب اسے کچھ علم نہ تھا مگر چچی
اور پھوپھو کھٹک سی گئیں۔ میٹرک میں آنے کے
بعد بابا نے اسے بتا دیا کہ اس کی بات اپنی خالہ
کے گھر طے ہے۔ خالہ سے بھی بات ہوتی رہتی
تھی۔ تب اس رشتے کے حوالے سے اس کے کوئی
خاص جذبات نہ تھے۔ حالات نے کوئی نرم لطیف
جذبہ بھی پنپنے ہی نہ دیا تھا۔ مگر بابا کا اطمینان دیکھ کر
وہ بخوشی راضی ہو گئی۔ خالہ میں ماما کی خوشبو آتی
تھی۔ ان میں ماما کی بہت شباہت تھی۔ سو مستقبل
کے حوالے سے ایک اطمینان سا دل کو ہو گیا تھا کہ کم
از کم حال سے بہتر ہی ہوگا۔ پھر سنا کہ خالو ڈیپوٹیشن
پر دو سال کے لیے باہر جا رہے ہیں۔ خالہ جانے
سے پہلے ملنے آئی تھیں وہ ان کے ساتھ بھی تھا
قدرے لاپروا۔ قدرے سنجیدہ سا۔ وہ چلی گئیں۔
ان سے بابا کا رابطہ اب کم ہی رہا کرتا تھا کہ اچانک
ایک دن ان کا فون اس کی ذات کے پرخچے اڑا
گیا۔ تب وہ تھرڈ ایئر میں نئی نئی آئی تھی۔ ان دنوں
گھر کے حالات بہت عجیب سے ہو گئے تھے۔ ہر
دم کشیدگی۔ بابا بہت کمزور ہو گئے تھے۔ ان کی
دوائیں۔ ان کا علاج کچھ بھی ڈھنگ سے نہیں ہو
پا رہا تھا۔ زمین جیسے ان تین لوگوں کے لیے مزید
تنگ کر دی گئی تھی۔ اپنے ہی گھر میں ایک بوجھ سمجھا
جا رہا تھا۔ تب مینا بہت چڑچڑی ہو گئی تھی ان
حالات کو دیکھتے ہوئے وہ ہوم ٹیوشنز دے رہی تھی
جن سے اسے اتنے روپے مل جاتے کہ بابا کی
دواؤں میں ناغہ کم ہونے لگا تھا۔ وہ بھی ایک تھکا ہوا
پر مشقت دن تھا جب خالہ کا فون آیا۔

"بھائی صاحب۔ اگر بچی کی رضا اس رشتے
میں نہیں تو آپ زبردستی مت کریں۔ جہاں اس کی
خواہش ہے وہیں اس کی بات ٹھہرا دیں۔ زبردستی کے
رشتے سوائے تکلیف کے کچھ نہیں دیتے۔" یہ سن کر بابا
ششدر رہ گئے۔ خالہ کیا کہہ رہی تھیں اور کیوں۔؟

"تم ایسا کیوں کہہ رہی ہو۔ یقیناً تمہیں کوئی غلط
فہمی ہوئی ہے۔ مہر کو اس رشتے پر بھلا کیوں اعتراض
ہوگا۔؟"

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی بھائی صاحب!
میں آپ سے کبھی یہ بات نہ کرتی۔ مگر مجھے بار بار یہ
بتایا گیا اور جتایا گیا ہے۔ میرے پاس شواہد ہیں۔
میں بغیر کسی ثبوت کے یہ بات کبھی نہیں کر سکتی تھی مہر
میری بہن کی نشانی ہے۔ مجھے بہت عزیز ہے سو اگر
اس کی خوشی حاتم نہیں تو خیر...... اللہ اسے ہمیشہ خوش
رکھے۔" دکھی، ٹوٹے لہجے میں کہتی وہ فون بند
کر گئیں۔ اور بابا...... بابا اس بات سے ٹوٹ گئے۔
اس رات ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی تھی۔ انہیں دل کی
تکلیف اٹھی تھی۔ وہ خوف سے پر رات جب مہر کو لگا
تھا کہ بابا بھی ماما کی طرح چھوڑ جائیں گے۔ اس
کے سارے احساسات منجمد کر گئی۔ بابا ٹھیک ہو کر
آ بھی گئے مگر بہت خاموش۔ بہت دل گرفتہ رہنے
لگے تھے گھر میں بھی یہ خبر سب کو پتا لگ گئی کہ اس کی
خالہ نے منگنی توڑ دی ہے۔

"سنا ہے اس کے کردار کی وجہ سے مشکوک تھی
عافیہ۔" چچی بظاہر راز داری سے کہتیں مگر با آواز بلند
مقصد اسے سنانا ہوتا۔

"ہاں...... اور یہ بھی کہ اسے پتا چلا ہے کہ بہت
خود سر ہو گئی ہے شام ڈھلے گھر آتی ہے۔ سارا دن
نجانے کہاں کہاں منہ مارتی پھرتی ہے ٹیوشن کے
بہانے۔" پھوپھو کی زہر افشانی اسے نیلا کر گئی۔

"بھئی...... میں تو اپنے بیٹوں کو اس سے بچا کر
رکھتی ہوں۔ ابھی سے باہر کے چسکے منہ کو لگ گئے

ہیں۔ ایسی لڑکیاں جبُت چلتر باز ہوتی ہیں۔ ان کے شر سے کوئی کتنا بچے۔" چچی کا کٹیلا حقیر انداز پھوپھو مزید چٹخارے بھرتیں۔

"شکر ہے میرا اسد تو گیا باہر...... ویسے اتنی پرانی منگنی بے وجہ تو نہیں ٹوٹی ہوگی۔ یقیناً کسی نے کچی رپورٹ دی ہے اس کی۔ شکل دیکھ کر کیسی معصوم لگتی ہے۔ مگر اندر سے پوری میسنی ہے۔ نجانے ایسا کون سا گل کھلایا ہے کہ منگنی بھی ٹوٹ گئی اور بھائی صاحب بھی اسپتال پہنچ گئے۔" ان کے لہجے، جملوں، لفظوں کے پتھر اس کے کردار کی چادر کو داغ دار کرتے کرتے تار تار کرنے پر تل گئے۔

"ہاں...... اللہ معاف کرے اور ہماری بچیوں کو اس کے شر سے محفوظ رکھے۔" بات بڑی نہ تھی مگر رفتہ رفتہ پھندنے لگتے پورے خاندان میں بھی پھیلتی چلی گئی۔

اس کا دل چاہتا کہ وہ خالہ سے پوچھے کہ انہیں یہ حق کس نے دیا تھا کہ وہ اس کے کردار کے بارے میں کوئی بھی رائے دیں۔ کیا انہیں اپنی بہن کے خون پر اعتبار نہ تھا۔؟ کیوں اسے مصلوب کیا جا رہا تھا۔ اس کی رسوائی کا حصہ بنانے اور پھیلانے میں اپنوں کا ہی ہاتھ تھا۔

بابا نے بعد میں ان سے ایک دو مرتبہ رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر رابطہ نہ ہو سکا۔ وہ اندر ہی اندر گھلنے لگے۔ بظاہر چپ ہی رہتے۔

اذیت سے بھرے دو سال گزارنے کے بعد اس نے اپنے بکھرے حوصلوں کو مجتمع کیا۔ خود پر بے نیازی کا خول چڑھا کر ان چبھتی نگاہوں کا سامنا کرنے کا حوصلہ پیدا کرتی وہ میدان عمل میں کودی تھی۔ اس بات کو چھ سال ہو چکے تھے۔ زندگی میں بظاہر ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ خالہ سے رابطہ مکمل منقطع تھا وہ اپنی ذات و کردار کی دوبارہ تعمیر کرتے کرتے تھکنے لگی تو دل میں کئی گلے ان کے حوالے سے اتر آئے اور آج۔ پھر وہی باب کھلا تھا۔ کہانی کا ایک نیا کردار سامنے آیا تھا کہ قصہ پرانا تھا۔ زخموں کا منہ ادھڑ گیا تھا سوزات تو رفوگری میں کٹنی تھی نا...... نرمین کا تو مانو مزاج ہی بدل گیا تھا۔

ہاشم آفریدی کی چھا جانے والی سحر انگیز شخصیت اس کے خود ساختہ بے نیازی کے خول کو چٹخا گئی۔ اس کی بے نیازی کے جواب میں اس کی سرسری نظریں اسے چیلنج کر گئیں۔ پھوپھو نے سائرہ کی شادی کی تاریخ طے کر دی تھی اور اب سیما کو ہاشم کو قابو کرنے کے گر سکھا رہی تھیں۔ اس مرتبہ وہ نرمین کا جادو چلنے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ ہاشم کا زیادہ وقت گو کہ بابا اور بابر کے ساتھ ہی گزرتا تھا مگر اب اکثر شام کی چائے پر اسے زبردستی گھسیٹ لیا جاتا۔ نرمین بطور خاص اہتمام کے ساتھ اس کا ساتھ دینے کو موجود ہوتی تو سیما بھی پیچھے نہ رہتی۔ ایسے موقعوں پر دونوں خواتین اکثر ڈنڈی مار جاتیں ادھر ادھر کھسک لیتیں۔ ہاشم خود سمجھتا تھا مگر مروت اسے کچھ کہنے نہ دیتی۔

اس دن گھر میں بہت امن تھا کہ دونوں فریقین کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ مینا نے کلمہ شکر پڑھا تھا اور کتابیں اٹھائے ممنوعہ علاقہ لاؤنج میں جانے لگی کہ پیچھے سے آتے ہاشم نے پکارا۔

"اے سنو چڑیا۔"

"میرا نام مینا ہے۔ مینائل احمد علی۔"

"مگر مجھے تو تم ایک چھوٹی سی منہ پھلائے چڑیا لگتی ہو۔ جو ہر کسی سے ناراض ———— منہ چھپائے بیٹھی رہتی ہے۔" وہ شرارت سے بولا۔

"منہ چھپائے وہ جس نے جرم کیا ہو۔ میں ہر کام ڈنکے کی چوٹ پر کرنے کی عادی ہوں۔ دوسروں کے کندھے پر بندوق رکھ کر نہیں چلاتی۔" اس کے تیکھے انداز تلملاتے لہجے — پر ہاشم بے ساختہ ہنس دیا۔

"اچھا جی بی۔ حق و سچائی اور جرات کی علمبردار ذرا یہ تو بتائیں۔ مجھ سے کیوں ناراض ہیں؟ دوسری طرف آپ کی بڑی بہن بھی مجھے مسلسل نظر انداز کر رہی ہیں۔" دونوں ہاتھ سینے پر باندھتے اس نے

استفسار کیا۔

"اس کا جواب تو اپنے دل سے پوچھیں کہ یہ کیوں ہو رہا ہے۔" وہ بدستور ویسے ہی بولی۔

"اگر بات چیت یا رابطہ نہ ہو تو بہت سی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ سو تم آرام سے میری بات سن لو گی تو ہو سکتا ہے کہ فیصلہ کر سکو کہ مجرم کون ہے اور ملزم کون۔" اس کے سنجیدہ لہجے میں ایسا تو کچھ تھا کہ مینا نے چند لمحے رک کر بغور اسے دیکھا پھر گہرا سانس بھرتی فیصلہ کن انداز میں بولی۔ "آیئے۔" اور ڈاکٹر ہاشم کی کرنجی آنکھوں میں روشنی جیسے ایک دم بڑھ سی گئی۔

☆☆☆

صبح وہ معمول سے بھی پہلے بیدار ہو گئی تھی۔ رات بھر بھی ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔ اب بھی اذان کے ساتھ آنکھ کھلی تو وہ نماز و تلاوت کے بعد چائے کی طلب میں باہر نکل آئی۔ بابا کے کمرے میں حسب عادت جھانکا تو وہ پرسکون نیند سو رہے تھے یوں بھی آج کل ان کی طبیعت بہتر رہنے لگی تھی۔ مینا بھی ابھی سو رہی تھی۔ وہ چائے بنانے کچن میں چلی آئی۔ جانتی تھی کہ سحر خیزی کی عادت اس گھر کے باقی مکینوں کو نہ تھی۔

چائے کا پانی چڑھا کر وہ کیبنٹ سے پتی اور چینی نکال رہی تھی جب آہٹ پر بے اختیار چونک کر مڑی تھی آنے والا ہاشم آفریدی تھا اسے اتنی صبح جاگتا دیکھ کر حیرت تو ہوئی مگر چہرے پر اس نے عکس نہیں آنے دیا۔

"بھئی ہم تو سحر خیز لوگ ہیں۔" سنبل سے کہا گیا جملہ ذہن میں گونجا تھا اور اس کے ساتھ کتنا کچھ یاد آ گیا۔ وہ آہستہ سے چولہے کی طرف مڑ گئی۔

"زحمت تو ہو گی مگر پلیز۔ ایک کپ میرے لیے بھی۔" سناٹے میں اس کا شائستہ مہربان لہجہ گونجا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے خاموشی سے ایک کپ مزید بڑھا دیا۔ وہ ڈائننگ کی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تو اسے الجھن ہونے لگی۔

"گریز اگر بے وجہ ہو تو اگلا مشکوک ہو جاتا ہے۔ یہ رویہ کب تک چلے گا۔ کوئی ڈیڈ لائن؟ کوئی حد؟" اور مہر کا دل چاہا کہ پلٹ کر سخت جواب دے دے مگر ضبط...... وہ یوں ہی نظر انداز کیے خاموشی سے چائے میں دودھ ڈالے گئی۔

"بے وجہ خاموشی بھی الجھنیں مزید بڑھاتی ہے سو بولیے۔ بولنے سے اگلا آپ کا موقف تو سمجھے گا نا۔" وہ ہار ماننے کو تیار نہ تھا اکساتا رہا۔ مگر وہاں بھی ضبط کمال کا تھا۔ خاموشی سے ہی چائے کا کپ آگے دھرا گیا تھا۔ مقابل گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اس کا سپاٹ چہرہ بلا کا پرکشش تھا۔

"پلیز...... اگر تم تھوڑی دیر رک کر میری بات سن لو......" وہ پلٹنے لگی تو اس کی نرم آواز پر رک گئی۔

"وقت گزرنے کے بعد ساری وضاحتیں بے معنی ہو جاتی ہیں ڈاکٹر ہاشم! پھر جو قصوروار ٹھہرے کٹہرے میں بھی وہی کھڑا ہو تو بہتر ہے، دوسرے آپ کے وکیل صفائی بنیں تو فائدہ کیا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخی سے کہہ گئی۔

"بعض دفعہ سچائیاں بعد میں کھلتی ہیں تو وضاحتیں بھی تب ہی دی جا سکتی ہیں۔ دھول بیٹھنے کے بعد منظر واضح ہوتے ہیں، لہٰذا راستہ دیکھ کر سفر شروع کر دینا آسان ہوتا ہے۔" اس کی ذو معنی بات اور ٹھہرے انداز۔ مہر نے نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا۔ آج بھی اس کے چہرے پر ایک مہربان سا تاثر تھا۔ کرنجی آنکھوں میں چمک لیے وہ بڑی فرصت سے اس کے تاثرات پڑھتا جا رہا تھا۔ مہر نے ایک پر تاسف سانس کھینچی۔

"دھول بیٹھنے میں بہت وقت لگتا ہے ڈاکٹر صاحب اور اس وقت اس گرد میں کھڑے شخص کو سمت نظر نہیں آ رہی ہوتی ہاں مگر خود وہ ضرور مٹی میں مٹی ہو جاتا ہے۔ اور وہ کڑا انتظار۔ وہ آنکھوں میں ذرے چبھنے کی اذیت اور آپ کی ذات پر اڑائی جانے والی خاک...... اسے جھیلنا...... اسے جھیلتے جھیلتے آپ ضرور سمت کھو بیٹھتے ہیں۔ بعد میں چاہے

منزل ملے یا راستہ...... اس کڑے وقت میں تو اپنی ذات کا استحکام برقرار رکھنا ہی انتہائی جاں گسل ہوتا ہے۔" وہ بیتا وقت اور خود پر لگائے گئے الزامات۔ جن کی بازگشت آج بھی اس کی ذات کی چار دیواری میں گونجتی رہتی۔

مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی وہ گناہ گار قرار دی گئی تھی۔ ہاشم اسے دیکھ کر ہلکا سا تاسف کا شکار ہونے لگا۔ مینا اسے سب کچھ بتا چکی تھی گو کہ احمد علی نے کچھ نہ جتایا تھا مگر یہ ان کا ظرف تھا۔ ماحول کے بوجھل پن نے لمحوں میں ان کو اپنے حصار میں لیا تھا مگر ہاشم جھکنے والوں میں سے نہیں تھا۔ سو مسکراتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں پلٹ گیا۔

"ویسے باتوں کے ساتھ چائے بھی اچھی بنا لیتی ہیں آپ۔" وہ بغیر کچھ کہے جانے لگی۔

"میں انتظار کروں گا۔ مہر۔ جب آپ فرصت سے۔ بغیر کسی رکاوٹ، کسی عداوت کے مجھے سننا چاہیں گی۔ مجھے یقین تو نہیں مگر امید آپ کے کافی سارے بوجھ ہلکے ہو جائیں گے اور شاید کچھ لوگوں کی حقیقت بھی کھل جائے۔" اس کا لہجہ پر یقین تھا اس نے یوں ہی مڑ کر دیکھا اب وہ فرصت سے چائے انجوائے کر رہا تھا وہ باہر نکل گئی۔

☆☆☆

نرمین کا زیادہ تر وقت اب گھر پر گزرنے لگا تھا۔ خود پر وہ پہلے سے بھی زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ سیما بھی اس بار ہتھیاروں سے لیس مقابل تھی۔ پھوپھو سائرہ کی طرف سے مطمئن اس کی شادی کی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ چچی سے ان کی ایک سرد جنگ ہنوز جاری تھی۔ چچا البتہ معاذ کی غیر ذمہ داریوں کی وجہ سے بہت پریشان رہنے لگے تھے۔

وہ گھنٹوں بتائے بغیر غائب رہنے لگا۔ کیش کاؤنٹر سے رقم بھی غائب ہونے لگی تھی اور اس بات پر گھر میں اس دن خوب جھگڑا ہوا۔ اس نے بھی اعتراف کر لیا تھا۔ وہ آج کل کسی لڑکی کے چکر میں تھا۔ چچی تو یہ سن کر پہلے خوب چیخی چلائیں پھر ان کا بی پی شوٹ کر گیا۔ بند کمرے میں ہونے والی کارروائی کی بھنک کچھ نہ کچھ باقیوں کو بھی پڑ گئی۔ ہاشم بابا کو اپنے ایک کلاس فیلو کے کلینک لے جانے لگا تھا۔ بابر گھر کے حالات سے ویسے ہی نالاں تھا۔

چچی پہلے ہی اس کے تیور دیکھ کر کھٹک گئی تھیں مگر اب بڑے صاحبزادے کے کرتوت انہیں مزید ڈرا رہے تھے۔ نرمین ان تمام حالات سے بے نیاز تھی۔ اس کے لیے اپنی ذات اہم تھی۔ خود غرضی کا یہ سبق پڑھانے والی چچی خود ہی تھیں۔ سو بیٹی سے انہیں کسی ہمدردی کی امید نہ تھی۔

ستمبر کی اس سنسان دوپہر میں جب سب اپنے کمروں میں تھے۔ مہر کالج سے آئی آج کل اکثر ہی اسے کالج سے واپسی پر دیر ہو جاتی تھی۔ بھوک سے برا حال تھا۔ مینا بابا کے کمرے میں ہی سوئی ہوئی تھی۔ اس نے شاور لے کر کچن کا رخ کیا۔ پتیلی میں ذرا سا سالن بچا رکھا تھا۔ البتہ ہاٹ پاٹ خالی تھا۔

فریج سے آٹا نکال کر اس نے پیڑا بنایا ہی تھا۔ جب گیٹ کھلنے کی آواز پر اس نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا۔ اس گرم دوپہر میں آنے والا ہاشم آفریدی تھا اور اس کے ساتھ نرمین بھی تھی۔ نرمین کے چہرے پر تفاخر کا احساس اتنی دوری کے باوجود بھی اسے نظر آ رہا تھا۔ وہ رخ پھیر کر توا چولہے پر رکھنے لگی۔

"مجھے کیا ہے۔ یہ چاہے جس کسی کے ساتھ بھی گھومے۔" ہاشم آفریدی کے حوالے سے آنے والے خیال پر اس نے سر جھٹکنا چاہا مگر اندر کہیں کسی نے دھیرے سے نفی کی تھی۔

"تھینک یو ہاشم۔ آپ کی وجہ سے مجھے بہت سہولت ہوئی۔" بال جھٹکتے ایک ادا سے مسکراتی نرمین نے سنجیدہ سے ہاشم کو دیکھا۔

"خیر مگر۔ نرمین بی بی۔ میں روز روز آپ کو یہ سروس نہیں دے سکتا۔" بظاہر عام سے لہجے میں ایسا کون سا سرد تاثر تھا کہ نرمین نے مڑ کر بغور اسے دیکھا۔

"اگر میں چاہوں تب بھی۔" نجانے کس رو

میں اس نے بڑے انداز سے پوچھ لیا۔ ہاشم نے بڑے سکون سے اسے دیکھا پھر تمسخر لہجے میں کیا جواب دیا۔

"ہاں...... ہمارے چاہنے سے سب کچھ نہیں ہوسکتا۔ نہ ہی مل سکتا ہے۔ سو اس بات کو تو رہنے ہی دیں۔"

"مگر میں نے جو چاہا ہمیشہ حاصل کیا ہے۔ مجھ میں اتنا دم ہے اور جرات بھی کہ اپنی چاہت کو قابل حصول بنا سکوں۔"

"خوش گمانی اچھی چیز ہے۔ مگر چیزوں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے۔ انسانوں پر اپنی مرضی سے قابل حصول کا ٹیگ لگوانا حماقت ہی ہے۔" بظاہر تھپکی دیتے لہجے میں کہا وہ آگے بڑھ گیا۔ زرمین نے اس کی چوڑی پشت کو مسکراتی چیلنج کرتی نظروں سے دیکھا تھا۔

"یہ تو وقت بتائے گا ہاشم آفریدی...... کہ کون قابل حصول ہے اور کون نہیں۔" ہاشم نے گزرتے ہوئے کچن میں کھڑی مہر کو دیکھا تو ایک لمحے کو رک گیا۔

"میں آپ کی فراغت کا انتظار کر رہا ہوں مہر۔"

"اچھا......! اسی لیے اپنی فراغت کا اچھا مصرف نکالا ہے آپ نے۔" نا چاہتے ہوئے بھی وہ طنز کر گئی۔ ایک لمحہ لگا تھا ہاشم کو سمجھنے میں۔ وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"بعض اوقات مروت بھی مروا دیتی ہے۔"

"اور مروت بھی ایسی خوب صورت۔" اس کے تیکھے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ ہاشم نے چونک کر بغور اس کا جائزہ لیا تھا۔ اس کی جانچتی نظروں کو محسوس کر کے اسے اچانک احساس ہوا کہ وہ کیا بول گئی ہے اور کس سے، کیوں۔ تو خفیف سی ہوگئی۔

"اندر ایسا کیا ہے کہ آپ اسٹک ہوگئے ہیں۔" پیچھے سے آتی زرمین کی آواز پر وہ رخ موڑ گئی۔ "سنگ میل یا شاید نشان منزل۔" ہلکے سے بڑبڑا کر وہ آگے بڑھ گیا۔ مہر ساکن ہوگئی۔ مہر کو دیکھ کر زرمین کی تیوری چڑھ گئی۔

"زیادہ اونچی اڑان اڑنے کی کوشش مت کرنا کہ تمہارے پر کٹنے پر تمہیں واپس زمین پر نہ پٹخ دیں۔ اپنی اوقات میں رہنا۔"

ہاشم آفریدی کے چہرے پر پھیلا وہ نرم گرم سا تاثر اسے آگ لگا گیا تھا سو اسے وارننگ دیتی وہ غصے سے پلٹ گئی۔ مہر نے ایک آزردہ سی سانس بھر کر سوچا۔

"زمین پر رہنے والوں کو گرنے پر اتنی چوٹ نہیں لگتی جتنی اونچی اڑان بھرنے والوں کو۔ اور کیا میں اپنی حقیقت نہیں جانتی۔"

☆☆☆

معاذ نے معاملات بہت خراب کر رکھے تھے۔ چچا کی ہزار دھمکیوں کے باوجود بھی وہ اس لڑکی سے ملنے سے باز نہیں آ رہا تھا بلکہ الٹا بضد تھا کہ اس کے گھر رشتہ لے کر جایا جائے۔ چچی تو ایسی چلتر لڑکی کو بہو بنانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔ جس کی ریپوٹیشن بھی اچھی نہ تھی اور جس نے ان کے بیٹے کو ابھی سے اپنی مٹھی میں کر رکھا تھا۔

اس معاملے میں ان کی ہر حکمت عملی فیل ہوتی جا رہی تھی۔ دھونس، دھمکی سے وہ معاذ کو قابو نہیں کر سکتی تھیں لہٰذا ان کا بی پی ہر وقت ہائی رہنے لگا تھا۔ ادھر زرمین اب مستقل ہاشم آفریدی کو اپنی ملکیت تصور کرنے لگی تھی۔ سیما سے اس کی تو تو میں میں بھی ہو چکی تھی۔ مینا کو اس کا دھونس جماتا انداز زہر لگتا۔ وہ مہر کو قائل کرتی کہ انہیں مل کر ہاشم آفریدی کو زرمین کے چنگل سے بچانا چاہیے آخر وہ ان کا کزن ہے۔

"تو میں کیا کروں۔ وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں۔ اچھا ہے، زرمین اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ سوٹ کرتے ہیں۔"

مینا کی روز روز کی تکرار سن کر آخر اس نے چڑ کر کہہ دیا۔

Scanned with CamScanner

"ارے واہ کیسے سوٹ کرتے ہیں۔ بلکہ کس اینگل سے سوٹ کرتے ہیں۔ کہاں وہ تنک چڑھی بدتمیز زرمین اور کہاں اتنے ریفائنڈ۔ شائستہ مہذب ہاشم بھائی۔ ویسے بائی داوے۔ آپ آج کل کیوں اتنی چڑچڑی ہوتی جارہی ہیں۔"

یہ چڑنا اس کا مزاج نہ تھا سو چوری پکڑی گئی۔

"کوئی نہیں تمہارا وہم ہے یہ، دوسرے تم کیوں اس کی اتنی حمایت کررہی ہو۔ پہلے تم ان لوگوں کا نام لینا پسند نہیں کرتی تھیں اب وہ بھائی بن گیا۔" اپنی اندرونی کیفیت چھپا کر وہ بڑے نارمل انداز میں اسے لتاڑنے لگی۔ مینا نے مشکوک نظروں سے اسے گھورا۔

"جب سے مجھ پر حقیقت کھلی ہے تب سے۔ میں نہیں چاہتی کہ ایسا کھرا بندہ زرمین کو ملے۔ بلکہ میری صابر بہن ایسا بندہ ڈیزرو کرتی ہے۔" وہ ہر بات صاف گوئی سے کررہی تھی سو ابھی بھی اپنے خیالات کا اظہار آرام سے کرگئی۔ مہر کا دل ایک لمحے کو زور سے دھڑکا پھر اندر عجیب سی خاموشی چھا گئی۔

یہ کیا کہہ گئی تھی مینا۔ وہ کمزور سے لہجے میں کہنے لگی۔

"میرے کردار پر سوالات اٹھانے کا جو سبب بنے ہیں تم ان کو مارجن دے رہی ہو.....؟"

"نہیں، بلکہ آپ پر عزت کی چادر تاننے والے سوالی کو مایوس نہیں دیکھنا چاہتی۔ حقیقت کیا ہے؟ کھلی آنکھوں سے دیکھنا سیکھیں۔ پہچانیں کون اپنا ہے اور کون مارِ آستین۔"

"مثلاً کیسی حقیقت......؟"

"یہ تو آپ خود کھوجیں۔" وہ اسے خاموشی سے دیکھے گئی۔ مینا گہری سانس لے کر رہ گئی۔ پھر فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"جانتی ہیں آپ کے لیے آنے والے رشتے بابا کے علم میں لائے بغیر لوٹائے گئے ہیں۔ کئی بار ایسا ہوا ہے۔ آنے والوں کو آپ کے کردار کے بارے میں ایسی ایسی کہانیاں سنائی گئی ہیں کہ کوئی مڑ کر واپس نہ لوٹا۔ بابا کے کزن یاد ہیں آپ کو۔ ریحان تایا انہیں آپ بہت اچھی لگی تھیں۔ وہی جن کے فارن پلٹ بیٹے کے لیے دونوں خواتین کافی پرجوش تھیں مگر شاید بابا کی بے بسی اور ہمارے ساتھ ان کا سلوک وہ بھانپ گئے تھے۔ مگر ان کی خواہش ظاہر کرنے پر دونوں خواتین نے آپ کے کردار پر وہ چھینٹے اڑائے کہ ریحان تایا کے چاہنے کے باوجود ان کی بیوی اور بیٹے نہ مانے۔ یہ بات بابا کو بہت بعد میں پتا چلی تھی۔ تبھی وہ اتنے فکرمند اور پریشان رہنے لگے تھے پھر بابر کی مدد سے بابا نے خالہ لوگوں کا پتا لگوایا اور انہیں یہاں کے سارے حالات لکھ ڈالے۔

مہر! یہ لوگ کبھی بھی ہمارے خیر خواہ نہیں تھے اور نہ ہی ہوسکتے ہیں۔ اب بھی ہاشم آفریدی کی شخصیت کو دیکھ کر وہ لوگ پھر سے انہیں بدظن کرنے کی کوششیں کررہی ہیں۔ یہ لوگ کبھی ہمیں خوش رہنے نہیں دیں گے۔ ان کے لیے ہماری اہمیت بس ایک کریڈٹ کارڈ کی سی ہے۔ جس سے ان کا گھر چل رہا ہے۔"

مینا اس سے زیادہ باخبر تھی وہ سناٹے میں گھری سنتی رہی۔ دل پر بوجھ مزید بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

ہاشم کی بے اعتنائی کے باوجود بھی زرمین پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھی۔ اس کا سرد انداز اسے چیلنج کرنے لگا تھا۔ وہ بہت ضدی تھی۔ سو ہاشم آفریدی سے آسانی سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھی۔ ہاشم کو جانا تھا۔ اس کی واپسی کا سن کر مینا اور بابا دونوں بہت اداس تھے، مہر نے نجانے کیا ٹھانی ہوئی تھی کہ اس کا رویہ اور انداز بدستور ویسے ہی تھے۔ یہ جاتی گرمیوں کے دن تھے۔ راتیں ٹھنڈی ہونا شروع ہوگئی تھیں۔ ایسے دن مہر کو بہت اداس کردیتے تھے۔ ہاشم دوپہر کو مینا کے ساتھ بیٹھا تھا جب زرمین چلی آئی۔

"ہاشم میری دوستوں نے آج آپ کے اعزاز میں ایک گیٹ ٹو گیدر رکھی ہے۔ شام میں تیار رہیے گا۔" اس کا استحقاقانہ انداز۔ مینا نے چونک کر اور ہاشم

نے قدرے تیکھے سر انداز سے اسے دیکھا۔

"پر میں تو انہیں جانتا ہی نہیں تو میرے لیے کیوں......؟"

"میں تو آپ کو جانتی ہوں ناں......"

جتاتا انداز مینا کو سلگا گیا۔ ہاشم نے گہری سانس بھری۔ پھر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر قدرے اطمینان سے بولا۔

"زرمین بی بی...... میرا انجان لڑکیوں میں کیا کام؟ آپ جانتی ہیں مجھے! یہ آپ کا دعوا ہے۔ مگر کاش آپ واقعی میں مجھے جانتیں تو اچھا ہوتا۔ ایسی گیدرنگز۔ ایسی پارٹیز مجھے پسند نہیں۔ نہ ہی میرا معیار ہے کہ میں خود نمائی کے شوق میں ایسی چیزوں اور جگہوں پر شوق سے جاؤں۔ سو میری طرف سے معذرت۔" مینا کے سامنے اس کے الفاظ۔ انداز اسے اپنی شدید بے عزتی کا احساس دلا گئے۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ میرے ساتھ چلیں گے۔" سلگتے لہجے میں قدرے رعونت وضد تھی۔

"شام کو میرا ایک ضروری کام ہے۔" اس کا حوصلہ وضبط کمال کا تھا۔

"مجھ سے بھی زیادہ ضروری کام کوئی ہو سکتا ہے؟"

"ہے زرمین بی بی...... دنیا میں ایسے کئی کام ہیں جو کسی کے لیے غیر اہم اور کسی کے لیے ضروری ہیں۔"

"جو بھی ہو۔ میں شام میں انتظار کروں گی تیار رہیے گا۔" اس کے انداز ہنوز وہی تھے۔ مینا کی مسکراتی نظروں کو محسوس کرتے وہ سلگتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ ہاشم سر جھٹک کر رہ گیا۔

"جی تو کیا پہنیں گے شام کو؟ شلوار قمیص۔ پشاوری چپل یا ڈیزائنر ڈریس سوٹ۔" مینا کے شریر انداز پر وہ افسوس سے سر ہلا کر رہ گیا۔

"اب میرا مذاق اڑاؤ گی لڑکی۔"

"میں...... میری اتنی بساط کہاں۔ یہ کام تو زرمین بہتر طریقے سے کر ہی لے گی۔"

"نجانے اس احمق لڑکی کو کس نے کہہ رکھا ہے کہ ہر چیز آپ کی پراپرٹی ہوتی ہے۔ جتنا اگنور کرنے کی کوشش کرتا ہوں اتنی ہی فری ہوتی جا رہی ہیں۔"

"دل میں تو لڈو پھوٹ رہے ہوتے ہیں لڑکوں کے، بظاہر بے زاری و بے نیازی کا اظہار کیا جاتا ہے۔" وہ بدستور مذاق اڑا رہی تھی۔

"ایسا بھی ہوتا ہے مینا۔ یہ دنیا ہے اور یہاں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مجھے تو فی الوقت مہر کی بے اعتنائی پریشان کر رہی ہے۔ امی کی بابا سے بات ہوگئی ہے۔ ہم لوگ دوبارہ تجدید چاہتے ہیں۔ مجھے انکل نے رضامندی دے دی ہے۔ مجھے آج کل میں واپس جانا ہے۔ وہاں میرے کام کا بہت حرج ہو رہا ہے مگر مہر...... میں چاہتا ہوں وہ اپنی دلی رضامندی سے میری طرف بڑھے، میری بات سنے اور دل میں دبائے سارے گلے سارے سوال باہر نکال دے۔ بغیر کسی دباؤ کے مجھے اپنائے۔ انکل سے بھی میں نے یہی کہا ہے کہ اسے زبردستی پریشرائز مت کریں۔ دلی رضامندی سے اگر وہ میری جانب بڑھتی ہے تو ٹھیک ورنہ...... ایسا ہو سکے گا مینا......؟"

اس کا افسردہ لہجہ اور آنکھوں میں ماند پڑتی چمک مینا کو ایک لمحہ لگا تھا۔ اس نے مسکرا کر پر یقین لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہوگا ہاشم بھائی۔" وہ ہلکے سے سر ہلا کر رہ گیا۔ اور واقعی ہاشم شام سے پہلے کہیں چلا گیا۔ اسے گھر میں موجود نہ پا کر زرمین کا غصے کے مارے برا حال تھا۔ ہتک کا احساس اسے سلگائے دے رہا تھا۔ اس کا نمبر بھی مسلسل بند آ رہا تھا۔ تھک ہار کر اس نے خود کو غصے سے کمرے میں بند کر لیا۔ آج کی شکست اسے برداشت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ نظر انداز ہو۔ یہ کیسے ممکن ہو گیا تھا۔ اور اسی شام بابا نے مہر سے بات کر لی۔

"بیٹا...... تمہاری خالہ اپنی اس نادانی پر بہت شرم سار ہیں اور بار بار معافی مانگ رہی ہیں۔ یہ سارا کھیل اسی گھر میں رچایا گیا تھا اور مہر بھی ہم ہی

Scanned with CamScanner

بنے، حاتم کی شادی ہو چکی ہے اس سارے میں اس کا کوئی کردار نہ تھا۔ اصل ذمہ دار اب بھی بازی اپنے حق میں کرنا چاہتے ہیں۔ تمہارے چچا نے معاذ کے لیے تمہیں مانگا ہے۔ ان کے ارادے ٹھیک نہیں۔ انہیں تمہاری چاہت ہوتی تو اور بات تھی مگر ان کی طلب یہ گھر یہ جائیداد ہے۔"

ان کا لالچ تمہیں نگل لے مجھے یہ گوارا نہیں۔ تم اور مینا میری قیمتی متاع ہو۔ ہاشم ایک ہیرا ہے اور اگر تم راضی ہو تو میرا انتخاب ہاشم ہے۔ میں تمہیں مزید ان خود غرض اور بے حس لوگوں کے ہاتھوں مہرہ بنا نہیں دیکھنا چاہتا۔ تم اچھی طرح سوچ کر جواب دینا یہ سوچ کر کہ تمہارے بابا کی رضا اور خواہش بھی ہاشم ہی ہے۔" ان کی مبہم باتیں وہ سر جھکا کے سنتی رہی۔

معاذ کے پرپوزل پر اسے جھٹکا لگا تھا حیرت کا بھی اور خوف کا بھی۔ وہ عجیب گومگو میں تھی خالہ کے انکار پر کی گئی کردار کشی اسے ابھی بھی نہیں بھولی تھی اور معاذ کا خیال بھی چچا لوگوں کو کیسے آیا۔ وہ بری طرح الجھ سی گئی۔ ہاشم رات تک واپس نہ آیا۔ سب اپنے کمروں میں تھے۔ کھانا کھائے کافی دیر ہو چکی تھی۔ وہ کچھ ہمت سمیٹ کر سی رہی۔ آج یوں گھر میں عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی۔ کہ چچی کی تیز آواز سن کر غیر محسوس انداز میں رک گئی۔

"بھائی صاحب کو آگاہ کر دیں کہ اگلے مہینے شادی کر دیں گے معاذ اور [illegible] کی۔" وہ ٹھٹھک گئی۔

"انہوں نے ابھی تک جواب نہیں دیا اور تم نے خود سے طے کر لیا۔" چچا کی جھنجلائی آواز آئی۔

"لو ان کی سنو...... جواب چاہیے بھی کسے، گھر کی بات ہے۔ سادگی سے نکاح کر دیں گے۔ زیادہ تھام جھام کی ضرورت بھی نہیں۔ اور پھر ہم ان کی داغ دار بیٹی لے رہے ہیں۔ انہیں تو الٹا ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے۔" چچی کی مخصوص چیختی آواز اسے خوف زدہ کرنے لگی۔

"یہاں معاذ ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے۔ وہ لڑکی اور اس کے گھر والے بڑے چلتر ہیں۔ ان کا تو دھندا ہی اچھے گھروں کے لڑکے پھانسنا ہے۔ بابر تو یوں بھی پتھے پر ہاتھ دھرنے نہیں دیتا۔ اب اگر معاذ بھی باغی ہو گیا تو سوچیں۔ ہمارا کیا ہوگا۔ کیا بنے گا۔ یہ گھر اور کاروبار ابھی بھی قانوناً بھائی صاحب کا ہے۔ کل کو کوئی تیز داماد مل گیا تو ہمیں تو چلتا کر دے گا۔ پھر کیا کریں گے۔ بس آپ تیاریاں شروع کریں۔ بھائی صاحب کو بھی بتا دیں۔" ان کی شاطرانہ پلاننگ سنتی وہ گم صم سی ہو گئی۔

"کتنی بار کہا ہے تم سے کہ کاغذات ڈھونڈو۔ بھائی صاحب نے کہاں رکھے ہیں تاکہ سارا کچھ اپنے نام کروایا جا سکے۔ مگر تم سے اتنا سا کام بھی نہ ہو سکا کبھی۔"

"کئی بار تو چھان چکی ہوں ان کے کمرے کو۔ نجانے کس غار میں چھپا کر رکھے ہیں۔ باتوں باتوں میں بھی پوچھا مگر مجال ہے ذرا جو بھاپ نکالی ہو۔ بڑا ہی مکار ہے۔ معذور بڈھا۔ مرتا بھی نہیں۔" نخوت سے کہتی وہ سارے رشتوں کا لحاظ بھول گئیں۔

"اب بھی وقت اپنے ہاتھ میں ہے۔ مجھے تو یہ لڑکا ہاشم بھی کھٹکتا ہے۔ اتنے سالوں بعد اس کی آمد بے سبب تو نہیں۔ بڑا ہی چلتا پرزہ ہے۔ تم بھائی صاحب کی رضا مندی چھوڑو اور بس صبح انہیں اپنا فیصلہ سنا دو۔ مہر سے معاذ کی شادی میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ایک تو نوکری ہے کما کر لائے گی۔ دوسرا جائداد کی حصہ دار ہے۔ بعد میں معاذ سارا کچھ اپنے نام کروا لے گا۔ پھر تمہارے بھائی کی معذوری بھی زندگی بھر سنبھالتی رہے گی۔ معاذ بھی اس چڑیل کے چنگل سے نکل جائے گا۔ اسے بھی ذرا یہ لالچ دیں۔"

ان کی پلاننگ فول پروف تھی۔ ایک دم شاندار مہر کے بت بنے وجود میں حرکت سی ہوئی۔

"پہلے ہی بڑی مشکلوں سے اس کی خالہ کا پتا صاف کیا تھا۔ تصویریں بھیج بھیج کر۔ فون کر کر کے

انہیں یقین دلایا تھا کہ مہر کی دلچسپی دوسرے لڑکے میں ہے اب دوسرا آ گیا ہے۔ نجانے کیا نیت ہے اس لونڈے کی۔ معاذ کو راضی کریں کسی طرح۔ کہہ دیں کہ پہلے ہماری مرضی سے جہاں چاہے بیاہ رچالے۔ مہر کا کیا ہے۔ ایک کونے میں اب بھی پڑی ہے بعد میں بھی پڑے رہے گی۔"

مہر بمشکل بے جان ہوتے وجود کو گھسیٹتی کمرے تک لائی جو پتا سو رہی تھی۔ پنکھے کی ہلکی گھوں گھوں اس کے اندر کی گھٹن اور حبس کو مزید بڑھا رہی تھی۔ وہ پچھلے احاطے میں کھلنے والا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

آسمان پر چاند غائب تھا ستاروں کی مدھم روشنی میں وہ جگہ بہت بھیانک سی لگ رہی تھی۔ مگر ان سگے رشتوں سے زیادہ نہیں۔ ساکن فضا میں اس کی تیز ہوتی سانسوں اور گھٹی گھٹی سسکیوں کی آواز گونج رہی تھی۔ مفاد پرستی اس کے کل کو کھا گئی تھی اور آنے والے کل کو بھی اپنی لپیٹ میں لے رہی تھی۔ اس کا دل گھبرانے لگا۔ رشتے ناتے کیا اتنے خود غرض ہوتے ہیں؟ شاید ایسا ہی ہو۔

آج اس کی ہر خوش گمانی، خوش فہمی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ ساکن فضا میں اس کے قطار در قطار گرتے آنسو اس کے اندر کے حبس، دکھ کو ختم نہیں کر پا رہے تھے۔ وہ آج رو رہی تھی ہر اس دکھ پر جو اس نے صبر سے سہا تھا۔ ہر اس الزام پر جو اس نے چپ چاپ سہا تھا۔ ہر اس چوٹ پر جو اس کے پندار کو اس کے کردار کو ضرب لگائی اسے چور چور کرتی رہی تھی۔ جاتی گرمیوں کی اس ہلکی سی ٹھنڈک سموئے رات اس لڑکی کو دکھ سے دیکھ رہی تھی۔

"مہر......" آنے والے کو حیرت سے دیکھا اس کا سلگتا وجود ایک لمحے میں ساکت ہو گیا۔ پھر جیسے ایک سیل رواں تھا جو جاری ہو گیا۔

"آپ اس وقت یہاں کیا ہوا؟ جو آپ کے ضبط کو بہالے گیا......؟"

اس کا نرم لہجہ ویسے ہی میٹھا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر اس اجنبی مہربان کو دیکھا۔ اس کے قد آدم جھولے کے پس منظر میں جھانکتے وہ درخت کیسے عجیب سے لگ رہے تھے۔ مہر کا ہر خوف نجانے کہاں جا سویا تھا۔ ایک لاوا سا پھٹنے کو بہنے کو، تیار تھا۔

"آپ کیا کریں گے جان کر.... کیا کر سکتے ہیں۔" اس کا درشت لہجہ سن کر وہ بے اختیار پنجوں کے بل جھک کر بیٹھا تھا۔ قدرے جھکتے اس نے نیم اندھیرے میں دکھتے بھیگے چہرے کو افسردگی سے دیکھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں، مجھ سے وہی کرلوں گا۔"

"میرے چاہنے نا چاہنے سے آج تک کچھ ہوا ہوتا تو میرا کل اتنا داغ دار نہ ہوتا۔ میرا آج اتنی بے یقینی کا شکار نہ ہوتا۔ میرے آنے والے کل میں اتنی دھند نہ بھری ہوتی۔" اس کا لہجہ وحشت زدہ تھا۔ اس کے اندر روتی کرلاتی خاموشی آج ٹوٹ گئی تھی۔ دھول سے اٹی سیڑھیوں پر اشکوں سے پر چہرے کے ساتھ وہ کوئی جوگن لگ رہی تھی۔ ہاشم نے اپنی نظریں اس کے چہرے پر جما دیں۔

"مایوسی کی دھند میں اکثر امید کا ستارہ واضح نظر نہیں آتا مگر ہوتا ضرور ہے۔ صرف آنکھوں کے جالے صاف کرنے کی دیر ہوتی ہے۔ ہر رستہ واضح ہو جاتا ہے۔ ہر دیا جل اٹھتا ہے۔ آپ امید کا دامن تھامیں تو......"

اس کے مرہم زدہ لہجے پر وہ بے اختیار رونے لگی۔

"آپ یہ باتیں کر سکتے ہیں۔ مگر ہم جیسے لوگ جنہیں صعوبتوں کا خار ہمیشہ تار تار کر دیتے ہیں حرف اندھیروں میں ہی ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔ صرف اندھیرے کو ہی اپنا مقصد مان لیتے ہیں۔ کیا آپ لا سکتے ہیں۔ میری ماں کو...... میرے بچپن کی بے فکری کو...... میرے لڑکپن کے سنہری دور کو...... میرے کردار پر اچھالے گئے کیچڑ کر صاف کر سکتے ہیں۔ یا میرے معذور و بے بس باپ کو پہلے جیسا کر سکتے ہیں۔ کر سکتے ہیں کیا؟ جواب دیں...... بولیں۔"

اس کے پے در پے سوالات کو سنتا ہاشم آفریدی سانس

ابھرتا آہستہ سے اس کے برابر انہی دھول زدہ سیڑھیوں پر آ بیٹھا تھا۔ آسمان پر سینکڑوں ستارے تھے مگر آج نجانے کیوں ہر روشنی بہت بجھی بجھی لگ رہی تھی۔

ایک نظر اس نے برابر بیٹھی مہر کو دیکھا جو آج بہت شکستہ لگ رہی تھی پھر نظر سامنے موجود ان بے ترتیب الجھے ہوئے پیڑوں پر جما کر حوصلہ دیتے لہجے میں بولا تھا۔

''گزرا ہوا وقت واپس نہیں آ سکتا مہروز نہ ہی جانے والے کبھی پلٹ کر آتے ہیں۔ جو آزمائش قدرت کی طرف سے ہو وہ تو صبر و حوصلے سے جھیلنی ہی ہوتی ہے مگر انسانوں کی طرف سے ملنے والی اذیتوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ بس دل بڑا کر کے ایک موقع دینے کی دیر ہے۔''

''آپ کے پاس کون سا مرہم ہے؟ کون سا مداوا کرنے کے دعوے کرنے آئے ہیں آپ۔''

وہ ہنوز بے یقین تھی۔ بے اعتبار تھی۔

''تم موقع تو دو مجھے۔ اگر کامیاب نہ ہو سکا تب سزا کا فیصلہ سنانا۔ میں مانتا ہوں امی سے غلطی ہوئی۔ تمہارے اردگرد رہنے والوں کو جانتے بوجھتے ان کی باتوں پر اعتبار کرلیا۔ مگر صرف تمہاری خوشی کی خاطر۔ جب انہیں بتایا گیا کہ تمہاری رضا معاذ کے ساتھ میں ہے اور حاتم بھائی سے یہ رشتہ تم انکل کی وجہ سے زبردستی کھینچ رہی ہو تو امی نے صرف تمہاری خوشی کے لیے یہ فیصلہ کیا مگر ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے جھوٹے فریبی لوگوں پر یقین کر کے تصدیق نہ کی۔ بتول چچی اور تمہاری پھوپھو کی ملی بھگت سے یہ سب ہوا تھا۔ مگر قصوروار امی بھی ہیں اگر وہ یہاں آ جاتیں تو شاید یہ سب بہت مختلف ہوتا مگر شاید پھر میں یہاں اس وقت نہ ہوتا۔ تمہارے سامنے دست طلب پھیلائے ہوئے۔'' اس کے گمبھیر ہوتے لہجے میں۔ اس آخری جملے میں نجانے ایسا کون سا ٹرانس تھا کہ وہ جو فرش پر نظریں جمائے سب سن رہی تھی بے ساختہ اسے دیکھنے لگی۔ ہاشم نے بھی اسی لمحے اسے دیکھا تھا۔ اپنی جانب تکتی مہر کو نگاہوں کے حصار میں لیے وہ مزید کہے گیا۔

''حاتم بھائی نیوٹرل تھے۔ تم ان کے لیے صرف ایاں کی پسند کردہ لڑکی تھیں سوان کی طرف سے گرین سگنل ملتے ہی میں چلا آیا۔ تمہارے بابا کے وہ سارے خطوط میں نے ریسیو کیے تھے اور یہاں کے سارے حالات جاننے کے بعد میں نے امی، بابا کو اعتماد میں لے کر سب بتا دیا۔ تم نہیں جانتیں مہر۔ امی تب سے بہت بے چین ہیں۔ ان کی راتوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ میں بھی جلدی آ جاتا مگر کچھ معاملات نپٹانے تھے۔ ویسے اس پہاڑی پر تمہیں زخمی دیکھ کر ہی میں ٹھٹک گیا تھا کہ یہ چہرہ اجنبی نہیں بلکہ صدیوں سے آشنا ہے۔'' ہاشم کی آنکھوں سے نکلتی گرم شعاعیں۔ اسے اپنے حصار میں لینے لگی تھیں۔ وہ آہستہ سے رخ پھیر کر سامنے پیڑوں کو تکنے لگی۔ ہلکی دھیمی ہوا اب چلنے لگی تھی۔ اپنی کیفیت اسے سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اس سے نظریں چرائے وہ خود کو بہت احمق لگ رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں یہ جگہ...... یہاں موجود ان پیڑ پودوں سے تمہیں بہت انسیت ہے۔ یہ خالہ کے ہاتھوں لگائے ہوئے ہیں ناں۔ تو پھر خالہ کے اس جیتے جاگتے بھانجے سے اتنا گریز کیوں......؟''

''کیونکہ ان سے محبت کرنے والے اور بہت لوگ ہیں۔'' اس کے نروٹھے انداز پر اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

''بائے گاڈ اس دن نرمین نے جھوٹ بول کر یونی ورسٹی بلوایا تھا۔ کہ ٹرانسپورٹ نہیں مل رہی۔ اور اس کی طبیعت اچانک سے بہت خراب ہو گئی ہے۔ تب نا چاہتے ہوئے بھی مروتاً میں چلا گیا۔ حالانکہ میرے پاس کوئی مرسڈیز کار نہیں تھی۔ میں تو خود بابر کی بائیک ادھار لے کر نکلا تھا۔ مگر لگتا ہے تم اب تک اس بات کو دل سے لگائے ہوئے ہو۔'' جھک کر اسے دیکھتے اس کے چہرے پر شریر چمک تھی۔

''ایسی کوئی بات نہیں۔ خوش فہمی ہے آپ کی۔''

وہ صاف مکر گئی تو ہاشم مسکرا دیا۔

"مہر! میں نے انکل سے پہلے ہی کہہ دیا کہ مہر کی رضامندی کے بغیر یہ رشتہ مت کیجیے گا۔ مگر انکل پر بہت پریشر ہے۔ تمہارے چچا معاذ کے رشتے کے لیے زور دے رہے ہیں۔ انکل بہت کمزور ہیں اگر تمہارے دل میں اب بھی کوئی گرہ کوئی شک، شکوہ ہے تو تم کھل کر کہہ دو۔ میں رشتوں میں زبردستی کا قائل نہیں محبت میں کیسے جبر منظور کروں۔"

اسی نرمی سے کہتے اس نے ساکت بیٹھی مہر کو بغور دیکھا۔ مہر نے نظریں اٹھائیں۔ چند لمحے وہ اسے دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے پر سچائی تھی۔ ایمانداری تھی اور سب سے بڑھ کر محبت کی روشنی۔

"محبت کا دعویٰ کر رہے ہیں آپ......اور اس دعوے کی سچائی تو وقت ہی ثابت کرے گا۔ اور میں اس دن کا انتظار کروں گی جب دعوے سے یقین تک سفر کر کے اعتبار کی دولت سے مالا مال ہو جاؤں اور میرے کردار پر اچھالی گئی سیاہی دھل کر شفاف ہو جائے۔"

اس کی بات میں اقرار تھا۔ ہاشم آفریدی کی آنکھوں میں روشنی ایک دم سے بڑھ گئی۔

"وقت ہر فیصلہ خود کر دیتا ہے مہر! اور مجھے اپنے دعوے کی سچائی کا یقین ہے اور یہ یقین ایک دن آپ کے دل میں بھی اترے گا۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔"

اس کا یقین دلاتا لہجہ مہر کو پرسکون کر گیا۔

☆☆☆

"مہر بعض لوگوں کو وقت خود سزا دیتا ہے اور کڑی سزا۔ دوسروں کی راہ کھوٹی کرنے والے خود بھی نشانِ منزل نہیں پا سکتے۔

پھوپھو کو دیکھو وہ آج کل میں واپس سیالکوٹ جانے والی ہیں۔ سائرہ کی سسرال والے فراڈ نکلے۔ نہ گھر ان کا اپنا تھا اور نہ گاڑی جائیداد...... دو بچوں کو لے کر سائرہ کئی مہینے ادھر آ کر بیٹھی رہی مگر اب انکل کے سمجھانے پر وہ واپس چلی گئی ہے۔ انکل شاید لڑکے کو کوئی کاروبار کروا دیں۔ مگر پھوپھو اب بھی مطمئن نہیں۔ سنا ہے کہ اسد بھائی کی بھی شادی ہو چکی ہے۔ انکل کی ایک جاننے والی کی فیملی میں اور یہ بات چار پانچ سالہ پرانی ہے۔ پھوپھو کو بھنک بھی نہیں پڑنے دی گئی۔ پھوپھو تو یہ سن کر شاکڈ ہی رہ گئیں۔ انکل ان کی خودسری سے سدا کے نالاں تھے سو انہیں اس طرح سزا دے رہے ہیں۔ سیما کی دو منگنیاں ٹوٹنے کے بعد انکل نے سیالکوٹ میں اپنے بھائی کے گھر اس کی بات ٹھہرا دی ہے۔ پھوپھو اور سیما نے بہت واویلا مچایا مگر اسد بھائی نے دوٹوک کہہ دیا ہے کہ اگر انکل کے فیصلے نہ مانے گئے تو وہ "بیرونی امداد روک دیں گے۔" پڑھتے پڑھتے وہ اس اصلاح پر مسکرائی۔

"اب وہ پھوپھو ایسی بھی بے وقوف نہیں۔ سو سیما کے شور شرابا کرنے کے باوجود سیالکوٹ سدھار رہی ہیں۔ ہائے وہ ان کے اونچے خواب۔ سچ ہے کہ انسان کو نظریں ہمیشہ زمین پر رکھنی چاہیے۔ سنا ہے کہ لڑکا جنرل اسٹور چلاتا ہے۔ چچ چچ۔

کرکری تو بتول چچی کے ساتھ بھی بہت ہو رہی ہے معاذ بھائی تو پسند کی شادی کر کے سسرال سدھار گئے۔ یہ صدمہ کم تو نہ تھا کہ نرمین نے ماڈلنگ کے بعد کلاسیکل رقص سیکھنے کو اکیڈمی جوائن کر لی تھی۔ یہ خبر تو چچی نے بہت چھپانے کی کوشش کی مگر بابر کو پتا لگ ہی گیا۔ اسی بات پر ٹھیک ٹھاک جھگڑا ہوا ہے نرمین سے۔ کیوں کہ وہ اب ایک شو کے لیے اپنی پرفارمنس سے تہلکہ مچانے دبئی جا رہی ہے۔

وہ تایا ابو جن کی عزت پر ہماری وجہ سے بٹہ لگتا تھا اب اپنی نور چشمی کی حرکات سے چشم پوشی کر رہے ہیں۔ چچی کا بی پی تو آج کل مسلسل بلندی پر ہی رہ رہا ہے سو میں تو ان کے سامنے جانے سے مکمل احتراز کرتی ہوں ویسے بھی اپنی بیٹی کی شکست کے بعد انہیں میں اور بھی زہر لگنے لگی ہوں (ہاشم بھائی کا دیا گیا زخم محترمہ نرمین ابھی تک نہیں بھولیں) کل تک آپ کو داغ دار کہنے والی۔ آپ کی محنت کو دل پشوری کہنے والی چچی سے بہت پوچھنے کو دل چاہتا ہے کہ اب

بتائیں۔

یہ جو نرمین سلیولیس پہنے ریمپ پر واک کرتی ہے تب ان کی شان دار تربیت کہاں جا چھپتی ہے۔ بابر نے تو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ نرمین کو لگام ڈال لیں ورنہ وہ ان کے ساتھ اب مزید نہیں رہ پائے گا۔ یہ سن کر چچی نے حسب عادت و سابق شور مچانے کی بہت کوشش کی مگر اس بار چچا بھی بابر کے حامی نکلے۔

ویسے نرمین بی بی کے ایک مہربان پروڈیوسر انہیں ایک لگژری اپارٹمنٹ دلوا رہے ہیں۔ شاید وہ وہیں شفٹ کر جائے۔ چلیں۔ خس کم جہاں پاک۔ اور ہاں آخر میں ایک اور بات۔ بابر نے مجھے پروپوز کیا ہے اور میں نے اس کا یہ پروپوزل چند شرائط کے ساتھ قبول بھی کرلیا ہے۔ حیران مت ہوں۔ اگر وہ ان شرائط کو پورا کر سکا تو ٹھیک ورنہ...... اور شرائط بھی کچھ ایسی مشکل نہیں۔

اگر وہ یہ سارا کاروبار خود ٹیک اوور کرے اور ہر مہینے ایمانداری سے میرے بابا کا حق لا کر ہاتھ پر رکھے۔

چچی کو لگام میں ڈالے۔ بلکہ ان کے لیے الگ گھر کا انتظام کر کے انہیں یہاں سے بصد احترام رخصت کرے۔ (بہت عیش کر لیے انہوں نے۔) تیسری اور اہم شرط یہ کہ وہ ہمیشہ میرے اور بابا کے ساتھ اسی گھر میں رہے گا۔ بابا کا بیٹا بن کر۔ اور چوتھی شرط کہ وہ پچھلے احاطے کو صاف کروا کر ٹھیک کروائے گا بلکہ ایک چھوٹا سا گارڈن بنوائے گا جہاں جب آپ آئیں گی تو ہم دونوں بابا کے ساتھ شام کی چائے پیا کریں گے۔ اور ہاں کام تو میں بالکل نہیں کروں گی (کچھ شرائط بہت پرسنل و کانفیڈنشل ہیں)۔

چلیں اب اجازت دیں۔ آپ سے آدھی ملاقات تو ہوئی۔ رات کا ایک بج رہا ہے۔ بابا آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں اور اس چھوٹو کو بھی۔ ذرا اپنے صاحب سے کہیں کہ آپ کو ساتھ لیے حاضری دینے آجائیں۔ ان کے مریضوں کی بات کچھ دن کوئی اور کرے گا۔''

...... تہہ کرتے اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ہاشم کا ٹرانسفر جس بستی میں ہوا تھا وہاں اکثر موبائلز سگنلز کا مسئلہ رہتا سو ایسے میں مینا کے ملنے والے خط اس کے اکیلے پن کا احساس کم کر دیتے تھے۔ دنیا مکافات عمل ہے اسے یقین آگیا تھا۔ شادی کے ان چار سالوں کے دوران ہاشم نے اسے اتنی عزت، اتنی محبت دی تھی کہ ہر وہ زخم سلتا چلا گیا جو کبھی ناقابل علاج لگتا تھا۔

خالہ کے ساتھ نے ماما کی کمی پوری کردی تھی حاتم بھائی بڑے بھائیوں والا مان دیتے تھے تو انکل اسے بیٹی سمجھتے اور بے بے کے لیے تو وہ سب کچھ تھی۔ وہ اس کے بہت چاؤ کرتیں۔ ان چار سالوں میں۔ وقت نے ہر شے اس کی جھولی میں ڈال دی تھی صارم آفریدی سمیت۔ کھڑکی کے راستے لان سے آنے والی ہاشم کی زندگی سے بھرپور آواز سن کر اس نے خط دراز میں رکھتے ہوئے چچی اور پھوپھو کے حالات کے بارے میں سوچا تھا۔

دروازہ کھول کر اس کی زندگی اس کا مان۔ چہرے پر وہی مہربان، نرم مسکراہٹ سجائے کرچی آنکھوں میں روشنی لیے صارم کی انگلی تھامے اندر آرہا تھا۔ اس نے پلٹ کر بہت محبت و عقیدت سے اس مہربان کو دیکھا کہ آج اسے بتانے کا وقت آگیا تھا کہ ''اس کے دعوے سچے تھے۔ اس کی محبت پر گواہی دیتا یقین سے مالا مال دل گواہ تھا کہ وہی اس کا مسیحا تھا اور ہے۔ وہ سب تکلیفیں یوں ہی آئی تھی اور اگر حالات یہ رخ اختیار نہ کرتے تو مجھے ہاشم آفریدی جیسا محبت کرنے والا شخص شاید کبھی نہ ملتا۔''

اعتماد سے اس کی جانب بڑھتے اس نے بہت دل سے مسکراتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆

بچوں کو اسکول بھیج کر وہ ابھی بکھرا گھر سمیٹ رہی تھی کہ اس کی اماں بغل میں کچھ فائلیں دابے اندر چلی آئیں۔

"سب خیر تو ہے ناں اماں! آپ اتنی صبح سویرے کیسے؟"

شارقہ نے تشویش سے ماں کو دیکھا۔ جن کے چہرے پر دور دور تک کسی پریشانی یا الجھن کا کوئی شائبہ تک نہ تھا۔ انہیں ہشاش بشاش پا کر وہ بھی مطمئن ہو گئی۔

"ست ای خیراں نے...... تو بس ادھر آ میرے پاس بیٹھ۔" گہری مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے بھی پاس بٹھا لیا۔

زرقا سکندر

شارقہ کی مصیبت

"بڑی امید لے کر آئی ہوں تیرے پاس...... وعدہ کر پہلے...... کہ مجھے مایوس نہ لوٹائے گی۔"

"حکم تو کریں اماں...... آخر بات کیا ہے؟"

شارقہ نے بڑی تابع داری سے جواب دیا تو اماں نے فوراً سے وہ فائلیں اس کی گود میں ڈال دیں اور لگیں اپنی آمد کا مقصد بیان کرنے۔

"دیکھ شارقہ! ہمایوں تم دونوں کا ایک ہی بھائی ہے اللہ زندگی دے اسے میرا بڑا ہی فرماں بردار ہے پھر کیا کچھ نہیں کرتا آیا اپنی بہنوں کے لیے بھی...... بات اب یہ ہے کہ...... تیرے ابا کی زمین پر کارخانہ لگانا چاہ رہا ہے۔ عالیہ کا تو پتا ہی ہے ناں...... اپنے گھر میں کتنی سکھی ہے، اس نے تو راضی خوشی ان کاغذوں پر دستخط کر دیے ہیں اور میں نے بھی اپنا حصہ معاف کر دیا ہے۔ چل اب تو بھی جلدی سے ان سب پر انگوٹھے لگا ڈال۔ بے شک جائیداد تو تیرے باپ کی ہی ہے پر اس تھوڑی رقم سے ہم میں سے کسی کا کچھ نہیں بننے والا۔ ہاں مگر سب کا ملا کے اس بھلے مانس کا ضرور کچھ بن جائے گا۔"

"اماں!" شارقہ کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیاں لہرا اٹھیں۔ کبھی اماں اور کبھی بستر پڑے اپنے بیمار شوہر کو دیکھنے لگتی۔

ابا کی جائیداد میں سے حصہ ملنے سے حالات کے بہتر ہونے کی اس واحد امید کے ختم ہونے پر...... مستقبل میں پیش آنے والی بے سروسامانی کا خوف ناک منظر اس کی نظروں میں آ کر ٹھہر گیا تھا۔

"ہاں ہاں...... تو نے خرچے کی بالکل بھی فکر نہیں کرنی۔ تیرا بھائی ہے ناں...... اس کے ہوتے ہوئے تجھے کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی میری بچی۔"

جوبات شارقہ لبوں سے نہ کہہ پائی وہ آنکھوں نے بیان کر دی جسے اماں بخوبی سمجھ گئی تھیں تب ہی پیار سے اس کی کمر کو تھپکاتے ہوئے انہوں نے یقین دہانی کروائی۔

مجھے بڑا ہی آسرا ہو جاتا اگر یہ چند لاکھ بھی مجھے مل جاتے۔ مگر اب جب اماں اور عالیہ میں سے کسی کو اعتراض نہیں دونوں بخوشی اپنے حق سے دستبردار ہو رہی ہیں تو پھر میں کون ہوتی ہوں بھلا اس بارے میں بولنے والی۔

اماں سوالی بن کر آئی تھیں انہیں خالی ہاتھ کیوں کر لوٹاتی، جو اس پر نگاہیں جمائے پیار سے چمکارتیں جواب اس کی منتظر تھیں۔

شارقہ نے بھی چپ چاپ کاغذوں پر انگوٹھا لگا کر فائلیں ان کے حوالے کر دیں۔ اس کی تابعداری پر نہال ہوتیں اماں آنچل بھر بھر کے دعائیں دیتی اٹھ کر چل دی تھیں۔

"کیا تھا جو اماں میرا بھی تھوڑا خیال کر لیتیں۔ یہ تو میرا جائز حق تھا اور ابا کی وصیت بھی یہی تھی۔ چند لاکھ روپوں سے کسی کو قطعاً کوئی فرق نہ پڑتا مگر میری زندگی ضرور آسان ہو جاتی۔" اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔

عبدالمتین، اس کا شوہر دو برس پہلے تک بڑا کڑیل جوان تھا۔ ایک روز دفتر جاتے ہوئے اس کی موٹر بائیک سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکرا گئی۔ وہ اچھل کر دور جا گرا جان تو بچ گئی مگر کمر پر شدید چوٹ آنے سے نچلا دھڑ اتنا متاثر ہوا کہ وہ چلنے پھرنے سے ہی معذور۔ علاج کی خاطر اس نے خوب پیسہ بھی بہایا مگر افاقہ پھر بھی نہ ہو سکا۔ حتی کہ اس کی نوکری بھی جاتی رہی۔ اچھے وقتوں میں لیا گیا وہ پلاٹ بھی فروخت کرنا پڑ گیا جس پر بھی ایک پیارا سا گھر بنانے کا خواب ان دونوں میاں بیوی نے دیکھ رکھا تھا۔

☆☆☆

بچیوں کی پڑھائی، گھر کا کرایہ اور باقی اخراجات پورے کرنے کے لیے سطوت بھابھی باقاعدگی سے اسے ہر ماہ کچھ رقم دے جاتیں اور پھر پورا مہینہ پلٹ کر پوچھنے کی روادار نہ ہوتیں، آیا وہ کس حال میں ہے۔ ہمایوں بھائی تو ویسے ہی اپنے کاروبار میں مصروف رہتے۔ بہن سے اس کی خیریت دریافت کرنے کی فرصت ہی کب تھی۔ اس لیے گھر کی کرتا دھرتا، سیاہ سفید کی مالک سطوت بھابھی ہی

تھیں۔

"بھئی بڑی ہی بے وقوف ہے یہ شارقہ بھی۔" بھابھی گھر آتے ہی بولنے لگیں۔

"ماما...... کوئی بات ہوئی ہے کیا پھوپھو کے گھر۔"

عدیم اور لیبا بھی اپنی پڑھائی چھوڑ کر ان کے پاس چلے آئے، جلی بھنی سطوت صوفے پر گرنے کے انداز میں جا بیٹھیں۔

"اب کیا بتاؤں تم لوگوں کو...... لڑکیوں کو اس نے پتلونیں پہنا رکھی ہیں اور خود شارقہ بیگم نیا نکور جوڑا پہنے گھر میں بیٹھی ہے۔ کون اسے عقلمند کہے۔ اچھا پھر خود ہی مجھے بتانے لگی کہ بھابھی یہ سوٹ تو میں نے پچھلے برس سیل میں سے خریدا تھا۔ آج ایسے ہی دل چاہا تو پہن لیا۔ لو بتاؤ بھلا ایسے خرچے پورے ہوں گے۔ خاوند تمہارا بستر پہ، ذریعہ آمدنی ہے کوئی نہیں اور اوپر سے انہیں عیاشیاں سوجھی ہیں۔ ہاں جی پتا ہے ناں انہیں کہ مہینے بعد بھائی کی طرف سے خرچے کا لفافہ آ جانا ہے اس لیے جی بھر کے اڑائے جاؤ۔"

"ماما جینز تو آج کل سب لڑکیاں پہن رہی ہیں اور پھر پھوپھو کی بیٹیاں تو بہت چھوٹی ہیں کیا ہوا جو انہوں نے بھی پہن لیں۔"

لیبا کو ماں کی بات پر تعجب بھی ہوا اور تاسف بھی اس لیے خود کو بولنے سے روک نہ پائی۔ اسے شارقہ پھوپھو کی دو سال سے لے کر آٹھ سال تک کی اوپر تلے کی چاروں بیٹیاں ہی بڑی پیاری لگتی تھیں۔

"نہیں جی ضرورت ہی کیا ہے ایسے فیشنوں کی ...... آج چھوٹی ہیں تو کل بڑی بھی ہوں گی پھر کہاں سے پورا کرے گی ان کے لباس۔"

لیبا کو کڑے تیوروں سے گھور کر سطوت ہاتھ نچا کے بولیں۔

"ماما...... لیبا آپی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" عدیم بھی بہن کا ہم خیال نکلا۔

پتا نہیں، ایسا کیوں ہے کہ ہم جب اپنے کسی بہن بھائی کی مدد کرتے ہیں تو ان سے یہ توقع کیوں رکھنے لگتے ہیں کہ وہ ہر وقت روتا دھوتا اور برے حالوں میں ہی نظر آئے۔ حالانکہ دل اور جذبات انسان امیر ہو یا غریب سب کے ایک جیسے ہوتے ہیں بلکہ ہمیں تو خوش ہونا چاہیے کہ ہماری وجہ سے کسی کا وقت اور حالات اچھے گزر رہے ہیں۔

سطوت کو بچوں کی یہ طرف داری کہاں بھاتی بھلا اس لیے مزید کچھ کہتے ہوئے ان کا لہجہ بھی سخت ہو گیا تھا۔

"صبح کے نکلے رات گئے واپس آتے ہیں تمہارے پاپا۔ دو دو گھروں کے اخراجات پورے کرنے میں ایسے الجھے ——— ہیں کہ انہیں اپنا بھی ہوش نہیں اور تم لوگ ہو کہ مجھے ہی غلط ثابت کرنے پر تلے ہو۔"

ویسے بھی وہ اپنے موقف سے نہ ہٹنے کی شدت سے قائل تھیں۔

"میں بھی پھر بالکل ٹھیک کرتی ہوں۔ تمہارے پاپا ہر ماہ جو رقم شارقہ کے لیے دیتے ہیں ان میں سے آدھی رکھ کر باقی اسے دے آتی ہوں اب کسی کو تو خیال کرنا ہو گا۔"

"ماما! پھوپھو کے پیسے روک کر آپ بالکل بھی اچھا نہیں کر رہیں۔" ماں کے اس انکشاف پر دونوں بچوں نے یک زبان احتجاج کیا۔

"کتنی ضرورتیں ہوں گی جو پوری ہونے سے رہ جاتی ہوں گی۔ اوپر سے مہنگائی کا زمانہ ہے اتنے کم روپوں میں مہینہ گزارنا پھوپھو کے لیے کس قدر مشکل ہو جاتا ہو گا۔"

"اچھا جی ...... تم دونوں کا مطلب ہے کہ سارے پیسے ایک ساتھ اسے دے آیا کروں تاکہ وہ یونہی بے فکری سے اڑاتی پھرے۔ سسرال والے تو ویسے ہی کنگلے ہیں اس کے کسی کا کچھ فرض فریضہ نہیں سوائے ہمارے۔ ارے بھئی دیکھ لینا کل کلاں کو اس کی بیٹیاں بھی تو ہم ہی نے بیاہنی ہیں تب کتنا روپیہ درکار ہو گا تو کیوں نہ میں ابھی سے سوچوں اس بارے میں۔"

"ماما مگر آپ ہی تو کہتی ہیں کہ ہر بچہ اپنا نصیب خود لے کر آتا ہے۔ کل کی کل دیکھی جائے گی ان کا آج تو اچھا ہونے دیں۔"

"کل جب خود کمانے لگو گے تو بھلے میری طرف سے ساری تنخواہ اپنی پھوپھی کو دے آنا میں آج جو کر رہی ہوں وہ مجھے کرنے دو۔ آئے بڑے سمجھانے والے دونوں۔" بچوں کو اپنا حمایتی نہ پا کر وہ خفا خفا سی بحث کو سمیٹتی اٹھ کے اندر چلی گئیں۔

☆☆☆

عبدالمتین کی طویل ہوتی بیماری، اس کے علاج پر اٹھنے والا خرچا اور دیگر اخراجات کے باعث شارقہ کی بڑھتی مشکلات، ان گزرتے سالوں میں اماں بھی تو نہ رہیں۔ اگر وہ زندہ ہوتیں تو حالات شاید بہتر ہوتے۔ انہی سب مجبوریوں نے پریشان حال شارقہ کو ایک روز سطوت بھابھی کے ہاں لا پہنچایا۔

"ڈاکٹر نے ان کی دوائیاں بڑھا دی ہیں بھابھی! فرق نہ پڑا تو ممکن ہے آپریشن کی نوبت آ جائے۔ ہمارا خرچا کچھ بڑھا دیں تو بڑا احسان ہوگا آپ کا۔"

"یہ کیسا کام پکڑ لیا ہے تم نے بی بی...... عبدالمتین کی دوائیوں تک تو ٹھیک ہے۔ باقی خرچے تو کم رکھو۔ اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانا کب سیکھو گی۔"

بھابھی پر اس کی فریاد کیا اثر کرتی وہ الٹا اس پر برہم ہونے لگی تھیں۔ ان کے انداز و بیان سے جھلکتی بیگانگی، شارقہ بچی تو نہ تھی جو اس رویے کو سمجھ نہ پائے۔

"یہ بمشکل ابھی کاروبار سیٹ کر کے بیٹھے ہیں۔ بھلا کہاں سے نکالیں اتنی رقم جو تمہیں پوری پڑ جائے، اس لیے ہماری بھی مجبوریاں سمجھو...... جو مل رہا ہے غنیمت جانو۔" پھر اگلے ہی پل وہ ذرا نرم روی سے گویا ہوئیں۔

"جب حالات ٹھیک نہیں تو پھر ضرورت ہی کیا ہے لڑکیوں کو پڑھانے کی، میری مانو تو بڑی دو کو تو ابھی سے تم سلائی سیکھنے پر بٹھا دو، چار پانچ برسوں میں کامیاب درزنیں تو بن ہی جائیں گی۔"

"بھابھی یہ کیا کہہ رہی ہیں۔" یہ مشورہ تھا بھلا ......وہ کراہ اٹھی۔

"مجھے پتا تھا...... میری صلاح تمہیں کڑوی لگے گی۔" اپنی بات پر بجائے شرمسار ہونے کے وہ برا مان گئیں۔

"میں اپنی بیٹیوں کو ان کے تعلیمی حق سے محروم رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔ حالات کیسے بھی ہوں مگر میں انہیں خوب پڑھاؤں گی۔"

تیزی سے بہہ اٹھنے والے آنسو اس نے ہاتھ کی پشت سے پونچھ ڈالے اور چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔

☆☆☆

یہ ہمایوں بھائی کی دن رات محنت کا ثمر تھا۔ ان کا چمڑے کی اشیاء بنانے والا کارخانہ خوب چل نکلا۔ جلد ہی دوسرے ممالک میں بھی اپنا سامان بھجوانا شروع کر دیا۔ اب تو ان کا اٹھنا بیٹھنا شہر کے امراء اور شرفاء میں ہونے لگا تھا۔ اور انہی تعلقات کی بدولت وہ تاجر یونین کے عہدے تک جا پہنچے تھے۔

آج شام حلف لے کر واپس گھر آتے ہوئے ان کے دل میں نجانے کیا سمائی کہ راستے میں آنے والے ایک بزرگ کے دربار پر فاتحہ خوانی کے ارادے سے گاڑی روک لی۔

دعا مانگ کر باہر نکلے تو دربار کے احاطے میں بیٹھے ضرورت مندوں کی مدد کے لیے انہوں نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا تو ان کا ہاتھ وہیں ساکت رہ گیا اور وہ تصویر بنے کھڑے تھے سامنے ان کی چھوٹی بہن شارقہ اپنی چاروں بچیوں کو ساتھ بٹھائے لنگر کھانے میں مصروف تھی۔

ایک آنسو ہی ہمایوں بھائی کی آنکھ سے نہ اترے ورنہ اس ایک لمحے میں ان پر کیا کچھ قیامت نہ گزر گئی تھی۔ وہ تو بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے غرباء اور مساکین کے درمیان بیٹھی اپنی بہن شارقہ کو دیکھے جا رہے تھے۔

☆☆

حسنہ حسین

عصر لیسار

پچھلی قسط کا خلاصہ

فارس کو موبائل پر عدینہ اور حماد کی تصویریں موصول ہوتی ہیں۔ ان تصویروں میں وہ حماد کے ساتھ مختلف ریستوران اور شاپنگ مالز میں ہنستی مسکراتی نظر آتی ہے فارس یہ سب دیکھ کر شیرازی انٹر پرائز جاتا ہے۔ وہاں اس کا سامنا اعظم شیرازی سے ہوتا ہے وہ انہیں بتاتا ہے حماد نے اس کا گھر خراب کیا ہے۔

جمیلہ شیرازی فارس سے بڑی مشکل سے رابطہ کرتی ہیں وہ انہیں ابارشن کے بارے میں بتاتا ہے۔ سب سے رابطہ ختم [illegible] شہر میں نکل جاتا ہے وہاں شام کے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے وہ اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔

ہارون شیرازی، فارس سے ملنے اس کے گھر جاتا ہے۔ فارس ساری گفتگو کے دوران خاموش رہتا ہے آخر میں گھر سے نکل جانے کو کہتا ہے۔

فارس لاشاری گروپ کو جوائن کرتا ہے اس پر [illegible] ہوتا ہے۔ اسے اغوا کرنے والے جنید لاشاری تھے۔ ادھر عدینہ اور حماد میں جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں اعظم شیرازی حماد کے سارے میں اکاؤنٹ فریز کر دیتے ہیں۔ فارس کو پتا چلتا ہے کہ جنید لاشاری جو جمیلہ بیگم کے بھائی ہیں [illegible] شیرازی کے کاروبار پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے وہ ہارون شیرازی اور حماد کو ختم کرنا چاہتے۔ فارس کو جنید لاشاری کے منصوبے کی خبر ہوتی ہے وہ حماد اور

Scanned with CamScanner

ہارون کو شیرازی کو بچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن دیر ہو جاتی ہے۔
جنازے میں وہ اعظم شیرازی کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ یہ چیز جنید لاشاری کو الجھن میں ڈال دیتی ہے۔
جنت کو لینے فارس پہنچتا ہے تو اس کا سامنا ریان سے ہوتا ہے۔ وہ ڈرے سہمے ریان کو گود میں اٹھا لیتا ہے۔
جنید لاشاری فارس کی اعظم شیرازی کے ساتھ قربت دیکھ کر مشکوک ہے۔
جنید لاشاری اس قتل کا الزام فارس پر لگا دیتا ہے کہ اس نے جائیداد حاصل کرنے کے لیے یہ قتل کیے ہیں۔
فارس، ہارون اور ارزو جہانگیر کی جائز اولاد ہے۔
اعظم شیرازی ہارون کا نکاح نامہ، ڈائری [illegible] اور فارس کا برتھ سرٹیفکیٹ سب پبلک کروا دیتے ہیں۔
بیٹے اور پوتے کا دکھ اعظم شیرازی کو اندر سے توڑ دیتا ہے۔ وہ اپنی تمام جائیداد اور بزنس فارس کے نام کر دیتے ہیں۔ فارس دن رات ان کی خدمت کرتا ہے۔ ایک رات وہ ان کے [illegible] سوتا ہے اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ انہوں نے اسے اعلا تعلیم دلوائی۔ وہ اعظم شیرازی سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔
یہ آخری رات ہوتی ہے اعظم شیرازی کی۔ اگلی صبح وہ دم توڑ دیتے ہیں۔

بیسیویں قسط

وہ راہداری میں تھی۔ آئی سی یو کے سامنے ہی کھڑی تھی۔ موبائل ہاتھ میں تھا۔ تین گھنٹے ہو چکے تھے فارس کو ہاسپٹل سے گئے ہوئے۔ اور ابھی تک وہ واپس نہیں آیا تھا۔ ابھی تک اس کی کوئی کال بھی ریسیو نہیں کی گئی تھی۔ موبائل بند تھا۔ کوئی پیغام۔ خیریت کی کوئی خبر۔ اسے کچھ بھی موصول نہیں ہو رہا تھا۔

جنت کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔ فکر، خوف اور اندیشوں میں گھرا دل۔ بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اسے اپنی سانسیں رکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ اس کی پریشانی بڑھنے لگی تھی۔ وہ اس حالت۔ اس سچویشن میں آخر جا کہاں سکتا ہے؟ راہداری سے نکل کر اس نے لفٹ کا رخ کیا تھا۔ گراؤنڈ فلور پر پہنچتے ہی وہ باہر چلی گئی تھی۔

اس کی رنگت سفید پڑ رہی تھی۔ ہاتھ کپکپا رہے تھے۔ حلق خشک ہو رہا تھا۔ متلاشی نگاہیں یہاں وہاں بھٹک رہی تھیں۔ مگر اسے فارس کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"تم کہاں ہو فارس۔ پلیز۔ پلیز واپس آ جاؤ۔"

اس کا رخ پارکنگ ایریا کی طرف تھا۔ عجلت میں قدم اٹھاتے اب وہ اس کی گاڑی کو ڈھونڈ رہی تھی۔

"اگر تم چاہتی ہو، ہمارے درمیان سب ٹھیک رہے۔ تو آئندہ اس معاملے میں نہیں پڑو گی تم" وہ منظر۔ وہ آواز۔ وہ کیفیت ایک بار پھر حاوی ہوئی تھی۔

"تمہیں میری فیلنگز کا خیال نہیں ہے، میں تمہیں کس بات سے روک رہا ہوں، اس سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا"

"جنت بی بی!" مدحت پریشانی کے عالم میں اس کے پیچھے لپکی تھی۔

اس نے منتشر ذہن کے ساتھ ہر طرف دیکھا۔ تھکاوٹ سے جسم کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ غم اور پچھتاوں میں روح الگ تڑپ رہی تھی۔ اس سے یہ غلطی کیونکر سرزد ہوئی۔ اس نے اتنے بڑے امتحان میں کیوں ڈال دیا انہیں۔ احساس کیوں نہ کیا۔

ذہن کے پردوں میں گزرے وقتوں کے کئی مناظر پھر سے ابھرنے لگے۔ وہ نفرتیں جو بہنوں نے دکھائیں۔ وہ رویہ جو خاندان نے اپنایا۔ وہ سزائیں جو اس کے لیے چن لی گئیں۔

ایک بار پھر کوئی حساب شروع ہونے والا تھا۔ اس کی غلطیوں کا خمیازہ اب کوئی اور بھگتنے والا تھا۔

اس کے قدموں کی حرکت ایک لمحے کے لیے تھم سی گئی تھی کہ بھٹکتی ہوئی نگاہیں جس گاڑی پر جا ٹھہری تھیں، وہ فارس کی ہی تھی۔

وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔

عجلت میں قدم اٹھاتے اس نے فارس کی طرف کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اگلے ہی پل اس کا وجود ساکت ہوا تھا۔

وہ اکیلا نہیں تھا۔ اس کے داہنے بازو میں ریان شیرازی تھا۔ نیند سے بیدار۔ آنکھیں کھولے۔ اس کے سینے پر سر رکھے ہوئے۔ شرٹ کو پکڑے ہوئے۔ سہما ہوا سا۔

وہ صدمے سے منجمد کھڑی رہ گئی۔ آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

فارس بمشکل سانس لیتا اپنی جگہ ہنوز بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو سفید پڑتا دیکھ سکتی تھی۔

اس نے کس قدر کوشش سے ہاتھ بڑھا کر ریان کو لینا چاہا۔ مگر ریان نے ایک دم سے روتے ہوئے اپنا ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ سینے میں منہ دیے رونے لگا۔ جنت نے اسے فارس سے لے لیا جسے مدحت نے سنبھال لیا۔

''فارس!'' دروازے پر ہاتھ رکھے وہ تر ہوتے چہرے کے ساتھ فارس کی طرف جھکی تھی۔

اس نے آہستگی سے جنت کی طرف دیکھا۔ اس کی سرخ پڑتی آنکھوں میں جنت کمال کو اپنا آپ ڈوبتا ہوا محسوس ہوا۔ جو ہمت بھی مخاطب ہونے کی وہ ختم ہونے لگی۔ جو حوصلہ تھا بات کرنے کا مٹنے لگا۔ جس طرح سے وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے لگا وہ اپنے آپ کو بھی معاف نہیں کر پائے گی۔

''کیا۔ ممی؟'' اس کے لب ہلے۔ وہ بمشکل لفظ ادا کرتا۔ ٹوٹتا بکھرتا نظر آ رہا تھا۔

''نہیں۔ نہیں۔ فارس۔'' اس نے بے اختیار اس کے ٹھنڈے پڑتے، کپکپاتے ہاتھ تھام لیے۔ وہ رو رہی تھی تو وہ سمجھا۔ کچھ ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی ماں کو کھو دیا ہے۔

''وہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔''

آنکھوں میں درد لیے وہ گہری سانس لیتا اپنی ہتھیلیوں میں سر گرا گیا۔

''وہ ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔ آئم رئیلی سوری یہ سب ہو گیا۔''

اس نے بازو سے پکڑ کر اٹھانا چاہا تو وہ بمشکل قدم گھسیٹتا آگے بڑھا۔

ریان کو اٹھائے مدحت ان کے پیچھے تھی۔ وہ فارس کو دیکھ رہی تھی۔ کتنی محبت تھی اسے جمیلہ داؤد سے۔ کہ صرف جدائی کے تصور سے ہی وہ اسے مرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کتنے برس بیت گئے۔ کتنا بڑا ہو گیا وہ۔ مگر جہاں جمیلہ داؤد تھیں۔ وہاں وہ چھوٹا سا فارس ہی تھا جسے اپنی پوری دنیا تاریک ہوتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

راہداری سے لفٹ اور پھر کاریڈور میں قدم اٹھاتا آئی سی یو میں چلا گیا۔ یوں جیسے آنکھوں سے دیکھ کر تسلی کرنا چاہتا ہو جمیلہ داؤد کی سانسیں چل رہی ہیں۔ زندگی سے ان کا تعلق ختم نہیں ہوا ہے۔ وہ ان کا ہاتھ تھامے ان پر جھکا ہوا تھا۔ وہ آنسوؤں سے تر آنکھوں سے انہیں قریب سے دیکھ رہا تھا۔

''ممی!''

ان کی آنکھیں بند تھیں۔ ان کے لب ساکت تھے۔ وہ اس کی پکار پر فوری جواب دیتی تھیں۔ اب نہیں دے رہی تھیں۔ ان کا ہاتھ اس کی گرفت میں بے جان معلوم ہو رہا تھا۔ دھڑکنوں کی نشاندہی کرتی لکیروں میں اسے زندگی نظر نہیں آ رہی تھی۔

نرس اور ڈاکٹر اندر داخل ہوئے تو اسے باہر جانا پڑا۔ بند دروازے کے سامنے وہ بالوں میں انگلیاں پھنسائے کھڑا رہا۔ منتظر سا۔ غموں سے چور۔ زخموں سے نڈھال۔

جنت اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔ بہت نرمی سے بازو سے پکڑ کر اسے بنچ پر بٹھایا۔ پانی کی بوتل ہاتھ میں پکڑائی۔ بمشکل چند گھونٹ لیے۔ اب وہ

گہری سانسیں لیتا خود کو اس کیفیت سے نکالنے کی کوشش کر رہا تھا جو ایک دلدل جیسی تھی۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گی" اندر سے ریزہ ہوتے جنت کمال نے اوپر سے مضبوطی دکھائی۔ وہ مضبوطی جو اس نے اپنے سجدوں اور دعاؤں سے لی تھی۔

وہ بیٹھا رہا۔ یوں جیسے کوئی آواز اس تک نہ پہنچ رہی ہو۔ اس کے اندر سب کچھ ایک دم سے تھما ہوا تھا۔ نہ شور، نہ آوازیں۔ نہ چیخ نہ پکار۔ وہ اس کی آنکھوں میں حزن کا سمندر دیکھ سکتی تھی۔ اس کے چہرے سے کرب کی تحریر کھوج سکتی تھی۔

اس نے فارس کا ٹھنڈا پڑتا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ اس نے ہاتھ نہیں جھٹکا۔ غصہ نہیں دکھایا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا! سب ٹھیک ہو جائے گا" وہ کہہ رہی تھی۔ وہ دہرا رہی تھی۔

"آنٹی بہت بہادر ہیں۔ وہ اپنی بیماری سے لڑنا جانتی ہیں۔ وہ جلد اٹھ جائیں گی۔"

وہ چپ رہا۔ سر جھکا ہوا تھا۔ جنت کی گرفت اس کے داہنے ہاتھ پر مضبوط ہونے لگی۔ اسے رونا آ رہا تھا مگر وہ ضبط کیے ہوئے تھی۔

"فارس!" لرزتی آواز میں پکارا۔ کچھ تو کہے وہ۔

اس نے ابھی تک ایک لفظ بھی ادا نہیں کیا تھا۔ جیسے کچھ بولنے سننے کی ہر صلاحیت ختم ہو چکی ہو۔

☆☆☆

ان کے حواس بیدار ہو رہے تھے۔ سفید دھند میں۔ روشنی کا مبہم سا تصور تھا۔ آوازیں تھیں۔ اور مدھم سا شور تھا۔ شیرازی مینشن کا باغ۔ گھوڑے۔ طویل راہداریوں میں بھاگتے دوڑتے حماد کا تصور۔ اس کی ہنسی۔ مسکراہٹ۔ اور پھر بھاگ کر ان سے لپٹنے کا وہ منظر بند آنکھوں پر ٹھہر گیا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھیں۔ اسے سن رہی تھیں۔ وہ ایک مکمل فیملی۔ ایک مکمل زندگی کو ماضی کے پردوں پر ایک بار پھر ابھرتا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ وہ حماد۔ وہ ایک دم سے چھوٹا سا بچہ ہو گیا۔ وہ بے بی کاٹ میں تھا۔ وہ اسے اٹھا رہی تھیں۔ وہ دروازے میں ہارون شیرازی کو کھڑا ہوا دیکھ سکتی تھیں۔ سورج کی زرکار روشنیوں میں وہ منظر۔ وہ زندگی۔ وہ سکون بھرے لمحات انہیں وہیں کہیں معلق کر گئے۔ وہ بس وہیں کہیں ٹھہر جانا چاہتی تھیں۔ اپنے بیٹے۔ اپنے شوہر کے ساتھ۔ اپنے ہی گھر میں۔ اپنی ہی زندگی میں۔ وہ اس مکمل تصویر کا ہی ایک حصہ ہو جانا چاہتی تھیں۔

"ممی!"

گردونواح میں وہ آواز بہت آہستگی سے گونجی تھی۔ ان کے ہاتھ میں پینٹنگ برش تھا۔ وہ سفید کینوس پر مہارت سے سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی لہروں کا منظر بنا رہی تھیں۔

منظر بدل گیا تھا۔ اب وہ کچن میں تھیں۔ وہ حماد کے لیے سینڈوچ بنا رہی تھیں۔

"ممی پلیز!!"

وہ کشادہ سے کمرے میں۔ کارپٹ پر بکھرے کھلونوں کو باسکٹ میں ڈال رہی تھیں۔ حماد ان کے آس پاس ہنستے ہوئے بھاگتا پھر رہا تھا۔ وہ ان کی گردن میں بازو ڈالے جھول گیا تھا۔

ہارون کافی کا مگ تھامے کھڑکی کے پاس ہی کھڑا تھا۔ اس کی نرم مسکراہٹ زندگی کا احساس دلا رہی تھی۔

"وہ ایک غلطی تھی" ہارون کہہ رہا تھا

"کیا!؟" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آرزو سے شادی۔ وہ ایک غلطی تھی۔"

ان کے لبوں کی مسکراہٹ۔ ایک دم سے معدوم ہو گئی۔ خوشیوں کے رنگ۔ کہیں کہیں سے پھیکے اور ماند پڑنے لگے۔ روشنیاں مدھم ہونے لگیں۔ ننھے حماد کی قلقاریاں ختم ہو گئیں۔

"کون آرزو؟؟ کیسی شادی؟" ان کے لب ہلے۔

"آنکھیں کھولیں ممی!" انہیں اپنا ہاتھ مضبوط

Scanned with CamScanner

گرفت میں محسوس ہوا۔ ان کے ہاتھ کی پشت پر آنسوؤں کے قطرے ابھرنے لگے۔

اور پھر منظر بدل گیا۔ وہی تصویر۔ وہی زندگی۔ وہی خواب۔ اور چاہت۔ وہ ایک دائرہ تھا۔ بار بار گھوم رہا تھا۔ وہ اس کے وسط میں کھڑی۔ زندگی کے حسین ترین لمحات کو جی رہی تھیں۔ وہ اس دائرے سے اب بھی نکلنا نہیں چاہتی تھیں۔

''ممی!''

منظر بس ایک لمحے کے لیے بدلا۔ دیواروں میں دراڑ سی نظر آئی۔ وہ آواز جو بہت ہلکی تھی۔ وہ ایک دم سے بلند ہوئی۔

''آپ میرے ساتھ ایسے نہیں کر سکتیں۔ آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتیں۔''

وہ حماد کو سینے سے لگائے۔ وہیں ٹہل رہی تھیں۔ رک گئیں۔ گردن موڑ کر ادھ کھلے دروازے کو دیکھنے لگیں۔

''چلیں؟'' آؤٹنگ کا پروگرام تھا۔ ہارون پوچھ رہا تھا۔ انہوں نے سر ہلایا۔

۔ وہاں کوئی تھا۔ انہوں نے حماد کو بے بی کاٹ میں سلا دیا۔ آہستگی سے قدم اٹھاتی دروازے تک آئیں۔

پھر راہداری میں اور اب وہ دیوار کے ساتھ لگی بند الماری کے سامنے کھڑی تھیں۔

''جمیلہ!!؟'' ہارون ان کے پیچھے آئے۔ مگر دکھائی نہ دیے۔ حماد کی آواز بھی کہیں گم ہوگئی۔

خوف اور ہراس سے بھری ہوئی ہیزل آنکھیں۔ تر چہرہ۔ بکھرے ہوئے بال۔ اور اپنے آپ میں سمٹا ہوا وہ بچہ۔

وہ گرنے کے سے انداز میں نیچے بیٹھ گئیں۔ شیرازی مینشن اندھیرے میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ ایک دم سے وہاں اکیلی رہ گئیں۔

''فارس! '' آواز دیتے ہوئے اٹھیں۔ ''فارس!'' اس کی تلاش میں وہ یہاں وہاں بے تابی سے قدم اٹھانے لگی تھیں۔ انہوں نے ہر ایک منظر کو آئینے کی سطح پر ابھرتے، ٹوٹتے اور بکھرتے ہوئے دیکھا۔ وہ دھیمی سسکیاں تھیں جو سماعت سے ٹکرائی تھیں اور اگلے ہی پل ان کی آنکھ کھل گئی تھیں۔

انہوں نے ایک دم سے سانس کھینچتے ہوئے داہنے ہاتھ کو جنبش دی تھی۔ مانیٹر کی بیپ۔ ڈاکٹرز نرسز کی آواز۔ ان کا وجود بھاری ہو رہا تھا۔ ان کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ لب کپکپا رہے تھے۔ وہ آواز دینے سے مکمل قاصر تھیں۔

جو منظر روشنیوں کی زد میں تھا۔ وہ آہستگی سے تاریک ہونے لگا۔ ان کے آس پاس اندھیرے چھانے لگے۔ شور ختم ہونے لگا۔ وہ سکون کی وادیوں میں اتر رہی تھیں

داہنا ہاتھ ابھی بھی کسی کی گرفت میں تھا۔

''ممی!'' وہ ان کا ہاتھ پکڑے جھکا ہوا تھا۔ دوسرے ہی پل ہوش و خرد سے بیگانہ ہوگئیں۔

پھر انہیں جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔

وہ ان کا ہاتھ پکڑے جھکا ہوا تھا۔ کچھ کہہ بھی رہا تھا۔ انہوں نے آنکھ کھلی تو انہوں نے لبوں کو جنبش دی۔ انگلیاں متحرک ہوئیں۔ نیم تاریکی میں فارس کی موجودگی کا احساس ہوا۔ گردن موڑے وہ اسے دیکھے گئیں۔ ان کے برابر میں ہی کرسی پر بیٹھے وہ وہیں سو گیا تھا۔ ان کا داہنا ہاتھ پیٹ پر دھرا تھا۔ اہستگی سے حرکت دیتیں اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ نیند سے کچھ چونک کر بیدار ہوتے اس نے سر اٹھایا۔ اور پھر اتنی ہی سرعت سے کرسی چھوڑ کر اٹھ گیا۔

''ممی!!

اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، شیو بڑھی ہوئی تھی۔ شرٹ کے کالر درست نہیں تھے۔ رت جگے کی گواہی دیتی آنکھوں میں بہت سا درد ٹھہرا تھا۔ وہ اسے دیکھتی رہیں۔ کچھ کہنے کی سکت نہ تھی۔ بس اس پر گرفت بڑھائے رہیں۔

کچھ ہی دیر میں ڈاکٹر آ گیا تھا۔ وہ ان کے سوالات کا جواب سر کی جنبش سے دے رہی تھیں۔

انہوں نے اپنے بائیں اور پھر دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بھی حرکت دینے کی کوشش کی تھی۔ ان کا بیڈ سیٹنگ پوزیشن میں ایڈجسٹ ہو چکا تھا۔ نرس ڈرپ بدل رہی تھی۔ فارس قدرے فاصلے پر ہی کھڑا رہا تھا۔

پھر وقفے وقفے سے جتنی بار وہ نیند سے بیدار ہوئیں۔ انہوں نے اسے ہی دیکھا۔ وہ وہاں تھا۔ ان کے بے حد قریب۔ ان کی کھلتی بند ہوتی آنکھوں کو بہت تڑپ اور انتظار سے دیکھتا ہوا۔ بہت سے پچھتاووں اور اذیتوں میں گھرا ہوا۔

☆☆☆

موبائل فون کان سے لگائے عدینہ اپنی جگہ سے صدمے سے گنگ ہوئی تھی۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"ریان کا چچا اسے لے گیا ہے۔"

وہ صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں بے یقینی کا تاثر لیے۔ ایک دم سے مشتعل ہوئی تھی۔ "آپ نے کیوں لے جانے دیا ہے اسے۔ میں کہہ کر گئی تھی۔ ریان کو میں لے جاؤں گی۔"

"بس کردو عدینہ!" طارق صاحب جو اس ممکنہ صورتحال سے پہلے سے گھبرائے ہوئے تھے جھنجھلا کر بولے۔ "بچے کا چچا ہے۔ ہم کیسے منع کر سکتے تھے۔"

"لیکن میں نے آپ سے کہا تھا۔"

طارق صاحب نے ضبط کر کے اپنی پیشانی مسلی "تو کیا ہم اسے منع کر دیتے؟ کس حق سے منع کرتے کہ اس کی ماں کی اجازت نہیں ہے؟ تم تو اسے اپنے ساتھ رکھنا ہی نہیں چاہتی تھیں؟"

اس نے غصے سے کال ہی کاٹ دی۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا، فارس شیرازی اس کے بیٹے کو لے گیا تھا۔ یہ صدمہ تھا۔ اور یہی صدمہ اس کے حواس پر بھاری ہو رہا تھا۔

گہری سانس لیتی وہ ابھی بھی بے یقینی کی سی کیفیت میں تھی۔ جنت کا وہاں آنا۔ اور پھر فارس کا اس بچے کو اس گھر سے۔ خود لے جانا۔ اس کا سر نفی میں ہلا تھا۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔ آنکھوں میں غصہ اتر آیا۔ لب سختی سے بھینچ گئے تھے۔

وقت جیسے پلٹ رہا تھا۔ فارس وجدان کے ساتھ گزاری گئی زندگی، حماد سے نکاح سب آنکھوں میں آ رہا تھا۔ جس رات حماد اسے طلاق دے کر گیا تھا اسی رات اس نے ابارشن کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر اگلے دن شہ سرخیوں میں نظر آتی اس کی حادثاتی موت کی خبر اس کا ارادہ بدل گئی تھی۔ اپنے خسارے میں اسے بہت بڑا فائدہ دکھائی دینے لگا تھا۔ وہ حماد کی ہی اولاد کا استعمال کر کے اس خاندان سے جڑ سکتی تھی۔ وہ اس بچے کے ذریعے پوری جائیداد پر قابض بھی ہو سکتی تھی۔

لمحوں میں اس نے پلاننگ کر کے تمام حساب کر لیے۔ وہ اس خاندان کی جاہ و حشمت اور امارت سے واقف تھی۔ بیٹے اور پوتے کا غم لیے اعظم شیرازی اپنی نسل کی بقا کے لیے اسے رد نہیں کریں گے۔

وہ جو طلاق کے غم اور صدمے میں تھی، ایک دم سے ہلکی پھلکی ہو گئی۔ کندھوں سے ہر بوجھ سرک گیا۔ اپنے فلیٹ میں خوشی سے گھومتی رہی۔ جھومتی رہی۔ سوچتی رہی۔ سب اس کا ہو گا۔ اس کی اولاد کا ہو گا۔ انتظار ایک ہفتے تک تھا۔ اس نے کر لیا۔ اتوار کی شب اس کا اسلام آباد جانے کا ارادہ تھا۔ وہ جمیلہ داؤد اور اعظم شیرازی سے ملنا چاہتی تھی۔۔ نکاح، طلاق کے کاغذات اور پریگنسی رپورٹ۔ اس نے سب کاغذات اٹھا لیے۔ کیا کہنا ہے سوچ لیا۔ کس طرح سے بات کرنی ہے طے کر لیا۔

مگر اس رات اچانک بریک ہونے والی خبر نے اس کے حواسوں پر بجلی گرا دی تھی۔

حماد شیرازی اکلوتا نہیں تھا۔ ہارون شیرازی کا دوسرا بیٹا منظر عام پر آ چکا تھا۔ وہ صدمے سے گنگ اور ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔

وہ فارس وجدان کی تصویر تھی جو دکھائی جا رہی

Scanned with CamScanner

تھی۔ وہ فارس وجدان کا ہی ذکر تھا جو ہر جگہ ہو رہا تھا۔ اپنے باپ اور بھائی کا قاتل۔ شیرازی خاندان کی اولاد۔ اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا تھا۔ چکرا کر رہ گئی تھی۔ وہم وگمان میں بھی نہ تھا، ایسا کچھ ہو جائے گا۔ جسے سوالیہ نشان بنا کر چھوڑ چکی ہے۔ اس کا تعلق اسی خاندان سے نکل آئے گا۔

اس نے ملاقات کا ارادہ ترک کر دیا۔ توجہ خبروں پر لگا کر بیٹھ گئی۔ فارس وجدان پر قتل کا الزام لگایا جا رہا تھا۔ اسے اپنے باپ اور بھائی کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا جا رہا تھا۔ دانتوں سے ناخن کاٹتے، بالوں میں ہاتھ پھیرتے، بے قراری سے اپنے کمرے میں ٹہلتے وہ پوری کہانی کو جیسے اب سمجھ پا رہی تھی۔

حماد نے اسے ایسے ہی نہیں اپروچ کیا تھا۔ وہ فارس کی حقیقت سے واقف تھا۔ اس کے علم میں سب کچھ تھا۔

وہ اس کی خوبصورتی نہیں تھی جو حماد کو اس کی طرف لائی تھی۔ وہ بھائی سے مخاصمت تھی جس نے اسے مہرہ بنا دیا تھا۔ وہ انتقام کے اس کھیل میں بس صرف استعمال ہی ہوئی تھی اور یہ ادراک اسے انگاروں پر لا رہا تھا۔

غلطی اس کی تھی۔ منصوبہ اس کا تھا۔ حماد شیرازی نے اسے طلاق کے لیے فورس نہیں کیا تھا۔ ابارشن کا فیصلہ اس کا بھی تھا۔ فارس وجدان کے مقابلے میں حماد شیرازی اپنے خاندانی اسٹیٹس کی وجہ سے اسے بہتر لگا تھا۔ وہ اسے اپنانے کے لیے ہر حد سے گزر رہا تھا۔ اتنے امیر نوجوان کی ایسی دیوانگی کے بعد۔ وہ اور کیا چاہ سکتی تھی؟

وہ ہر صورت فارس وجدان سے جان چھڑا کر حماد شیرازی سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اسے اپنا عیش وعشرت کی زندگی گزارنی تھی۔ وہ اولاد کی کسی زنجیر میں نہیں جکڑنا چاہتی تھی۔ وہ فارس وجدان کے ساتھ مزید کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ وہ اسے طلاق دینے کو تیار نہیں تھا۔ ابارشن کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ رکاوٹ صرف اولاد ہی تھی۔ وہ اولاد جسے وہ اب نہیں چاہتی تھی۔

اس رات پڑنے والا وہ تھپڑ بس آخری حد ثابت ہوا تھا۔ وہ لمحوں میں فیصلہ کر چکی تھی۔ ثانیوں میں اسٹیپ اٹھاتی تھی۔ اس نے ابارشن کروا کر اپنے راستے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیے تھے۔ اس نے ہر وہ رکاوٹ مٹا دی تھی جو اس کے اور حماد کے راستے میں آ سکتی تھی۔

رکاوٹ ختم۔ شادی بھی ہو گئی۔ محض چھ ماہ تک اس کے ساتھ رہنے کے بعد حماد شیرازی نے اسے طلاق دے دی تھی۔ اس کی پلاننگ میں اس کا وجود بس یہیں تک تھا۔ حسن کا جادو۔ بس جادو ہی تھا۔ ذرا دیر تک اثر دکھا کر۔ ختم ہو جانے والا۔ حماد شیرازی مر چکا تھا۔ مگر جو مار وہ اسے دے کر گیا تھا، وہ اس سے سنبھل نہیں پا رہی تھی۔

"کیسا لگتا ہے۔ جب آپ کو آپ کے جیسا انسان مل جائے؟"

یادوں کو جھٹک کر اب وہ لیپ ٹاپ اسکرین پر دیکھ رہی تھی۔ فارس وجدان پر اپنے باپ اور بھائی کے قتل کا الزام تھا۔ نچلا لب کاٹتے، ذہن میں ابھرتے بے تحاشا خیالات کی زد میں اب وہ چاہنے لگی تھی یہ الزام سچ ہو جائے۔ فارس وجدان کو سزا ہو۔ وہ اس کے راستے سے ہٹ جائے۔ اور تمام جائیداد اس کی اولاد کے حصے میں آ جائے۔

مگر جیسا وہ چاہ رہی تھی، ویسا نہیں ہوا تھا۔ پہلے اس کی ذات پر لگا ناجائز اولاد کا شبہ دور ہوا تھا کہ آرزو جہانگیر اور ہارون شیرازی کا نکاح نامہ پبلک کر دیا گیا تھا۔

اور اس کے چند ہی دنوں بعد اعظم شیرازی نے اپنی تمام جائیداد فارس وجدان کے نام کر دی تھی۔

اس نے شدید غصے میں لیپ ٹاپ فرش پر دے مارا تھا۔ وہ پاگل ہو رہی تھی۔ جو سوچ رکھا تھا، وہ اب ناممکن نظر آ رہا تھا۔ ذہن میں طرح طرح کے

خیال آرہے تھے۔ غصہ آرہا تھا۔

اسے اپنے اندر غصے اور آگ کی وجہ پہلے سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اب آرہی تھی۔ فارس وجدان کو چھوڑنے پر اب وہ بے طرح سے پچھتا رہی تھی۔ جلد بازی میں فیصلہ نہ کرتی تو آج بھی اس کی بیوی ہوتی۔ حماد کے چکروں میں نہ پھنستی تو آج سب کچھ اس کا ہی ہوتا۔

وقت پلٹ نہیں سکتا تھا۔ وہ اپنے ماضی کو اب بدل نہیں سکتی تھی۔ مگر اپنے مستقبل کے لیے اب وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ اسے کچھ تو کرنا ہی تھا۔

وہ پہلی فرصت میں اسلام آباد روانہ ہوئی تھی۔ ہاتھ میں نکاح کا پیپر تھا۔ طلاق کے کاغذات۔ پریگننسی رپورٹ۔ وہ پوری تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ مگر اس کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔ وہ بار بار مختلف فون نمبرز ٹرائے کرتی رہی۔ پیغام بھجواتی رہی۔ کسی طرح جمیلہ داؤد یا کسی سے اس کا رابطہ ہو سکے۔ مگر اس کے مقابلے میں بھی فارس وجدان ہی تھا۔ اس کے تمام تر ارادوں کو خاک میں ملاتا۔ اس کے لیے شیرازی خاندان کا ہر دروازہ بند کرتا ہوا۔

اب ضروری ہو گیا تھا وہ اس کی شبہات دور کر دے۔ اپنی محبت کے جال میں جس طرح پہلے پھنسا چکی تھی۔ ویسے ہی دوبارہ پھنسا لے۔ وہ اس کی بیوی رہ چکی ہے۔ ڈیڑھ سال کا ساتھ ہے۔ وہ ساری غلطیوں کا ملبہ حماد کے سر ڈال دے گی۔ معافی مانگ لے گی۔

اسے دولت، پیسہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔ صرف فارس کا ساتھ چاہیے۔

اس نے فون کالز کیں۔ میسج بھیجے۔ اس کے آفس میں گئی۔ اس نے ہر جگہ پر اس کا راستہ روکا۔ ہر جگہ پر آنسو بہائے۔ وضاحت دینا چاہی۔ مگر اس کے ہاتھ سوائے نفرت اور دھتکار کے کچھ نہ آیا۔

اسے اپنے خسارے کا احساس جیسے اب شدت سے ہو رہا تھا۔ کچھ بھی اس کے حساب سے نہیں ہو رہا تھا۔ اس کی ہر تدبیر الٹی جا رہی تھی۔ صرف جمیلہ داؤد سے ملاقات ہی اس کی جگہ شیرازی ہاؤس میں بنا سکتی تھی۔ ایک بار وہ شیرازی ہاؤس میں داخل ہو جائے۔ فارس تک رسائی خود ہی حاصل ہو جائے گی۔ جمیلہ داؤد اپنے بیٹے کی اولاد کو کسی طور بھی کھونا نہیں چاہیں گی۔ وہ اپنے بیٹے کی اولاد کے لیے۔ ان کا ٹیچ اپ بھی کروا سکتی ہیں۔

وہ رابطے کی کوشش میں لگ گئی۔ قسمت اچھی تھی کہ کامیاب ہو گئی۔ فون پر انہیں سب بتا دیا۔ اپنی رپورٹس بھی ارسال کر دیں۔ اس کے حالات تنگ ہیں۔ اس کے خاندان کے لوگ قبولنے کو تیار نہیں۔ اس نے روتے ہوئے دکھ اور پچھتاوؤں کی زد میں اپنے لہجے کو حتی الامکان غمگین کر کے بات کی۔ انہوں نے کال کاٹ دی۔ کچھ نہ کہا۔ وہ منتظر رہی۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے اسے گھر بلا لیا۔ اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ پہلی فرصت میں ہی شیرازی ہاؤس پہنچ گئی تھی۔ صدر دروازے سے اندر داخل ہوتے جس پہلے انسان پر اس کی نظر پڑی وہ فارس ہی تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اپنی جگہ پتھر ہوا تھا۔ اس کی اولاد کی جان لینے والی۔ اس کے گھر میں۔ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ جس نے اس کی زندگی جہنم بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ وہ اب غم سے نڈھال اور کرب میں ڈوبی پچھتاوؤں کی زد میں نظر آرہی تھی۔ تڑپ کر اس کی طرف بڑھی۔ روتے ہوئے معافی مانگنے لگی۔

"فارس۔ پلیز۔ میری بات سنو۔ میں ایسا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے پتا نہیں کیا ہو گیا۔ حماد نے تمہارے خلاف بہت بھڑکایا۔ میں۔ میں بھٹک گئی۔ میں آج بھی تم سے۔ محبت۔"

شدید غصے کے عالم میں فارس نے انتہائی نفرت سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ وہ سامنے تھی تو اس کا گلا گھونٹ

Scanned with CamScanner

دینا چاہتا تھا۔ وہ اس سے ایک ایک جرم کا حساب لے لینا چاہتا تھا۔ مگر ضبط پکڑ کر پیچھے ہٹتے ہوئے اس نے آغا علی کو اسے گھر سے نکالنے کا حکم دے دیا تھا۔

اور تب ہی جمیلہ دادو آ گئی تھیں۔ انہوں نے فارس کو روک دیا تھا۔

"یہ آپ کیا کر رہی ہیں ممی!" آنکھوں میں وحشت لیے وہ بے یقین سا کھڑا رہ گیا تھا۔

"ماں بننے والی ہے!!" ان کی آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئی تھیں۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔ بیٹے کے غم سے نڈھال وہ برسوں کی بیمار لگ رہی تھیں۔ وہ حماد کی اولاد کو نہیں کھونا چاہتی تھیں۔ وہ عدینہ زبیر کو اس گھر میں رکھنے کے لیے تیار تھیں۔

"آپ اسے جانتی بھی ہیں ممی!" اس کی رگیں ابھری ہوئی تھیں۔ "غور سے دیکھیں کون ہے یہ۔"

"فارس۔" وہ سسک پڑیں۔

"ممی! یہ عورت ایک بربادی ہے۔"

وہ ہتھیلیوں پر سر گرگراتی صوفے پر بیٹھ گئیں۔ وہ رو رہی تھیں۔ ان کا دل پھٹ رہا تھا۔ انہیں اپنے بیٹے کی یاد آ رہی تھی۔

"فارس۔ حماد نے مجھے۔" اس نے بھڑکایا۔

"

"ایک لفظ نہیں۔" اب کے بہت ضبط اور تحمل سے اپنے غصے کی آگ میں جھلستے ہوئے وہ اس کی طرف مڑا۔ اس کی آنکھوں میں شعلے نظر آ رہے تھے۔

"کتنے پیسے چاہئیں تمہیں؟" قریب پہنچ کر سنسناتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ اس کی آنکھوں کا قہر بھرا تاثر اس لمحے عدینہ زبیر کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا۔ فارس اب وہ نہیں تھا جسے وہ جانتی تھی۔

"فارس۔ یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں یہاں۔ اس لیے نہیں آئی۔"

"تمہاری قیمت بہت آسانی سے لگ جاتی ہے بتاؤ اب کتنے میں بکنا چاہتی ہو؟"

وہ کرخت لہجے میں پوچھا جانے والا سوال عدینہ زبیر کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ کی طرح لگا۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ ذلت کی توقع تھی۔ مگر وہ اسے اپنی نظروں میں اتنا گرا دے گا۔ اس کی توقع نہیں تھی۔

"حد میں رہو۔" بے عزتی برداشت نہ ہوئی۔

"حد میں تم رہو۔" درشتی سے بات کاٹ کر اس نے انگشت شہادت لہرائی۔

"دوبارہ اس گھر میں آئیں۔ تو میں بھول جاؤں گا تم ایک عورت ہو۔ پھر میں تم سے۔ تمہارے حساب سے نمٹوں گا۔"

اس کی کرخت آواز۔ سخت لہجہ۔ اور انداز۔

"ناؤ گیٹ آؤٹ!" اس نے صدر دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"بہت پچھتاؤ گے تم!" آنکھوں میں آنسو لیے سخت لہجے میں کہہ کر وہ تن فن کرتی گھر سے نکل گئی تھی۔

بے عزتی کا غصہ ایک طرف۔ اپنی پلاننگ ناکام ہونے کا دکھ زیادہ تھا۔ جو کچھ سوچ رکھا تھا۔ کسی طور ممکن نہ تھا۔ فارس وجدان اس کے براستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھا۔ وہ اس بچے کے ہوتے ہوئے بھی کچھ حاصل نہیں کر سکتی تھی۔

تاہم اس نے بھی انتقام کا فیصلہ کر لیا۔ ضد باندھ لی۔ ایسے ہے۔ تو پھر ایسے ہی سہی۔ ابارشن کا ارادہ ایک بار پھر کر کے ترک کر دیا۔ بچے کو دنیا میں لا کر فارس کی زندگی جہنم بنائی جا سکتی تھی۔ وہ اس کا مقابلہ ایسے ہی کر سکتی تھی۔ اپنی تذلیل کا بدلہ ایسے ہی لے سکتی تھی۔

وہ اسلام آباد میں شفٹ ہو گئی۔ اس نے اپنے اور حماد کے تعلق کو پبلک کرنا شروع کر دیا۔ وہ ایلیٹ کلاس کے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگی۔ دوستیاں بنانے لگی۔ خبریں پھیلانے لگی۔ وہ شیرازی انٹرپرائزز کے سی ای او فارس وجدان کی پہلی بیوی ہے۔ اس سے طلاق لے لی۔ وہ تشدد

کرتا تھا تبھی اسے چھوڑنا پڑا۔ حماد شیرازی نے اس کی جان بچائی۔ حماد شیرازی نے ہی اسے سہارا دیا۔ وہ اس کا امیج جتنا خراب کرسکتی تھی اس نے کیا۔ جتنی افواہیں پھیلا سکتی تھی اس نے پھیلائیں۔ جتنی باتیں وہ اس کے کردار پر کرسکتی تھی۔ کرتی رہی۔ اس نے اپنی شادی کی تصاویر کسی ویب سائٹ پر ڈال دیں۔ خیال تھا اب کے فارس اسے ضرور اپروچ کرے گا مگر وہ اس کی کسی بھی بات پر کوئی ردعمل نہیں دے رہا تھا۔

ڈلیوری کے بعد وہ بچہ لے کر اس کے آفس گئی۔ وہاں ملاقات نہ ہوئی تو وہ گھر پر گئی۔ گھر میں کوئی نہ تھا۔ جمیلہ داؤد کو فالج اٹیک ہوا تھا۔ وہ ہاسپٹل میں تھیں۔ اس نے ایک ماہ کے انتظار کے بعد ریان کی تصاویر جمیلہ داؤد تک بھجوادیں۔ وہ برے حالات میں ہے۔ وہ بچے کے ساتھ شیرازی ہاؤس میں آنا چاہتی تھی۔ ایک اور وار۔ ایک اور کوشش۔ کمزور ہدف جمیلہ داؤد ہی تھیں۔ وہ ان کے احساسات کا فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ مگر دوسری طرف بھی فارس وجدان ہی تھا۔ مضبوط چٹان کی طرح ایستادہ۔ جمیلہ داؤد کو اس کی پہنچ سے دور رکھے ہوئے۔

گمان تھا اپنے پوتے کی تصاویر دیکھنے کے بعد وہ ضرور اس سے رابطہ کریں گی۔ مگر ان کی طرف سے خاموشی تھی۔ غالباً وہ فارس وجدان کے آگے بے بس ہوگئی تھیں۔

اس رات وہ گھر پہنچی تو اس نے حیدر کو اپنے فلیٹ کے دروازے پر کھڑے ہوئے پایا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک بیگ تھا۔ پیسوں سے بھرا ہوا۔

اتنی خطیر رقم دیکھ کر وہ چند لمحوں کے لیے سکتے میں آگئی تھی۔

"یہ کافی ہے یا کچھ اور بھی چاہیے۔" وہ کھردرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ آنکھوں میں سرد مہری کا تاثر لیے حیدر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ جیسے فارس وجدان کی اگلی چال کو سمجھنے کی کوشش کررہی تھی۔

"تمہارا صاحب کیا چاہتا ہے، میں لوگوں کو اس کی اصلیت نہ بتاؤں؟"

"صرف ایک ہی مطالبہ ہے۔ آج کے بعد آپ جمیلہ میم سے رابطے کی کوشش نہیں کریں گی۔"

وہ لب بھینچ کر اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اور حماد کا بیٹا۔"

"فارس صاحب اس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔"

وہ آنکھوں میں سختی لیے چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی۔ رقم بہت زیادہ تھی۔ انکار نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سودا منظور کرلیا۔ جمیلہ داؤد سے رابطہ کرنے میں ویسے بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اب سب معاملات فارس وجدان کے ہاتھ میں تھے۔ اس نے پیسے رکھ لیے۔ اپنے دو ماہ کے بچے کو اپنی ماں کے پاس چھوڑ کر لندن چلی گئی۔ اور بھول گئی ایک بیٹا بھی ہے۔ وقفے وقفے سے اس کی ماں کی کال آجاتی۔ وہ بچے کی وجہ سے بہت پریشان تھیں۔

"میں ریان کی دادی سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں!"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ریان کا چچا آپ کی بات نہیں ہونے دے گا۔" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے بال بنارہی تھی۔

"تمہارے بھائی بہت پریشان کررہے ہیں عدینہ۔ تم ریان کو اپنے پاس کیوں نہیں بلالیتیں۔"

"میں یہاں مصروف ہوں۔ جاب کررہی ہوں۔ بچہ نہیں سنبھال سکتی۔"

وہ بار بار کال کرتیں اور ان کا مطالبہ ایک ہی ہوتا۔

"میں ریان کو اس کے ددھیال بھیجنا چاہتی ہوں!" انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا۔

"بھیجنا چاہتی ہیں تو بھیج دیں۔ لیکن یاد رکھیں۔ وہ اسے ماردے گا۔"

اس نے اس قدر سخت جملہ کہا وہ اپنی جگہ دہل گئیں۔ "یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

"اس نے اپنے بھائی کی جان لے لی۔ بچے کو کیوں بخشے گا؟"

کئی دنوں تک اس کی ماں عجیب شش و پنج میں مبتلا رہیں۔ گھر کے حالات کچھ تنگ تھے۔ بچہ بیمار تھا۔ مجبوراً خرچے کے لیے رابطے کی کوشش کی۔ اپنا پیغام ایک ملازم کے ذریعے اس تک پہنچادیا۔ جمعہ کی شب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ باہر سیاہ گاڑی کھڑی تھی۔ کوئی شخص انہیں پیسے دینے آیا تھا۔ ماہانہ خرچا ریان شیرازی کے لیے اس کے چچا کی طرف سے تھا۔ ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے۔ فوری شکریہ ادا کیا۔

پیسوں کا آنا ہی تھا کہ وہ گھر جو اپنی ماں پر اس لیے تنگ پڑ رہا تھا کہ وہ عدینہ کے بچے کو سنبھالے ہوئے تھیں۔ ایک دم سے کشادہ ہو گیا۔ بہوؤں کا رویہ اچھا ہو گیا۔ بیٹے مئودب ہو گئے۔ اب اس ننھے سے وجود کے لیے کسی کا دل تنگ نہ تھا۔ انہوں نے فون پر عدینہ سے دوبارہ کوئی شکایت نہ کی۔

ماں کے انتقال پر وہ پاکستان آئی اور ریان سے ملے بغیر ہی چلی گئی۔ اس کے بھائیوں نے بھی بچے کے حوالے سے کوئی دباؤ نہ ڈالا کہ خرچا باقاعدگی سے مل رہا تھا۔ جسے گھر والے اب اپنی شاہ خرچیوں پر اڑانے لگے تھے۔ گاڑی خرید لی۔ فرنیچر بدل لیا۔ ٹائلز لگوالیں۔ کاروبار شروع کر دیا گیا۔ بھائیوں کے حالات بدل گئے مگر اس نے پلٹ کر ریان کی کوئی خبر نہ لی۔ اسے اب اپنے بچے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ اپنی زندگی میں مصروف ہو چکی تھی۔

اور اب پورے ایک سال بعد وہ اپنی بھتیجی کی شادی پر بھائیوں کے گھر آئی تھی۔ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس گھر میں اس کی ملاقات جنت کمال سے ہو جائے گی۔

جنت کمال۔ فارس وجدان کی دوسری بیوی۔ وہ وہاں ریان سے ملنے آئی تھی۔ بیرونی دروازے سے اندر برآمدے پر رکھی چارپائی پر بیٹھے اس کی نظر جیسے ہی عدینہ پر پڑی تھی۔ وہ صدمے میں چلی گئی تھی۔

"یہ۔ یہ کون ہے۔"

"یہی تو ریان کی امی ہے۔" روبی نے بتایا اور جنت کے حواسوں پر جیسے بجلی آ گری۔ عدینہ زبیر کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ قدم اٹھاتی اس کے سر پہ پہنچ گئی۔

"تم یہاں۔ کیا کر رہی ہو؟"

جنت کے لیے وہاں کھڑے رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ اسے کوئی بھی جواب دیے بنا سرعت سے قدم اٹھاتی گھر سے نکل گئی تھی۔

"یہ یہاں کیا کر رہی تھی۔ کیوں آئی تھی وہ یہاں؟" کچھ اور سمجھ میں نہ آیا تو مشتعل ہو کر روبی پر برس پڑی۔

"وہ جی۔ ریان سے ملنے آئی تھیں۔"

عدینہ اپنی جگہ گم گئی۔ اسے اپنے اندر خطرے کی گھنٹی محسوس ہوئی۔ کیا وہ اس بچے کو اپنے ساتھ رکھنے کو تیار ہیں؟ اس کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔ فارس اس کی اولاد کو کبھی قبول نہیں کر سکتا تھا۔

اور اگر کر لیا تو؟ ساری رات وہ بے چین رہی۔ صبح اٹھتے ہی اس نے گھر والوں کو اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اسے ضروری کام سے کراچی جانا تھا۔ ریان کو فی الحال وہ ساتھ نہیں لے جا سکتی تھی مگر واپسی پر وہ اسے اپنے ساتھ رکھے گی۔

اس کے بھائیوں کو اس کے فیصلے پر اعتراض ہوا۔ بچے کو وہ اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتے تھے۔ ذرا سی بحث کے بعد بات ختم ہو گئی تھی۔ اس کی اولاد تھا وہ۔ اسے اپنے ساتھ رکھنے کا حق صرف اس کے پاس تھا۔ وہ کراچی چلی گئی۔

ایسا کیسے ممکن تھا؟ وہ شخص جو اس سے شدید نفرت کرتا تھا۔ اس کی اولاد کو کیسے رکھ سکتا تھا؟ ہو کیا رہا تھا؟ یہ کیسی چال تھی جو وہ چل رہا تھا۔ اس کے لیے صبر مشکل ہو رہا تھا۔ وہ پہلی فرصت میں اسلام آباد جانا چاہتی تھی۔ وہ ریان کو اپنے ساتھ رکھے گی۔ وہ ریان کو اپنے ساتھ لندن لے جائے گی۔ اس نے

اچانک ہی فیصلہ کرلیا تھا۔

☆☆☆

جنت دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تھی۔

کشادہ سا وی آئی پی روم ونگ۔ جس کی دیوار گیر کھڑکیوں پر پردے گرے ہوئے تھے۔ تمام سہولیات سے مزین کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف وہی حصہ روشن تھا جہاں مسز شیرازی کا آئی سی یو بیڈ رکھا تھا۔ اس کی نگاہیں فارس کی تلاش میں مشرقی دیوار کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ وہ صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی سو گیا تھا۔ آہستگی سے دروازہ بند کرتی وہ اس کے پاس ہی چلی آئی۔ لنچ باکس اور پرس اس نے میز پر رکھ دیا۔ شال اتار کر اس پر پھیلا دی۔ گردن ایک طرف کو جھکی ہوئی تھی۔ اس نے بے حد احتیاط سے سیدھا کرنا چاہی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔ جس طرح سے جھکی ہوئی تھی گھبراہٹ کے عالم میں فوراً سے سیدھی ہوگئی۔

وہ آنکھیں مسلتا سیدھا ہو بیٹھا۔

بال پیشانی پر بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں سوجن کا شکار لگ رہی تھیں۔ کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ رات کے نو بج رہے تھے۔ پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ یہاں کیا کر رہی تھی؟ سات بجے وہ اسے ریان کے ساتھ گھر بھجوا چکا تھا۔

"کچھ کھالو۔" وہ بیگ کھول رہی تھی۔ کور پیپر ہٹا کر برگر اس کے داہنے ہاتھ میں تھما دیا۔ فرنچ فرائز باکس بھی کھول کر پیش کر دیا۔

کچھ دیر تک وہ بیٹھا رہا۔ پھر اس نے آہستگی سے بائٹ لیا تو اس نے بیگ سے کین کی بوتل نکالی۔ ڈھکن کھول کر میز پر رکھ دیا۔

وہ اس کی آنکھوں میں تھکان اور فکر دیکھ سکتا تھا۔ شرمندگی، پچھتاوا۔ دکھ۔ اس کے چہرے پر ہر تحریر نظر آ رہی تھی۔ وہ سامنے بیٹھی تھی تو اضطراب ابھی بھی نمایاں ہو رہا تھا۔ اس نے نظریں ہٹالیں۔

وہ مسز شیرازی کے پاس کچھ دیر تک بیٹھی رہی تھی۔ پھر وہ اس کے پاس آگئی تھی۔

"نیچے کینٹین سے کافی لے آؤں؟" وہ اب اس سے پوچھ رہی تھی۔ اسے سر درد کی گولی تو نہیں چاہیے۔ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ وہ نفی میں سر ہلاتا کھڑکیوں کے پاس جا کھڑا ہوا۔ گویا مزید کسی سوال کی چاہت نہ تھی۔

وہ کچھ دیر تک انگلیاں مسلتی بیٹھی رہی۔ معافی، معذرت، دکھ اور پچھتاوے۔ وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر کر نہیں پا رہی تھی۔

"ریان کی چوٹ کیسی ہے؟"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ فارس پوچھ رہا تھا۔ وہ اس کے سوال پر لمحے بھر کے لیے تعجب میں آئی تھی۔

"ہی از فائن!" اس نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر نے کہا اس کا ہاتھ جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

گھر جانے سے پہلے اس کا چیک اپ ہوا تھا۔ ہاتھ پر بینڈیج لگی تھی۔ کافی خوف زدہ تھا۔ اور بہت پریشان بھی کیا تھا۔ ابھی بھی وہ اسے گھر میں بہت مشکل سے سلا کر آئی تھی۔ مدحت نہ ہوتی تو وہ دوبارہ ہاسپٹل بھی نہ آ پاتی۔

اپنے سوال کا جواب لے کر وہ دوبارہ رخ موڑ گیا۔

وہ اس کی پشت کو دیکھتی رہی۔ ایک بار پھر دل چاہا۔ اٹھ کر جائے۔ اس کا ہاتھ پکڑے۔ اور بات کرے۔ معافی ہی تو ہے۔ مانگ لے۔ یہ جو دوری سی آگئی ہے۔ مٹ جائے گی۔ اور یہ جو اجنبیت سی ہے۔ ختم ہو جائے گی۔

وہ جیبوں سے ہاتھ نکالتا واپس آگیا۔ اس نے ہمت مجتمع کرتے کچھ کہنے کو سر اٹھایا۔ مگر وہ کاؤچ سے اپنی جیکٹ اور موبائل اٹھاتا اسی لمحے روم سے چلا گیا۔

وہ آنکھوں میں نمی لیے۔ اپنی جگہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

فارس وجدان ریان شیرازی کو گھر میں لے آیا تھا۔ مگر جو دراڑ ان کے بیچ آچکی تھی، اسے بھرنا اب

اسے مشکل سا لگ رہا تھا۔ شاید یہ خوف ہی تھا جو اسے پرے دھکیل رہا تھا۔ یا وہ دکھ جو وہ اسے دے چکی تھی۔ مسز شیرازی کی اس حالت کی ذمہ دار وہ خود تھی۔ نچلا لب کاٹتے آنکھیں مسل ڈالیں۔ جانے کچھ ٹھیک ہوگا بھی یا نہیں۔ اس کی تو اب بات کرنے کی ہمت بھی نہیں ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ان کے حواس بیدار ہوئے تو انہوں نے جنت کو دیکھا۔

نیلگوں روشنی میں وہ اس کی آنکھوں میں آنسو اور لبوں پر نرم مسکراہٹ دیکھ سکتی تھیں۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟" مدھم آواز میں ان کے گال پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

انہوں نے آہستگی سے سر کو جنبش دی تھی۔ آنکھیں کچھ بوجھل۔ اور وجود بھاری تھا۔ نگاہیں فارس کی تلاش میں یہاں وہاں بھٹکی تھیں۔ جنت نے پردے کھینچ کر ہٹا دیے۔ ان کا بیڈ سٹنگ پوزیشن میں ایڈجسٹ کیا۔

"فارس کہاں ہے؟" نحیف آواز میں بمشکل لفظ ادا کرتے ہوئے پوچھا۔ ساری طاقت جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ نہ صدمہ کم تھا۔ نہ جھٹکا کم تھا۔ کمزور دل پر وہ سچویشن بےحد بھاری پڑی تھی۔

"باہر گیا ہے!" جھک کر بےحد آہستگی سے کہا۔ جب سے انہیں روم میں شفٹ کیا گیا تھا، وہ ان کے ساتھ ہی تھا۔

سلائڈ ٹیبل پر نرس ان کا لنچ رکھ رہی تھی۔ پاس ہی بیٹھ کر وہ اپنے ہاتھوں سے انہیں سوپ پلانے لگی۔ ساتھ میں بولتی بھی جا رہی تھی۔ "زندگی کتنی خالی سی ہے۔ گھر کتنا ویران ہو گیا ہے۔ اس کا تو اب کہیں دل بھی نہیں لگتا۔"

"آپ گھر میں نہیں ہیں تو ہم بھی بے گھر ہو گئے ہیں!"

آنکھیں نم تھیں۔ مسکرانا چاہا۔ مسکرا نہ سکیں۔ بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں۔ فارس کا وجود آنکھوں میں ٹھہر گیا تھا۔ اس کا غصہ۔ اشتعال۔ انہوں نے خشک لبوں کو تر کرتے آنکھیں موند لی تھیں۔ وہ سچویشن تصور میں بھی دل پر بھاری پڑنے لگی تھی۔

"آپ کو کسی سے ملوانا چاہتی ہوں!" لنچ کے بعد اس نے کہا۔

کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھول کر مدحت اندر آئی تھی۔ اس نے چھوٹے سے بچے کو اٹھا رکھا تھا۔ ان کی آنکھوں میں ناسمجھی کا تاثر ابھرا تھا۔ دوسرے پل حیرت۔ اور پھر بےیقینی کا۔

"یہ ریان ہے۔ ریان شیرازی!!"

جنت نہ بھی بتاتی وہ پہچان گئی تھیں۔ وہ ان کے حماد کا بیٹا تھا۔ ان کا دل ایک دم سے ڈوبنے لگا۔ بےاختیار اٹھنے کی کوشش کی۔ اٹھ نہیں سکی تھیں۔

جنت نے ریان ان کے حوالے کر دیا۔ اس نے سفید شارٹس پر آسمانی رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے، دودھیا رنگت۔ بڑی بڑی آنکھیں تو ان کے جیسی تھیں۔ اس میں انہیں حماد کی شبیہہ نظر آئی۔ اس کا ماتھا چوما۔ اس کی خوشبو کو اندر اتارا۔ رونے لگیں۔

"آنٹی!!" جنت فکرمندی سے پکارا۔ ریان ان کے سینے پر سر رکھے۔ بہت خاموش۔ پرسکون سا تھا۔

"کون لایا ہے اسے؟" وہ کپکپاتی آواز پوچھ رہی تھیں۔

"فارس لایا ہے۔"

سماعت پر لمحے بھر کے لیے یقین نہیں آیا۔ دکھ۔ اور اذیت انگ انگ میں اتر گئی۔

"آپ کے لیے لایا ہے۔"

ریان ایک دم سے رونے لگا تو مدحت اسے اٹھائے باہر چلی گئی۔

کمرے میں مکمل خاموشی تھی اب۔ تاریکی بھی تھی۔ وہ تاریکی جو بہت اندر تک اتر رہی تھی۔ خوشی کا احساس ایک طرف۔ دل پر ایک بھاری بوجھ سا پڑ رہا

تھا۔ کچھ ہی دیر میں نرس آ گئی تھی۔ جنت ان کے پاس تب تک بیٹھی رہی جب تک کہ وہ اپنی ادویات کے زیراثر سو نہیں گئی تھیں۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو کمرے میں صرف فارس تھا۔ وہ ان کے پاس ہی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے۔ انہیں دیکھتا ہوا۔ جانے کب سے وہ وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ مضطرب سا۔

طبیعت میں پہلے سے کچھ بہتری تھی کہ اب وہ انگلیوں کو حرکت دے پا رہی تھیں۔ فارس کو اپنے ہاتھ پر ان کی گرفت بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اٹھ کر پاس بیٹھ گیا۔

وہ اپنے بیٹے کو دیکھتی رہیں۔ جانے کن طوفانوں سے لڑ کر آیا تھا وہ۔ لبوں پر کپکپاہٹ سی ٹھہر گئی۔ بہت کچھ کہنا چاہتی تھیں۔ پر کہہ نہیں پا رہی تھیں۔

"ممی!" نفی میں سر ہلایا۔ جیسے وہ ان کی آنکھوں میں آنسو نہ دیکھنا چاہتا ہو۔

"بہت بڑی قربانی مانگ لی میں نے تم سے۔" ان کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔ "بہت بڑے امتحان میں ڈال دیا ہے میں نے تمہیں۔"

نفی میں سر ہلاتے انہیں مزید کچھ کہنے سے روک دیا۔

"سب کچھ لے لیں۔ سارے امتحان۔ ساری قربانیاں۔ لیکن چھوڑ کر مت جائیں مجھے!" اس کی آواز جذبات کی شدت سے کپکپائی۔

"آئم سوری بیٹا!! آئم رئیلی سوری" ان کی آواز لرز رہی تھی۔

اس نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر، ان کی آنکھوں میں دیکھا۔

"کیا آپ میرے لیے اتنا نہیں کر سکتیں؟؟ اپنی بیماری سے نہیں لڑ سکتیں؟؟؟"

انہوں نے اس کے گال پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"آئم سوری۔ پتا نہیں کیا ہوا مجھے۔" اسے اس حال میں دیکھ کر یوں بولیں جیسے بے حد شرمندہ ہوں۔ ان کی طبیعت خراب کیوں ہوئی۔ انہوں نے اپنے بچوں کو پریشان کیوں کر دیا۔

وہ اب اسے دیکھ رہی تھیں۔ بہت غور سے۔ بہت دکھ اور کرب سے۔ بظاہر وہ ٹھیک لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں مسکراہٹ کا ساتھ دے رہی تھیں۔ پھر بھی ان کا دل واہموں میں گھرا ہوا تھا۔ انہیں تکلیف ہو رہی تھی۔

"فارس!"

"جی ممی!"

وہ اب اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھیں۔ بہت غور سے۔ سنجیدگی سے۔ فکرمندی سے۔ وہ جو اس کے اندر کی حکایتوں کو اکثر بھانپ لیا کرتی تھیں۔ آج ناکام ہو رہی تھیں۔

"کیا تم ٹھیک ہو؟" ان کے لب ہلے۔

اس نے کچھ حیران ہو کر اپنی ماں کو دیکھا۔ پھر اثبات میں سر کو جنبش دی۔

انہیں یہ جواب نہیں چاہیے تھا۔

"کیا بات ہے ممی!! آپ پریشان کیوں لگ رہی ہیں؟؟"

انہوں نے کئی آنسو اپنے اندر اتار لیے۔

"میں اپنے بیٹے سے پوچھ رہی ہوں۔ کیا وہ ٹھیک ہے۔"

زردی مائل مدھم سی روشنی میں ان کی آنکھوں میں آنسو نمایاں ہو رہے تھے۔ بہت ضبط سے پوچھ رہی تھیں۔ بہت کرب سے گزر رہی تھیں۔ ریان شیرازی اس کے گھر میں تھا۔ اس کی نظروں میں تھا۔ وہ اس کے دکھ، اس کے کرب سے واقف تھیں۔

"اگر۔ اگر بہت مشکل ہو رہا ہو تو تم مجھے بتا سکتے ہو۔ میں نہیں چاہتی میرا بیٹا کسی تکلیف سے گزرے۔" بھاری دل سے۔ بے بس ہو کر۔ کہہ دیا۔ ان کے کپکپاتی انگلیوں کی گرفت بہت مضبوط ہونے لگی۔ وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ممی!" مسکرا کر بولا۔ اس کی مسکراہٹ انہیں آنکھوں میں بھی نظر آئی۔ حزن میں

ڈوبی ہوئی۔

کیسے؟ وہ ٹھیک کیسے ہو سکتا ہے؟ جس بچے کا وہ نام تک نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس بچے کو وہ گھر میں کیسے لا سکتا ہے۔ اس طرح۔ اچانک کیا ہوا تھا۔ کیا وہ ان کی وجہ سے۔ اس فیصلے پر مجبور ہوا ہے؟؟ کیا وہ ایک بار پھر کسی آزمائش سے گزر رہا ہے؟ اپنے آپ کو مار رہا ہے؟؟

"تم ریان کو لے آئے۔" ان کے لب ہلے۔

وہ جیسے اب سمجھا تھا انہیں کس بات کا خوف تھا، کس بات کی فکر لاحق تھی۔ وہ اپنے آپ میں جیسے اب تھا تھا۔

منظر ذہن میں ابھر آیا۔ اس رات کی تاریکی آنکھوں میں اتر آئی۔ جان گیا وہ کیا سوچ رہی تھیں۔ کیا پوچھ رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر تک چپ رہا۔ احساسات بتانے کو نہ مناسب لفظ تھے۔ نہ کوئی بات ذہن میں آ رہی تھی۔

"میں نہیں چاہتا شیرازی خاندان میں کوئی اور فارس ہو!"

جمیلہ داؤد کی آنکھوں میں آنسو تھم گئے۔ اپنی جگہ ٹھہری گئیں۔ توقع نہیں تھی ایسا جواب ملے گا۔ جو وضاحت ہوگی۔ وہ اتنی مختصر ہو کر بھی دل پر ثقیل ہو جائے گی۔ اس کا ماضی۔ اب ان کے سامنے آ رہا تھا۔

"آپ چاہتی تھیں، میں اسے خود لے آؤں۔ میں اسے لے آیا ہوں۔"

پلکوں کی باڑ پھلانگتے آنسو ان کے گالوں پر پھسل گئے۔ لبوں میں جنبش ہوئی پر کچھ کہہ نہ سکیں۔

"وہ آپ کا ہے۔ آپ کے پاس ہی رہے گا مجھے معاف کر دیں کہ میں آپ دونوں کے درمیان آ گیا۔"

ان کا دل ایک دم سے بھاری ہوا۔

"نہیں۔ تم درمیان میں نہیں آئے۔" نفی میں دوبارہ سر ہلایا۔ "میں نے تمہیں چنا تھا۔ میں نے تمہارے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں تم دونوں کو ساتھ دیکھنا چاہتی تھی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ رو پڑیں۔ "میں مرنے سے پہلے۔ تمہیں اور ریان کو ساتھ دیکھنا چاہتی تھی۔"

"ممی پلیز۔ ایسے تو مت کہیں" تڑپ کر انہیں روکا۔ "آپ مجھ سے موت کی کوئی بات نہیں کریں گی۔" واضح کر دیا۔ مگر وہ بہت حساس ہو رہی تھیں۔

"ممی! آپ پھر سے رو رہی ہیں" وہ فکر مند ہوا۔ "ڈاکٹر نے آپ کو اسٹریس لینے سے منع کیا ہے۔"

انہوں نے آنسو صاف کرتے ہوئے خود کو سنبھالا۔ گہری سانس لی۔ فارس کی آنکھوں میں دیکھا۔

الحمدللہ! کتنی بڑی خوشی مل گئی تھی انہیں۔ جو کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ وہ ہو گیا تھا۔

"آپ بس ٹھیک ہو جائیں!" ان کی آنکھوں میں دیکھتے تاکید کی۔

"میں اب بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے تم ابھی گھر لے چلو!"

اور وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ "یہ کام تو ڈاکٹر کی اجازت سے ہی ہو سکتا ہے!"

وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

اگلے دن جنت آئی تو ریان بھی ساتھ ہی تھا۔ وہ پہلے سے قدرے بہتر تھیں۔ ریان کو گود میں لیے اس کا منہ چومتی رہیں۔ باتیں کرتی رہیں۔ اس کے ہاتھ پر بینڈ ایج لگی تھی۔ ٹھوڑی پر بھی نشان نظر آ رہا تھا۔ پیشانی پر بھی۔ اس عمر کے بچوں کو۔ ایسی چوٹیں تو نہیں لگتیں۔ اس کا ننھا سا ہاتھ پکڑ کر رونے لگیں۔ دادی تھیں۔ دل جان گیا تھا اس کا ننھیال میں خیال نہیں رکھا جاتا۔ جنت نے انہیں تسلی دی تھی کہ اب تو وہ گھر آ گیا ہے۔

ان سے بات کرتے ہوئے اس نے گردن موڑ کر کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ فارس کا موبائل والٹ وہیں رکھا تھا۔ مگر وہ خود وہاں نہیں تھا۔ وہ جب

Scanned with CamScanner

بھی ہاسپٹل آتی تھی وہ کہیں نہ کہیں چلا جاتا تھا۔

مسز شیرازی اسے باتیں کرتی ان کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ جانے لگی تو وہ اسے راہداری میں بیٹھا ہوا نظر آیا۔ کھڑکی کے پاس ہی۔ سینے پر بازو باندھے۔ بالکل خاموش۔

وہ آنکھوں میں حزن کی نمی لیے کھڑی رہی۔ پھر آنسو صاف کرتی ریان کا ہاتھ تھامے جانے کے لیے مڑ گئی تھی۔

☆☆☆

جمیلہ داؤد ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کر گھر آگئی تھیں۔ جو دوست احباب ہاسپٹل ملنے نہیں آسکے تھے۔ وہ انہیں گھر پر ملنے آرہے تھے۔ پھولوں کا ڈھیر تھا جو ان کے کمرے میں لگ چکا تھا۔ مہمانوں کی خاطر مدارت میں وہ دن بھر مصروف رہی۔ سب سے آخر میں مسز عثمان گئی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد مسز شیرازی اپنا پرہیزی کھانا کھانے کے بعد سو گئیں تو وہ باہر آگئی۔ اس نے فارس کو کچن کی طرف جاتے دیکھا تو اس کے پیچھے وہیں آگئی۔

''میں کھانا لگا دیتی ہوں۔''

''میں خود کر لوں گا۔'' سنجیدگی سے کہہ کر اس نے کیبنٹ کھول کر برتن نکالے۔ مائکرو ویو میں پلاؤ گرم کیے، کیا پلیٹ اٹھائے عین سامنے شیشے کی دیوار کے پاس رکھے صوفے پر جا بیٹھا۔ وہاں سے سوئمنگ پول اور عقبی لان کا وسیع و عریض منظر نظر آتا تھا۔

وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

''چائے پیو گے؟'' کافی تردد کے بعد وہ کچھ ہمت مجتمع کرتی اس کے پاس دوبارہ آئی۔ اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ پیشانی پر بال بے ترتیبی سی لیے ہوئے تھے۔ قدرتی نم آنکھوں میں سرخ ڈوریاں نظر آرہی تھیں۔

''خود بنا لوں گا۔''

رخ موڑ کر کھانا کھانے لگا۔ جنت نچلا لب کاٹ کر رہ گئی۔ کھانا کھانے کے بعد وہ چائے بنا کر اپنی اسٹڈی میں بند ہو گیا۔ گزشتہ کئی روز کا یہی معمول تھا۔ دونوں کے مابین اب کوئی بات نہیں ہوتی تھی۔ وہ کرنا بھی چاہتی تو فارس نظر انداز کر دیتا تھا۔ غلطی اس کی بھی تھی کہ اس نے ابھی تک اپنی رویے کی معافی نہیں مانگی تھی۔ کچھ دیر تک وہ یونہی بے مقصد راہداری میں ٹہلتی رہی۔ پھر کافی بنائی اور دروازے پر آہستہ سے دستک دیتی اندر داخل ہوئی۔ وہ سامنے ہی آفس ٹیبل پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس کی بھنویں غیر محسوس انداز میں سکڑ گئی تھیں۔

''مجھے کافی نہیں چاہیے۔'' لیپ ٹاپ پر فارس کی انگلیاں تیزی سے متحرک رہیں۔ جنت نے مگ اس کے سامنے رکھ دیا۔

نچلا لب کاٹتے ہوئے وہ چند لمحوں تک اس کے پاس کھڑی رہی۔

''کیا ہم بات کر سکتے ہیں!'' نرمی سے پوچھا۔ جتنی دیر ہو چکی تھی۔ اب مزید دیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''میں مصروف ہوں!'' سرد سا لہجہ۔ جنت کی ہمت ختم ہونے لگی۔ جو لفظ ترتیب دے رکھے تھے کم ہونے لگے۔ جو سوچ رکھا تھا وہ محو ہونے لگا۔

''صرف پانچ منٹ۔'' منت بھرے لہجے میں کہا۔

وہ سنی ان سنی کیے اپنا کام کرتا رہا۔

''پلیز! فارس۔'' کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے لیپ ٹاپ بند کر کے اپنی آفس چیئر کا رخ اس کی طرف گھما دیا۔ سینے پر بازو باندھے اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں کا تاثر جنت کو پریشان کر گیا۔ ایسی سرد مہری تھی ان میں۔ اور ایسا خالی پن تھا جیسے ان میں کبھی کچھ تھا ہی نہیں۔

''آئم رئیلی سوری۔''

''کس لیے؟'' اس کا لہجہ اجنبی سا تھا۔

''مجھ سے جو غلطی ہوئی۔'' وہ بے حد شرمندہ تھی۔

''کیا تم سے بھی غلطی ہوتی ہے؟'' اس کا

سرد لہجے میں پوچھا جانے والا سوال اس کے اعصاب پر بھاری پڑا۔ وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

"میں مانتی ہوں میں نے تمہیں ہرٹ کر دیا۔ میں تمہاری اجازت کے بغیر۔"

"میری اجازت کے بغیر۔ تم میرے بھتیجے کو میرے ہی ظلم سے بچانے گئی تھیں۔ اس میں یہ غلطی کہاں سے آ گئی؟"

جنت کمال لاجواب ہو کر رہ گئی۔ فارس وجدان نے اس کے لیے ہر حجت، دلیل کا جواز ہی ختم کر دیا۔ اس نے پلکیں جھپکا کر آنکھوں کی نمی کو دبایا۔

"فارس۔"

"مجھے تمہارے وہاں جانے سے اب کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ پہلے تھا بھی تو اب نہیں ہے۔ یو بے لیو ناؤ!" اس نے لیپ ٹاپ دوبارہ کھول لیا۔ جنت نے آنسو ضبط کیے۔

"میں مانتی ہوں۔ مجھے تم پر بھروسا کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز کمزور ہو رہی تھی۔

"میں تمہارے اس بھروسے کے لائق نہیں ہوں!"

جنت کو اپنا دل مٹھی میں جکڑتا ہوا محسوس ہوا۔

"ایسے نہیں کرو پلیز!! میں اپنی غلطی تسلیم کر رہی ہوں۔" مضطرب ہو کر کہا۔

"جب غلطی تھی ہی نہیں تو تسلیم کیا کر رہی ہو!؟"

جنت کمال کچھ کہہ نہ سکی۔

۔"۔ میں صرف آنٹی کے لیے۔ وہاں گئی۔" لب ہلے۔ ہمت ختم ہو رہی تھی۔

"ہاں تو ٹھیک ہے۔ کیا میں اب کوئی شکوہ یا اعتراض اٹھا رہا ہوں؟"

وہ آنکھوں میں نمی لیے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اب تم جا سکتی ہو۔" وہ اپنا کام کرنے لگا۔ وہ کچھ دیر تک کھڑی رہ گئی۔ پھر آہستگی سے قدم اٹھاتی اسٹڈی روم سے نکل گئی تھی۔

☆☆☆

سارا دن مسز شیرازی سے ان کی دوستیں ملنے آتی رہیں۔ ان کا موبائل اس کے پاس تھا۔ کالز وہ اٹینڈ کر رہی تھی۔ ان کی صحت یابی کے تمام پیغامات بھی وہی لکھ رہی تھی اور فارس کی موجودگی میں اپنے آپ کو یہاں وہاں گم کر لینے کی جستجو بھی جاری تھی۔ رات جو بات ہوئی تھی اس کے بعد سے وہ اس کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔ سختی، سرد مہری۔ اور بے گانگی کا تاثر اس کی آنکھوں میں آنسو لا رہا تھا۔ کتنی ہمت کر کے وہ اس کے پاس گئی تھی اور اس نے دو منٹوں میں ہی سب فنا کر دیا۔ ایسی بات کہہ دی جسے رد کرنے کو کچھ باقی ہی نہ رہا۔

اب وہ کیسے یقین دلاتے کہ وہ اس کے لیے غیر اہم نہیں ہے؟؟ اس نے سوچا اور دماغ نے ایک لمبی سی چارج شیٹ دکھا دی۔

وہ اہم ہوتا تو وہ اس کی بات کو اہمیت دیتی۔ اس کی ناراضی سے ڈرتی۔ اس کا لحاظ کرتی۔ جھوٹ نہ بولتی۔ پلاننگ کر کے نہ جاتی۔ سارا دن وہ دکھی اور پریشان سی رہی۔ شام میں مسز شیرازی کے کمرے میں تھی جب وہ دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ اس کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ موبائل سامنے کرتی اپنی نظریں جھکا گئی۔

ریان اس کی گود میں سر رکھے اپنا فیڈر پی رہا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ اس کے بالوں میں چل رہا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے ٹائپنگ ہو رہی تھی۔ گاہے بگاہے وہ فارس کو بھی دیکھ لیتی۔ وہ بیڈ پر ان کے پاس بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ چہرے پر نرمی تھی۔ مسکراہٹ بھی۔

اسی دوران اس کے موبائل پر آئمہ کا میسج آ گیا۔

"میں نے فارس بھائی کو سوری کا اتنا بڑا میسج لکھ کر بھیجا اور انہوں نے مجھے بلاک کر دیا۔" ساتھ ہی روتے دھوتے ایموجی موصول ہوئے۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے جنت۔ بھائی کو پتا چلے گا تو وہ مجھے بہت ڈانٹیں گے!"

اس نے چپکے سے اس کا ڈر کر اس کا کانٹیکٹ

نمبر کھولا یہ جاننے کے لیے کہ کہیں وہ تو بلاک نہیں ہو گئی۔ ؟؟؟ اس نے بھی تو کل رات ہی بات کی تھی اس سے۔

صد شکر کہ رینج روور کی ڈی پی نظر آ رہی تھی۔ دل کو سکون سا ملا۔

بلاک ہو کر زیادہ دکھ ہونا تھا اسے۔

''فارس بھائی کے ساتھ صلح ہو گئی؟'' اس نے اگلا سوال کیا۔ ان کے معاملات ٹھیک ہو گئے تو تلوار اس کے سر پر سے بھی ہٹ جائے گی۔

''ابھی تک تو نہیں!'' اس نے کچھ مایوسی سے جواب لکھا۔

''تو انہیں مناؤ نا۔''

''کیسے مناؤں۔ وہ اب کوئی بات ہی نہیں کرتا!!''

''تم ان کے لیے کوئی گفٹ لو۔ یا ڈنر ارینج کر لو۔'' اس نے بڑی فکر مندی سے اسے مشورہ دیا۔ اگلے ہفتے وہ اپنے بھائی کے پاس دبئی جا رہی تھی۔ اور چاہتی تھی اس سے پہلے ہی یہ معاملہ ٹھیک ہو جائے۔ بھائی کو فی الحال تو کچھ پتا نہیں تھا۔ مگر فارس پر کیا بھروسا۔ اس کے وہاں پہنچتے ہی فون کھڑکا دے۔

''گفٹ!!'' جنت کی آنکھیں چمکیں۔ ''یہ تو میرے ذہن میں ہی نہیں آیا۔ مجھے کیا لینا چاہیے؟''

''اب یہ بھی میں بتاؤں؟'' آئمہ کا صدمے بھرا جواب آیا۔

''گھڑی۔ پرفیوم۔ یا پھر کف لنکس۔'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''ڈیسائیڈ کر کے جلدی سے انہیں راضی کرو!'' آئمہ کہہ رہی تھی۔

''تم تو جیسے اپنے فارس بھائی کو جانتی ہی نہیں ہو!'' جنت چڑ گئی۔

''میں نہیں جانتی۔ تم تو جانتی تھی نا۔ پھر بھی انہیں ناراض کر دیا۔''

جنت کے لب بھنچ گئے۔ آئمہ سے بات کرنے کے بعد کچھ دیر تک سوچوں میں گھری وہیں بیٹھی رہی۔

ریان شیرازی اس کے پہلو میں بے خبر سو گیا تھا۔ وہ سر جھکا کر اسے دیکھنے لگی۔

اس کے آس پاس نہ کوئی شور تھا، نہ گرمی کی تپش۔ اس نے تو دودھ بھی سیر ہو کر پیا تھا۔ اس میں کوئی ملاوٹ بھی نہ تھی۔ اسے وہاں ڈانٹ بھی نہیں پڑ رہی تھی اور بچے اسے تنگ بھی نہیں کر رہے تھے۔ اور اسے مار بھی نہیں رہے تھے۔ اور روبی ذرا ذرا سی دیر بعد اسے بھول کر اور بھاگتے ہوئے پاس بھی نہیں آ رہی تھی۔

جنت اسے دیکھتی رہی۔ جتنے سکون سے ریان سو رہا تھا وہ بھی اس لمحے اتنے ہی سکون سے سونا چاہتی تھی۔ مگر اس کا سکون اور آرام تو فارس وجدان کی ناراضی میں ہی ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ گہری سانس لے کر اٹھ گئی۔ ریان کو مسز شیرازی کے پاس سلا کر باہر آئی تو فارس اسٹڈی روم میں تھا۔ اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ بار بار اس کی باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ اس کا اجنبی سرد لہجہ دل میں خوف سا بٹھا رہا تھا۔ پتا نہیں سب کیسے ٹھیک ہو گا؟ وہ بے بسی سے بند دروازے کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو بیڈ پر جنت کو نہ پا کر فوراً سے اٹھ بیٹھا۔ ہاتھ بڑھا کر لیمپ آن کر دیا۔ ٹیبل کلاک پر وقت دیکھا تو ڈھائی بجے رہے تھے۔

یہ کہاں چلی گئی؟؟ تیزی سے اٹھ کر وہ باہر آ گیا۔ راہداری سنسان تھی۔ کچن کی لائٹس آف۔ نماز والے کمرے میں بھی کوئی نہ تھا۔ مسز شیرازی کے کمرے میں بھی۔ وہ پریشانی کے عالم میں سرعت سے قدم اٹھاتا لائبریری تک گیا۔ ڈرائنگ روم پھر عقبی دیوار کا شیشے کا دروازہ کھولتا دائیں طرف مڑا اور جھٹکے سے رک گیا۔ وہ اسے سامنے ہی بیٹھی دکھائی دی۔ سوئمنگ پول کے عین سامنے۔ پول چیئرز پر

بیٹھی۔ پلیٹ ایک ہاتھ میں۔ دوسرے ہاتھ میں چمچ لیے۔ مزے سے بریانی کھا رہی تھی۔ کین پاس ہی رکھا تھا۔ اس پر نظر پڑی تو۔ تاثرات بدل گئے۔ جس طرح وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ غصے سے تو اسے لگا۔ وہ بری پھنسی۔ کیا سوچے گا روتی آنکھوں کے ساتھ اسٹڈی روم سے نکلی تھی اور اب اتنے مزے سے کھلی فضا میں کھانا کھا رہی ہے۔

''میں سچ میں بہت دکھی ہوں۔'' اپنے حلق سے بمشکل نوالہ اتارتے ہوئے تیزی سے بولی۔ ''مجھے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے سوچا میں تھوڑا سا کھا لیتی ہوں۔ ورنہ میں۔ میرا مطلب ہے۔ سچ میں اس بات پر اداس ہوں کہ تم ناراض ہو۔!''

''کیا میں نے کچھ کہا؟؟'' دانت پیس کر پوچھا تو وہ شرمندہ ہو گئی۔ وہ اسے سرد نگاہوں سے گھورتا واپس پلٹ گیا۔ کچن میں تپ کر فریزر کھولا۔ ڈرا ہی دیا تھا اس نے تو۔ اب رات کے اس پہر لان میں کھانا کون کھاتا ہے بھلا؟؟

''کیا تم میری فکر میں اٹھ کر آ گئے؟'' بے حد قریب سے آواز گونجی۔

''پانی پینے آیا ہوں۔''

''پانی تو کمرے میں بھی رکھا ہے۔''

دانت پیس کر واٹر بوتل کا ڈھکن کھولا۔ ''مجھے ٹھنڈا چاہیے تھا!''

''روم فریج میں بھی ٹھنڈا ہی رکھا ہے۔''

وہ ضبط کر کے مڑا۔

''کیا تمہیں مجھ سے کوئی مسئلہ ہو رہا ہے؟''

اس نے فوراً سے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے بھلا کیا مسئلہ ہو گا؟ بھلے سے تم سوئمنگ پول کا پانی پیو۔ میں کون ہوتی ہوں اعتراض کرنے والی؟'' بہت سمجھ داری اور سنجیدگی سے اپنے لہجے کو ڈھالتے ہوئے بولی۔ کہ مزید کوئی بدمزگی نہ ہو۔ مگر اس کا آخری جملہ فارس کا پارہ چڑھا گیا۔

''یعنی میرا رات کو اٹھ کر پانی پینے کے لیے کچن میں آنا نارمل نہیں ہے؟''

''میں نے یہ کب کہا؟''

''تم یہی کہہ رہی ہو۔''

اس نے پہلے نفی میں سر ہلا کر۔ پھر فوراً سے اثبات میں گردن ہلائی۔ ''نارمل بات ہے۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی۔'' پلیٹ ہاتھ میں تھی۔ چمچہ منہ میں ڈالا۔ اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ''کچھ کھاؤ گے؟''

''تم بس اپنی شکل گم کر لو۔!'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہاں سے جانے کو کہا۔

''اگر پاس کھڑی رہوں گی تو کیا ہو جائے گا؟''

''میرا دماغ اڑ جائے گا۔'' داہنے ہاتھ کو پیشانی تک لاتے بھنا کر جواب دیا اور کچن سے چلا گیا۔ وہ بریانی کھاتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئی۔

''اصل میں باہر صرف کھانا نہیں کھا رہی تھی۔ بیٹھ کر سوچ بھی رہی تھی۔ کہ تمہارے ساتھ میری صلح اب کیسے ہو سکتی ہے؟؟ وغیرہ وغیرہ۔ پہلے میں نے سوچا آنٹی سے بات کرنی چاہیے۔''

''ڈونٹ یو ڈیئر۔'' اس نے لحاف ہٹا کر بیڈ پر بیٹھے اسے کڑے تیوروں گھورا۔ جنت کے حلق میں سچ مچ کچھ اٹک گیا۔ ڈر کر فوراً بات بدلی۔

''ہاں ہاں بالکل! مجھے بھی یہی لگا کہ یہ اچھا آئیڈیا نہیں ہے۔ آنٹی کو ٹینشن دینا بالکل بھی درست نہیں ہے۔''

وہ لحاف تان کر لیٹ گیا۔

''پھر میں نے سوچا کہ تمہیں تھوڑا سا وقت اور اسپیس دینی چاہیے۔''

''تھینک یو ویری مچ'' اس نے جس طرح سے سلگ کر کہا تو اسے لگا اس بات پر وہ راضی ہو رہا ہے۔ ٹائم اور اسپیس چاہیے موصوف کو۔

''لیکن پھر میں نے سوچا۔ کتنا ٹائم اور اسپیس؟''

''ول یو پلیز می سلیپ ناؤ؟'' اس نے لحاف

ہٹا کر غصے سے کہا تو جنت کی آنکھوں میں خفگی در آئی۔
بے عزتی جیسی فیلنگز تھیں۔

"شیور!" آہستہ سے بولی۔" میں کون سا کہہ رہی تھی۔ میرے ساتھ جاگو۔ خود ہی تو اٹھ کر آ گئے۔ میں تو لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔" بڑبڑا کر اٹھ گئی۔ کچھ قدم چل کر واپس پلٹ آئی۔ اس کے سرہانے بڑی مشکل سے جھکی۔

"آر یو شیور تمہیں ٹائم اور اسپیس چاہیے؟؟"
وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"اب میرا کوئی میکہ بھی نہیں ہے جہاں میں کچھ دنوں کے لیے چلی جاؤں۔" بڑی بے چارگی سے کہہ کر سیدھی ہوئی۔ فارس کی لحاف میں بند آنکھیں کھل گئیں۔

"مدحت بانو کے ساتھ اپنے دوسرے گھر شفٹ ہو جاؤں کچھ دنوں کے لیے؟؟ میرا مطلب ہے اگر۔ تم چاہو تو۔ اس طرح تم مجھے بار بار نظر آتے ہو تو میرا بات کرنے کا دل چاہتا ہے۔ اور تم غصے میں آ جاتے ہو۔"

اس نے چہرے سے لحاف ہٹا دیا۔ اس کے تاثرات سے اسے ایک دم اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا کہ اس گھر میں اس نے ناراض ہو کر ہی جانا تھا۔ ناراض کر کے تو نہیں۔ اب جو اگر اس نے کہہ دیا کہ ہاں! چلی جاؤ! تو پھر کیا کرے گی وہ؟

"آئی تھنک مجھے ہی گھر چھوڑ دینا چاہیے" وہ اٹھنے لگا تو وہ فوراً سے منع کرنے لگی۔" نہیں نہیں آئم سوری۔ تم آرام کرو۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔ کچھ نہیں بولوں گی۔ گڈ نائٹ اللہ حافظ" فوراً سے اسے کہتی باہر نکل گئی۔ دروازہ بھی بند کر دیا۔
وہ لب بھینچے اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا تھا۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے جیسے تیسے خود پر ضبط کیا اور فارس سے مخاطب نہیں ہوئی۔ سارا دن وہ اداس رہی اور فارس آفس روم میں کیک، پیسٹریز اور جانے کیا کچھ منگوا کر کھاتا رہا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سوئمنگ بھی کی۔ شام تک کہیں گھومنے بھی چلا گیا۔
وہ بہت صبر سے سب ملاحظہ کرتی رہی۔

کوئی بات نہیں جنت۔ دل دکھایا ہے تم نے اس کا۔ اعتبار توڑا ہے۔ ذرا سا صبر کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ خود کو سمجھاتی بجھاتی رہی۔

رات کا کھانا اس نے ڈائننگ ٹیبل میں اکیلے بیٹھ کر کھایا کہ موصوف نے گل خان سے پیزا بنوا لیا تھا۔ اور اب لان میں اکیلے تناول فرما رہا تھا۔ وہ کئی بار ضبط کر کے کر دروازے تک گئی اور پھر زبردستی کی مسکراہٹ لبوں پر سجائے واپس پلٹ آئی۔

"وقت اور اسپیس!" گہری سانس لے کر دہرایا۔" سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ہاتھ پھیلا کر خود سے کہا۔ فاصلہ بس ایک دن تک ہی رکھ سکی کہ اگلے دن صبح سویرے ہی اس کے جم پہنچ گئی۔

"اینی پرابلم؟؟"
وہ چسٹ پریس مشین پر تھا اور اسے دیکھتے ہی ہینڈل چھوڑ کر اٹھ گیا تھا۔

"کیا ہمارے درمیان اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو گا؟" بہت بے چارگی بھرے دکھ سے پوچھا۔
وہ آنکھوں میں خفگی لیے اسے دیکھتا رہا۔

"اب میں تم سے معافی مانگ تو رہی ہوں۔" اسٹپس اتر کر نیچے آ گئی۔

"کیا میں نے کہا مجھے معافی کی ضرورت ہے یا میں تم سے ناراض ہوں؟"
جنت کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"میں مانتی ہوں میں نے غلط کیا۔ مجھے تمہاری بات ماننی چاہیے تھی۔"

"کیا میں کوئی شکوہ کر رہا ہوں؟۔"
جنت کچھ کہہ نہ سکی۔

"اور اگر تمہیں اپنی کسی ڈیل یا وعدے کی پرواہ ہے تو فکر مت کرو۔ مجھے سب یاد ہے۔"

جنت نے روہانسا ہو کر اسے دیکھا۔ وہ کیا کہہ رہی تھی اور وہ اسے کیا سنا رہا تھا۔

" کیسی ڈیل؟ کیسا وعدہ۔ ہمارے درمیان

Scanned with CamScanner

سب ٹھیک تو ہو گیا تھا۔"
فارس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کب ٹھیک ہوا تھا؟"

"وہ۔ میری اس آخری غلطی سے پہلے۔" شرمندہ ہو کر بولی۔

"اگر سب ٹھیک ہوتا تو کیا تم وہ حرکت کرتیں جو تم نے کی۔"

جنت اپنی جگہ تھم گئی۔

"ابھی تم کہہ رہے تھے تم مجھ سے ناراض نہیں ہو!" روہانسا ہو کر بولی۔

"میں نے یہ کب کہا ہے؟" اس کی پیشانی پر بل آگئے۔

"تو جس وجہ سے ناراض ہو۔ اس وجہ پر۔ آئم رئیلی سوری۔"

"یو بے لیو ناؤ!" اس نے کہہ دیا۔ تحکم سے۔

وہ بجھے دل کے ساتھ اپنے کمرے میں بند ہو گئی۔

"کیا بتا؟" کچھ ہی دیر میں آئمہ کی کال آگئی تھی۔ وہ دبئی میں تھی۔ اور چونکہ ابھی تک بڑے بھائی نے باز پرس نہیں کی تھی تو کچھ مطمئن لگ رہی تھی۔

"مجھے تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا۔"

اس نے موبائل کو ہٹا کر گھورا۔ اور پھر کان سے لگایا۔ "جنت تم۔"

"آئمہ میں ویسے ہی بہت پریشان ہوں۔ پلیز مجھے کچھ مت کہو۔"

وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ دوپہر میں اس نے دوبارہ کال کی۔ وہ پریشان سی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"اچھا تم ایسا کرو۔ مجھے بتاؤ وہ کس برانڈ کی ایسیریز استعمال کرتے ہیں۔ میری دوست کل پاکستان جا رہی ہے میں اس کے ہاتھ بھجوا دیتی ہوں!" پیچھے سے کچھ شور بھی سنائی دے رہا تھا۔ وہ کسی مال میں تھی شاید۔

"برانڈ تو میں نہیں بتا سکتی۔"

آئمہ نے الیکزینڈر میکوین کے کف لنکس بھیجے۔

بس انسانی کھوپڑیاں تھیں جو اسے نظر آئیں۔

"کون لیتا ہو گا یہ؟" اس کی آنکھوں میں ناگواری اتر آئی۔ "مسلمان پہنتے ہوں گے تو نماز تو نہیں ہوتی ہو گی۔" کچھ اور تصاویر کو بھی رد کر دیا۔

"تم مجھے ٹھیک سے بتا دو گی تو میں کوئی بہتر گفٹ لے سکوں گی نا۔" آئمہ تنگ آگئی۔

"مجھے کیا پتا میں خود پہلی بار یہ خرید رہی ہوں"۔ اس نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ "پاکستان کی کوئی چیز ہوتی تو مجھے سمجھ میں بھی آتی۔ اس کا تو سب کچھ باہر کا ہی ہے۔"

"نہ تمہیں کارٹیئے کی سمجھ میں آ رہی ہے۔ نہ الیکزینڈر میکوین کی۔ تم فارس بھائی سے پوچھ لو۔ انہیں کس برانڈ کی پسند ہیں تو وہی بتا دو۔ میں لے آؤں گی!"

"اگر وہ میرے کسی سوال کا جواب دیتا۔ تو کیا ہی بات تھی۔" ٹھنڈی آہ بھر کر آہستگی سے دروازہ کھولتی کمرے میں داخل ہوئی۔ لائٹس آف تھیں۔ وہ سو رہا تھا۔

"ایک سیکنڈ۔" سرگوشی میں کہتے ہوئے وارڈروب کا رخ کیا۔ کھڑکیوں پر پردے گرے ہوئے تھے مگر زرد روشنی پھر بھی محسوس ہو رہی تھی۔

آہستہ سے وارڈروب سلائڈ کی۔ دراز کھولے۔ اس کے کف لنکس کا شاندار سا کلیکشن سامنے تھا۔ موبائل کی فلیش لائٹ آن کیے۔ کچھ تصویریں کھینچ کر بھیجیں۔

آئمہ کچھ دیر تک تو الجھتی رہی پھر اسے چند ایک سمجھ آگئیں۔

"ہاں یہ تو cartier کی ہی لگ رہی ہیں۔ اور اس طرف dunhill کی ہے۔ بھائی پہنتے ہیں اسے۔ اور یہ۔ اومیگا ہے آئی کیس۔ اور یہ پتا نہیں کس برانڈ کی ہے۔"

"میں دیکھتی ہوں!!!"
چند ایک سیاہ رنگ کے باکس تھے۔ انہیں کھول کر دیکھا۔ برانڈ کا نام چیک کیا۔ بھول گئی کمرے میں ہے۔ اور فارس بھی سو رہا ہے۔ پہلے جو محتاط ہو کر چیک کر رہی تھی۔ اب بے احتیاطی سے اٹھا پٹخ ہونے لگی تھی۔

"مونٹ بلانک!" اس نے نام پڑھ کر بتایا۔

"موں بلاں!" عقب میں گمبھیر سی آواز میں کچھ سختی سے صحیح کی گئی۔ "ٹی اور سی سائلنٹ ہیں!"

وہ ایک ہاتھ میں موبائل دوسرے ہاتھ میں باکس لیے اپنی جگہ پتھر ہوئی۔ منہ بند کر کے آنکھیں میچ لیں۔ وہ لحاف ہٹاتا اٹھ گیا۔ لائٹس آن کر دیں۔

"کیا کر رہی ہو؟" گردن موڑ کر اپنی وارڈ روب پر سرسری سی نگاہ دوڑائی۔ اب وہ بتا دیتی کیا کر رہی تھی تو سرپرائز کا تو یہیں بیڑہ غرق ہو جانا تھا۔ تیزی سے باکس اندر رکھا۔ دراز بند کی۔ وارڈ روب بند کر دی۔ پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے مڑی۔

"کچھ نہیں بس ویسے ہی۔ دیکھ رہی تھی۔ تمہارے کف لنکس کافی اچھے ہیں نا تو اس لیے۔" مسکراہٹ۔ وہ بھنویں سکیڑے اسے دیکھتا رہا۔

"میرے کف لنکس کا تم نے کیا کرنا ہے؟" اکھڑا ہوا لہجہ۔

"کچھ نہیں۔ میں بھلا کیا کروں گی۔ یہ تو ایسے ہی بس۔ میں چلتی ہوں!! تم آرام کرو" کھسکنا چاہا تو وہ راستے میں ایستادہ ہو گیا۔

"کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا۔ آرام کر رہا ہوں۔ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" لہجہ سخت تھا۔

"ہاں۔ بالکل۔ کہا تھا۔ میں بس۔ وہ۔ غلطی سے۔ سوری!!"

اپنی جان بچاتی دائیں طرف سے کھسک کر باہر نکل گئی۔ اف!! سانسیں بحال کرتے ہوئے سینے پر ہاتھ رکھا۔ پھر آئمہ کو کال کی۔ اس نے تینوں برانڈز کے کف لنکس کی مختلف تصاویر بھیجیں۔ اب وہ بغور دیکھتے ہوئے پسند کر رہی تھی۔ موں بلاں کا اسے پسند آ گیا۔ ایک اومیگا کا لیا۔ سب ڈن کر کے مطمئن ہو گئی۔ شام تک آئمہ نے بتایا اس کی دوست کل کی فلائٹ سے واپس نہیں آ رہی تھی۔

"یہ آج کل میرے ساتھ اتنا برا کیوں ہو رہا ہے!" وہ رو دینے کو تھی۔ سوچا تھا کل ہی گفٹ دے کر بات کرے گی مگر۔

اب وہ شیشے کی دیوار کے سامنے دائیں سے بائیں۔ اور بائیں سے دائیں مارچ کرنے لگی تھی۔

بہتر ہے کہ وہ یہیں سے کچھ خرید لے۔ اچھا سا قلم۔ یا پھر گھڑی۔ کل اسے ہاسپٹل چیک اپ کے لیے جانا تھا۔ اس نے پرسوں کا پلان بنا لیا۔ فارس قریب سے گزر رہا تھا تو مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے آئی۔ "ہیلو مسٹر شیرازی! پانچ منٹ ہوں گے آپ کے پاس؟"

"نہیں!" صاف انکار۔

تحمل سے اس کا بازو پکڑ کر روک لیا۔

"اس طرح منہ بنا کر رہنے سے بہتر نہیں ہے کہ تم مجھے تھوڑا سا ڈانٹ دو۔ غصہ دکھا دو۔ تھوڑا سا لڑ جھگڑ لو۔ میں چپ چاپ سن لوں گی۔ تمہیں کچھ بھی نہیں کہوں گی۔"

"اور میں ایسا کیوں کروں؟"

"تاکہ ہمارے درمیان سب ٹھیک ہو جائے!"

"کیوں ٹھیک ہو جائے؟؟"

جنت نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"فارس!"

ایک ہاتھ جیب میں ڈالے، دوسرا ہاتھ ریلنگ پر رکھے اسے گھورتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

وہ لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

☆☆☆

مسز شیرازی کی صحت بہتر ہوئی تو وجدان ہاؤس میں دعوت رکھ لی گئی تھی۔ گھر روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ دوست احباب اور کچھ رشتہ داروں کو مدعو کیا

گیا تھا۔اس کی طرف سے سائرہ خالہ اور ابراہیم انکل بھی آئے تھے۔

کھانے کا انتظام وسیع لان میں کیا گیا۔ گول میزوں کے گرد ترتیب سے کرسیاں رکھی گئیں۔ ملازم مستعدی سے اپنا کام سرانجام دیتے مہمانوں کا بہت اچھے سے استقبال کر رہے تھے۔ مہمانوں کی توجہ کا مرکز ریان بنا ہوا تھا۔ سب اس سے مل رہے تھے۔ اسے پیار کر رہے تھے۔ وہ اپنی دادی کی گود میں تھا۔ اور اتنے سارے بچوں کی موجودگی میں نیچے نہیں اتر رہا تھا۔ وہ بچوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن ان کے ساتھ کھیلنا نہیں چاہتا تھا۔ بھاگنا نہیں چاہتا تھا۔ چند ایک بار مسز شیرازی نے اسے نیچے اتارا تھا مگر وہ رونے لگ گیا تھا۔

کیا وہ ڈر رہا ہے؟ جنت پریشان ہوئی۔ روبی نے بتایا تھا اوصاف منزل کے بچوں کی وجہ سے ہی اسے کئی بار چوٹیں آئی تھیں۔ مسز شیرازی کے سینے پر سر رکھے۔ وہ جس طرح سے کچھ پریشان سا سب کو دیکھ رہا تھا۔ تو اس کے دل کو کچھ ہوا۔ حالانکہ سارا دن وہ کافی فریش رہا تھا۔

اسی دوران اپنے بھائی اور پڑوس کے بچوں کے ساتھ کھیلتی زویا کی نظر اس پر پڑی اور وہ سب چھوڑ چھاڑ کر رک گئی۔ اس پر ایک دم سے انکشاف ہوا کہ وہ بہت چھوٹا سا بے بی ہے۔ اپنے سفید فراک میں بھاگتی ہوئی پاس آ کھڑی ہوئی۔

مسز شیرازی باتوں میں مصروف تھیں۔ پہلے وہ بڑی بڑی آنکھیں پھیلائے اسے دیکھتی رہی۔ ''بے بی!'' اسے وہ اچھا لگا۔ ہاتھ اٹھا کر اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا تو ریان نے فوراً سے کھینچ لیا۔ وہ گھوم کر دوسری طرف آئی۔ تو ریان بھی گردن موڑ کر اسے دیکھنے لگا۔ اس نے پھر اپنے ننھے سے پرس کی زپ کھول کر اس میں سے ٹافی نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

''بے بی یہ لو!'' پیاری سی آواز میں پکارا۔ دائیں جانب سر جھکا کر۔ محبت سے اسے دیکھتے۔ قریب ہو کر اپنا ہاتھ مزید اوپر کیا۔ پھر خیال آیا کھول کر دینا چاہیے۔ کھول کر دیا تو مسز شیرازی متوجہ ہو گئیں۔ انہوں نے اس کے ہاتھوں سے لے کر ریان کے منہ میں دی۔ میٹھی سی نرم چیز تھی۔ اس نے چبا چبا کر کھالی۔ پھر وہ بھاگ کر گئی۔ اور اپنی ممی کے بیگ سے ایک چاکلیٹ اور چپس کا آدھا کھلا ہوا پیکٹ نکال لائی۔ مسز شیرازی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ پھر ریان کو نیچے اتار دیا۔ وہ ان کے گھٹنوں سے لگ کر کھڑا رہا۔ اب وہ چھوٹے چھوٹے چپس کے ٹکڑے اس کے منہ میں دے رہی تھی۔ بہت سنجیدگی اور بڑی ذمہ داری سے۔

''بے بی یہ بھی لو۔'' ریان اس کے ساتھ ہی نیچے بیٹھ گیا۔ وہ اس کے منہ میں جو ڈال رہی تھی وہ کھا رہا تھا۔ جنت کو وہ منظر بہت پیارا لگا۔ مسز عثمان کی باتیں سنتی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی۔ اسے نہیں پتا تھا یہ کیوٹ سا ایٹریکشن کچھ ہی دیر میں ایک خطرناک موڑ لینے والا تھا کہ جب مہمانوں کے لیے کھانا لگایا جا رہا تھا تو زویا نے ایک الگ ہی قسم کا مطالبہ رکھ دیا۔ اس کے پاس آ گئی تھی۔

''جنہ بابی!! میں بے بی کو اپنے گھر لے جاؤں ؟؟؟''

وہ جو تھکاوٹ کا شکار سارے انتظام دیکھ رہی تھی رک گئی۔ آنکھیں پھیلا کر زویا کو دیکھا۔ کچھ حیرت سے۔ اسے ریان چاہیے تھا۔ ایسے نہیں کہ کھیلنے کے لیے یا دوستی کے لیے چاہیے تھا۔ وہ اسے اپنے ساتھ گھر لے جانا چاہتی تھی۔

''زویا! وہ تو بہت چھوٹا ہے۔ آپ اسے گھر کیسے لے جائیں گی؟؟''

''میں اشکا کھیال رکھوں گی۔ کھانا بھی دوں گی۔ بہت شاری چاکیت (چاکلیٹ) دوں گی۔ بیشت (بسکٹس) دوں گی۔''

جنت کو ہنسی آ گئی۔

''لیکن وہ بہت چھوٹا ہے۔ بہت روئے گا!''

''میں اسے چپ کروا لوں گی!'' وہ پراعتماد تھی۔

Scanned with CamScanner

"آپ روز یہاں آجایا کریں ریان کے ساتھ یہاں کھیلنا چاکلیٹ اور بسکٹس بھی دینا۔" دلیل سے سمجھانا چاہا مگر زویا کو اور کوئی حل قبول نہیں تھا۔ ضد باندھ لی۔ رونے لگی۔ اپنی مما کو کھانا بھی کھانے نہیں دے رہی تھی۔

"اسے جو بچہ پسند آتا ہے کہتی ہے ممی گھر لے چلیں!" وہ ہنس کر بتانے لگیں۔

جنت کی کچھ اور سمجھ نہ آیا تو کہہ دیا ریان فارس کا ہے۔ زویا فارس سے بہت ڈرتی تھی۔ قوی امید تھی کہ اپنی ضد سے پیچھے ہٹ جائے گی۔ مگر وہ چوزی اپنے سفید فراک میں گھومتی فارس کے پاس پہنچ گئی۔

"فارش انکل!" اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر متوجہ کیا تو وہ بات ادھوری چھوڑتا اس کی طرف مڑا۔

"جنہ بالی نے کہا بے بی آپ کا ہے!"

پہلے سمجھ میں تو اسے کچھ نہ آیا وہ کیا کہہ رہی ہے۔

"وہ والا بے بی آپ کا ہے؟" تصدیق کے لیے دور اشارہ کیا۔ مسز شیرازی کی طرف۔ فارس کی بھنویں سکڑ گئیں۔

"میں بے بی کو اپنے شاتھ گھر لے جاؤں؟" اب وہ بڑی سنجیدگی سے اجازت چاہ رہی تھی۔

ایک تو اس کی جنہ بھابھی۔!

اس نے دانت پیس کر جنت کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تو وہ اپنی کرسی پر بیٹھی نچلا لب دانتوں میں دبائے جمیلہ داؤد کے پیچھے چھپ گئی۔ اللہ!! یہ کیا ہو گیا!!! اب اور ناراضی۔ کیا سوچ کر بچی کو سکھا کر بھیج دیا کہ بے بی اس کا ہے۔ اب اسے پوری بات کون سمجھائے؟؟

"آپ اشے مجھے دے دو۔ میں کھیلوں گی۔ میں بہت خیال رکھوں گی!" وہ اس سے ڈر بھی رہی تھی۔ جھجک بھی رہی تھی۔ اور مطالبہ بھی کر رہی تھی۔

اس کے والد صاحب وہیں بیٹھے تھے۔ "چلو فارس جلدی سے مجھ سے میری بیٹی کا رشتہ مانگو اور بس!"

"آپ کے دونوں بچوں کے رشتے اسی گھر میں ہوں گے؟" اس نے جس طرح سے تپ کر پوچھا۔ عبید بھائی کا قہقہہ سا بلند ہوا۔

وہ سر جھٹک کر رہ گیا۔

جنت نے زید کو بھیج کر زویا کو مشکل سے وہاں سے ہٹا دیا۔

کھانا لگ چکا تھا۔ وہ اب تمام انتظامات دیکھ رہی تھی۔ گو کہ ملازم موجود تھے مگر پھر بھی اسے نگرانی کرنی پڑ رہی تھی۔

مہمان کھانا کھانے لگے تو وہ سائرہ خالہ کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ پاؤں دکھ رہے تھے۔ اور تھکاوٹ کی وجہ سے کمر میں بھی درد ہو رہا تھا۔ مہمانوں میں بیٹھنا بھی ضروری تھا۔ اٹھ کر جا بھی نہیں سکتی تھی۔ حالانکہ مسز شیرازی نے کہا تھا وہ کچھ دیر آرام کر لے مگر اسے مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

سائرہ خالہ اب اس سے بات کر رہی تھیں۔ ان کے علم میں نہیں تھا فارس کا بھتیجا بھی ہے۔

"اپنے ننھیال میں تھا!" اس نے بتایا۔

"تو اب یہیں رہے گا؟"

اس کی نگاہیں بھٹکتی ہوئی فارس تک گئیں۔

"جی۔ ان شاء اللہ۔ یہیں رہے گا!" اس نے کہا۔ کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی۔ پھر چپ ہو گئی۔

"وہاں سب کیسے ہیں؟" آہستہ سے پوچھا۔

"سب" سے مراد اس کی بہنیں تھیں۔

"سب ٹھیک ہیں۔ حانیہ کی ماشاء اللہ سے۔ بیٹی ہوئی ہے۔ پچھلے ہفتے سب اس کی طرف تھے۔"

وہ ذرا سا مسکرائی لیکن آنکھوں کی نمی نہ دبا سکی۔ نہ کوئی لفظ ادا کر سکی۔ نہ جذبات کے اظہار کے لیے کچھ کہہ سکی۔ وہاں سب اکٹھے تھے اور وہ نہیں تھی۔ غم۔ خوشی۔ دعوت۔ یا ملاقات۔ کوئی تعلق ہی اس سے نہیں رکھا گیا تھا۔ اس کی خوشی میں بھی ان میں سے کوئی نہ پہلے شامل ہوا تھا۔ نہ اب ہو سکتا تھا۔

اس کے بچے کی چھ خالائیں تھیں۔ اور ان میں سے کوئی بھی اس کی پیدائش پر نہیں ہوگی۔

گہری سانس لے کر اس نے خیالات کو جھٹک دیا۔ وہ ان معاملات سے نکل چکی ہے۔ اس نے خود کو سمجھایا۔ وہ آگے بڑھ چکی ہے۔ بار بار دہرایا۔ اب وہ کھانا کھا رہی تھی۔ سائرہ خالہ اسے دیکھ رہی تھیں۔

بہنوں کے سوا اس نے کبھی بھی خاندان کے کسی دوسرے فرد کے بارے میں نہیں پوچھا تھا۔ ماہین۔ برحان۔ اپنے تایا کی فیملی کے بارے میں بھی نہیں۔ ان کی آنکھیں سوچ میں ڈوب رہی تھیں۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھیں۔ کچھ ایسی باتیں۔ جو تا حال اس کے علم میں نہیں تھیں۔ مگر پھر انہوں نے ارادہ ترک کر دیا۔ جن کا ذکر تکلیف سے دوچار کر دے۔ وہ ذکر بہتر ہے کیا ہی نہ جائے۔

کچھ دیر کے بعد وہ اٹھ کر مہمانوں کو دیکھنے لگی۔ کسی کو کسی چیز کی ضرورت نہ ہو۔ ملازم سلاد، رائتہ، اور مختلف ڈشز سرو کرتے نظر آ رہے تھے۔ پانی کو بوتل پکڑے مسز شیرازی کے پاس بیٹھ گئی۔ ریان ان کی گود میں ہی سو گیا تھا۔ زویا اپنی مما کے پاس بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔ وہ کچھ دیر کے لیے ریان کو بھول گئی تھی۔ جنت نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

اطراف میں چہل پہل۔ اور رونق سی نظر آ رہی تھی۔ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے۔ تکلیف وہ چھپاتے ہوئے اس نے پوزیشن بدلنے کی کوشش کی۔

"تم جاؤ اب۔ تھوڑا آرام کر لو۔" مسز شیرازی نے فکر مندی سے کہا۔

"نہیں بس ٹھیک ہے۔" کلائی موڑ کر وقت دیکھا۔ مسز شیرازی کی دوست سے باتیں کرنے لگیں۔ پانی کے چند گھونٹ لیے۔ اور تب ہی اسے فارس اندر جاتے ہوئے دکھائی دیا تو معذرت کرتی فوراً سے اٹھ کر اس کے پیچھے صدر دروازہ عبور کرتی راہداری میں چلی گئی۔ وہ فون کال اٹینڈ کر رہا تھا۔

منتظر سی کھڑی رہی۔ اس کا برٹش لہجہ دماغ گھما رہا تھا۔ کچھ باتیں سمجھ میں آ گئیں۔ کچھ نہیں آئیں۔ گفتگو کاروباری نہیں تھی۔ کسی راحم کا ذکر ہو رہا تھا۔ جس سے غالباً فارس کا رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ بات کرتے کرتے جونہی مڑا تو نظر جنت پر پڑی۔ وہ الرٹ ہوگئی۔

" فرمایئے!" کال ڈسکنکٹ کرتا اس کی طرف مڑا۔

ایک تو اتنا فارمل اور اجنبی سا رویہ ہوتا تھا اس کا کہ بس۔ آہستہ سے مسکرائی۔

"میں نے سوچا پوچھ لوں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے!"

" کچھ چاہیے ہوگا تو خود لے لوں گا تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں!" سرد لہجے میں جواب دیتا رخ بدل گیا۔ نگاہیں موبائل اسکرین پر جمی ہوئی تھیں۔ کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

" کیوں فکر نہ کروں۔ آخر کو تم میرے شوہر ہو!" جتا کر کہتے ہوئے اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔

"پتا نہیں کتنے دنوں تک ہوں!" اس کی بڑبڑاہٹ واضح تھی۔

" کتنے دنوں تک سے کیا مطلب؟ ہمیشہ کے لیے ہو۔"

" کسی نے خلع کے لیے کورٹ بھی جانا تھا!" اس نے یاد دلایا۔

"اچھا!" وہ انجان بن گئی۔

"اور جس کے خلاف جانا تھا وہ کوئی وحشی ظالم اور درندہ تھا۔" اسکرولنگ کرتے کچھ اوکے کر کے سینڈ کر دیا۔

"صرف ظالم!" جنت نے فوراً سے ٹوک دیا۔ "میں نے وحشی درندہ تمہیں کبھی نہیں سمجھا۔ ہاں یہ ضرور سوچتی تھی کہ کتنا کھڑوس ہے۔ ضدی اور بدتمیز ہے اور کتنا مغرور ہے یہ۔ بات بھی نہیں کرتا۔ جواب نہیں دیتا اور دیکھو میری چائے پی گیا۔ بھوکا کہیں کا۔" اپنی دھن میں بول رہی تھی زبان کو بریک لگی کہ

مٹھیاں بند کرتے ہوئے فارس نے جس طرح سے لب بھینچ کر سر اٹھایا تھا تو اسے لگا اب اس کی خیر نہیں۔

"یہ تو میں پرانی باتیں کر رہی ہوں۔ جو میں پہلے سوچتی تھی۔ تب تو میں بہت ہی پاگل تھی۔" فوراً اعتراف کیا۔ بڑی ہی معصوم سی مسکراہٹ دکھائی۔ جس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔

"اور رہ کیا گیا ہے؟" فارس کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"تم رہ گئے ہو۔ باقی جو کچھ بھی سمجھتی تھی وہ ختم ہو گیا۔"

وہ اپنی جگہ ٹھہر گیا۔ وہ آنکھوں میں نمی لیے اسے دیکھتی رہی۔ وہ سر جھٹک کر رخ بدل گیا۔

"ایسا کب تک چلے گا؟" بہت ہی نرمی اور پیار سے پوچھتے ہوئے اپنی گردن کو دائیں طرف جھکایا۔

"بہت لمبے عرصے تک۔" جواب فوراً مل گیا۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے کھڑی ہوئی۔ سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا۔

"میں نے پہلی بار غور کیا ہے۔ تم ناراض ہو کر زیادہ اچھے لگتے ہو۔" ہاتھ بڑھا کر اس کی ٹائی ناٹ درست کی۔

"تم بھی بہتر لگو گی۔ اگر مجھ سے دور رہو گی تو۔!" تحمل سے وارننگ دی۔

"پھر میں بری ہی ٹھیک ہوں!" خوشی خوشی اس کا بازو پکڑ کر داہنا گال کندھے سے لگا لیا۔

فارس کا موبائل بج اٹھا۔ کسی جیمز اینڈرسن کی کال تھی۔ اس نے بازو چھوڑ دیا۔ وہ کال ریسیو کرتا گیلری میں جا کھڑا ہوا۔

جنت گہری سانس لیتی صوفے پر جا بیٹھی۔ گردن کو پیچھے کیے۔ پنکھے کو گھورنے لگی۔ پتا نہیں اس کی ناراضی کب ختم ہو گی۔ نگاہیں گیلری تک گئیں۔ وہ فون کان سے لگائے بات کر رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ کتنے دنوں بعد وہ اس طرح مسکرا رہا تھا۔ اس نے نگاہ ہٹا لی۔ جیسے نظر لگ جانے کا خدشہ ہو۔

پھر دوپٹہ درست کرتی باہر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

آسمان کی اجلی نیلی رنگت میں کہیں کہیں سفید بادل پھیلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ چمکیلی دھوپ لان کا سبزہ نکھارے ہوئے تھی۔ مسز شیرازی گلاس وال کے سامنے بیٹھی تھیں۔ مدحت ان کے سامنے چائے کا کپ رکھ رہی تھی۔

فارس لاؤنج میں بیٹھا چینل سرفنگ کر رہا تھا۔ نیوز چینل لگا کر کشن کو سر کے نیچے رکھتا ایزی ہو کر بیٹھ گیا۔ ملازمہ فرنچ فرائز کی پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر چلی گئی۔

اسی لمحے جنت بیڈروم سے نکل کر کچن کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دی۔ ریان اس کے ساتھ ہی تھا۔ وہ اس کا فیڈر بنانے لگی تھی۔

ریان ڈینم اور آل میں ملبوس اس کے پاس ہی کھڑا تھا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا کچن سے باہر آ گیا۔

وہ سائڈ ٹیبل تک گیا۔ پھر گھوم کر دوسری طرف کشادہ کھڑکیوں کی جانب۔ جہاں نیلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ شیشے پر ننھے ننھے ہاتھ رکھے اپنی ناک ٹکا کر باہر دیکھا۔ پھر اس کی توجہ کا مرکز فارس بن گیا۔ وہ میز بھی جس پر فرنچ فرائز کی پلیٹ رکھی تھی۔ موبائل اور چند ایک دوسری اشیاء بھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا میز تک گیا۔ چند لمحوں تک آنکھوں میں معصومیت لیے اسے دیکھا پھر اپنا ننھا سا ہاتھ بڑھا کر پلیٹ پر رکھ دیا۔ فارس کی نظر اٹھی تو وہ ہاتھ رکھے اسے دیکھنے لگا۔ یوں جیسے اس کے ردعمل کا اندازہ کرنا چاہ رہا ہو کہ کہیں کچھ کہے گا تو نہیں؟

میگزین سائڈ پر کرتے اس نے کیچ اپ سے خالی فرنچ فرائز کا قدرے نرم ٹکڑا توڑ کر اسے دیا۔ ذرا سا قریب ہو کر اس نے پورے استحقاق سے لے لیا۔ پہلے انگلیوں میں لے کر دیکھا۔ غور سے کہ کیا چیز ہے؟۔ پھر منہ میں ڈالا۔ مزے کا لگا تو مزید پاس آ

گیا۔ اس نے دوسرا توڑ کر دیا، پھر تیسرا، اس کے تاثرات بتا رہے تھے اسے فرنچ فرائز کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کتنے پسند آ رہے تھے۔ مسز شیرازی بالکل سامنے ہی گلاس والز کے پاس بیٹھی تھیں۔ ان کی نگاہیں دونوں پر جمی رہ گئیں۔ ریان اور فارس۔ فارس اور ریان۔ خواب سا منظر تھا۔ گمان میں بھی نہ تھا وہ انہیں ایک ساتھ اس طرح بھی دیکھ پائیں گی۔ اتنے قریب اور اس طرح سے اس نعمت پر وہ اپنے رب کا جتنا شکر ادا کرتیں کم تھا۔

جنت نے ایک طویل گہری سانس لی۔ ذرا دیکھو تو، چچا بھتیجے کی دوستی ہو گئی، مگر وہ پھر بھی ولن رہی۔

پھر ریان کو ہی جنت کا خیال آیا تو اب کے جو ٹکڑا فارس نے دیا تو اسے لے کر اس کے پاس چلا گیا۔ ننھا سا ہاتھ اوپر کر کے دیا۔ کہ لو آپ بھی کھاؤ۔ جنت کا دل محبت سے بھر گیا۔

''ریان! آپ اتنے پیارے کیوں ہو ہاں؟'' جھک کر اس کے گال بھینچے۔ پھر منہ کھول کر اس کے ہاتھوں سے کھا لیا۔ غالباً وہ گھر میں اس کے ہاتھوں سے کئی بار چیزیں لے کر کھا چکی تھی۔ نظر آ رہا تھا وہ ان چند دنوں میں اس کے ساتھ کتنا مانوس ہو چکا تھا۔

فارس کے موبائل پر کال آئی تو وہ اٹھ کر باہر چلا گیا۔ جمیلہ داؤد کی مسکراتی متشکر نگاہیں دور تک اس پر جمی رہی تھیں۔

☆☆☆

اس نے جنت کو اس تمام عرصے میں پہلی بار اسلام آباد میں دیکھا تھا۔ وہ زنیرہ آپا کی طرف آئی تھی۔ چیک اپ کے لیے اسے ہاسپٹل جانا پڑا تھا۔ بینچ پر برحان کے ہمراہ بیٹھے۔ اپنی باری کا انتظار کرتے اس کی نظر جو نہی اٹھی وہیں ٹھہر گئی۔ جنت کمال دروازہ کھول کر باہر نکل رہی تھی۔ اس کے سراپے پر نظر ڈالتی وہ پتھرا گئی تھی۔

گمان تھا وہ اسے بہت دکھ اور تکلیف میں دیکھے گی۔ دربدر در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے۔ بے عزتی اور دھتکار سہتے ہوئے۔ مگر جو آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔ وہ منظر کچھ اور ہی تھا۔ اس نے سنا تھا اس کی شادی کسی امیر شخص سے ہوئی تھی۔ اس نے یہ بھی سنا تھا وہ اپنے گھر سے کہیں بھاگ گئی تھی۔ یہ بھی کہ اس کا کردار کتنا برا ہے۔ اس کی سزا میں کتنی مختصر۔ اس کا عذاب کتنا ادھورا ہے۔

ماہین عبدالکریم جنت کمال کو دیکھ رہی تھی۔ برحان واصف کی ساکت نگاہیں بھی اس پر ٹھہر گئی تھیں۔

کتنا مطمئن تھا اس کا چہرہ۔ اس کی مسکراہٹ کتنی گہری تھی۔ اسے اپنے کیے پر پچھتاوا تھا نہ کوئی افسوس۔

صدمہ تو اس بات کا تھا کہ وہ پریگنٹ تھی۔

وہ بانجھ لڑکی جس پر دنیا کی ہر محرومی کا اختتام سمجھا جاتا رہا۔ وہی لڑکی ماں بننے والی تھی۔ ماہین کا پورا وجود شعلہ ہو رہا تھا۔ کیوں؟؟ کیسے؟؟؟

بیگ میں پیپر زرکھتے جنت نے سر اٹھایا تو اپنی جگہ تھم گئی۔ اس کی نظر ساکت ہوئی۔ اس کے چہرے کا ہر رنگ مفقود ہو گیا۔ اقصیٰ جو اس کے انتظار میں بیٹھی تھی فوراً اٹھ کر پاس آ گئی۔

برحان واصف۔ اور ماہین عبدالکریم۔ جن دو چہروں کو وہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ وہی دو چہرے اس کے سامنے تھے۔ وہ برحان کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت ابھی بھی دیکھ سکتی تھی۔ وہ لڑکی جس نے اسے چیٹ کیا۔ دھوکا دیا۔ بچے کو مارنے کی کوشش کی۔ وہ لڑکی۔ اس کا چہرہ۔

''آپی!'' اقصیٰ نے اس کا ہاتھ ہلایا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔ اپنی کپکپاہٹ پر قابو پاتے ہوئے بہت ضبط اور ہمت سے۔ وہ برابر سے گزر کر باہر نکل گئی۔ ماہین نے گردن موڑ کر اسے نظروں سے اوجھل ہو جانے تک دیکھا تھا۔ برحان کے تاثرات سخت پتھریلے سے ہو رہے تھے۔ آنکھوں میں جو حکایت تھی۔ وہ ماہین کی سمجھ سے باہر ہو رہی تھی۔

☆☆☆

Scanned with CamScanner

جنت کمال کی سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔
اس نے گاڑی میں بیٹھنے تک اپنی چال کو مضبوط۔
اپنے کندھوں کو سیدھا کیے رکھا تھا۔ اب جب وہ
نظروں سے اوجھل تھی تو ہر پردہ اٹھ گیا تھا۔ ہر کیفیت
اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگی تھی۔ وہ خوف
اور دہشت کا تاثر نہیں تھا۔ غم اور غصے کی آگ تھی جو
اسے اندر ہی اندر جلا رہی تھی۔ اذیتوں کا احساس تھا
جو ماضی کی تلخ یادوں میں دھکیل رہا تھا۔

وہ اس کے سامنے اس طرح کیوں آگئے۔ اس
نے کیوں دیکھ لیا انہیں۔ کیوں منجمد ہوگئی۔ کیوں کچھ
کہہ نہ سکی۔ جو غصہ تھا۔ جو نفرت تھی ان کے لیے۔
چند لفظوں کا اظہار ہی سہی۔ کچھ تو کرتی وہ۔ وہ اندر
ہی اندر سے جیسے خود کو نوچ رہی تھی۔ اس کی زندگی
برباد ہوئی۔ اس کی ماں دنیا سے چلی گئی۔ بدنامی الگ
حصے میں آئی۔ اور وہ۔ وہ ان دونوں سے کچھ کہہ ہی نہ
سکی۔ اسے برھان کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت
اور حقارت کا تاثر ابھی بھی نظر آ رہا تھا۔ وہ نگاہیں
وجود کو چھلنی کر رہی تھیں۔

۔ابھی تک اپنے ہی زعم میں تھے وہ۔ ابھی تک
کچھ بھی تو نہیں بگڑا تھا ان کا۔ کوئی حساب نہیں ہوا
تھا۔ کوئی احساس نہیں ہوا تھا انہیں۔ ابھی بھی وہ
مظلوم۔ ایک وہی ظالم تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں آپی؟" اقصیٰ کو پریشانی
ہوئی۔ ڈاکٹر کے آفس سے نکلتے وقت تو وہ بالکل
ٹھیک تھی۔ اچانک کیا ہوا۔ وہ دو لوگ کون تھے جنہیں
دیکھتے ہی اس کی حالت ایسی ہوگئی تھی۔

وہ نچلا لب بے دردی سے کاٹتی کھڑکی کی
جانب رخ کر گئی تھی۔

گھر پہنچ کر بھی وہ کھوئی کھوئی سی رہی۔ مسز
شیرازی اس کے رویے کا بدلاؤ محسوس کر گئیں۔ کھانا
بھی ٹھیک سے نہ کھا پائی۔ لان میں چائے کا دور چل
رہا تھا تو وہ ان کے پاس غافل سی بیٹھی رہی۔ کچھ
باتوں کا جواب دیتی۔ کچھ پر خالی الذہنی کے عالم میں
چونک پڑتی۔ وہ کچن میں گئی اس سے گلاس ٹوٹ گیا۔
چولہے پر دودھ چڑھا رکھا تھا ابل کر پھیل گیا۔ وہ
واش بیسن کا نل بند کرنا بھول گئی۔ وہ جو روز فارس کی
اسٹڈی میں جاتی۔ اس سے بات کرنے کی کوشش
کر رہی تھی۔ ایک دم سے خاموش ہوگئی۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو اس نے جنت کو
سٹنگ ایریا میں کارخ کیے بیٹھا ہوا دیکھا۔ چہرہ بے
تاثر سا تھا۔ نگاہیں کسی نقطے پر جمی ہوئیں۔ ساکت
اور ویرانی لیے ہوئے۔

جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ آہستہ سے قدم
اٹھاتا اس کے پاس آرکا۔ وہ جو قدموں کی آہٹ پر
چونک پڑتی تھی، متوجہ نہ ہوئی۔

اس نے کندھے پر ہاتھ رکھا تو ایک دم سے
بوکھلا کر گردن موڑی۔ فارس اسے دیکھ کر رہ گیا۔ اس
کی آنکھوں میں جانے کب سے ٹھہرے ہوئے آنسو
گالوں پر پھسل گئے تھے۔ اس نے فوراً سے آنسو
صاف کر لیے۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟"

"ایسے ہی۔ کچھ بے چینی ہو رہی تھی تو۔"
آواز بھیگی ہوئی تھی۔ انگلیاں مسل کر گھبراہٹ پر قابو
پانے کی کوشش کی۔ فارس نے کلائی موڑ کر وقت
دیکھا۔ عموماً وہ اس وقت تک سو جاتی تھی۔

"طبیعت ٹھیک ہے؟؟"

اس نے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

"تم آج چیک اپ کے لیے گئی تھیں۔" از
ایوری تھنگ آل رائٹ؟؟" اسے احساس ہی نہ ہوا۔
وہ جو اتنے دنوں سے خاموش تھا وہ اب خود سے بول
رہا تھا۔ آج وہ اسے اپنی رپورٹس بھیجنا بھول گئی تھی۔
اثبات میں سر کو جنبش دی۔ سب ٹھیک تھا۔ لیکن وہ
ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

کھوئی ہوئی بھٹکی ہوئی سی تھی۔

اس نے ہاتھ بڑھایا تو وہ تھام کر احتیاط سے
اٹھ گئی۔ لب بھینچ کر خود پر ضبط کرتی ہوئی۔ پلکیں جھپکا
جھپکا کر آنسوؤں کو روکتی ہوئی۔ دل چاہا۔ لب
کھولے۔ اور بتا دے وہ بہت تکلیف میں ہے۔

اسے برا لگ رہا ہے۔ اسے غصہ آ رہا ہے۔ اسے وحشت ہو رہی ہے۔ اسے رونا آ رہا ہے۔

وہ اس کے ساتھ کمرے میں آ گئی تھی۔ لحاف ہٹاتے، تکیہ درست کرتے وہ آرام سے لیٹ گئی۔

"کچھ چاہیے؟"

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنی طرف کا لیمپ آف کر دیا۔

وہی منظر۔ وہی نگاہیں۔ وہی تھپڑ۔ طلاق۔ اور آوازیں۔

اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

☆☆☆

زنیرہ آپا کے گھر میں وہ بیڈ پر بیٹھی لب کاٹ رہی تھی۔ برھان لان میں ٹہل رہا تھا۔ وہ اندر نہیں آیا تھا۔ اس نے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا تھا۔ اس کا موڈ بری طرح سے آف تھا اور وہ اس سے کوئی بھی بات کر نہیں پا رہی تھی۔

جنت کمال!! جس کے ساتھ ایک لڑکی اور گارڈ تھا۔ جو شان دار گاڑی میں بیٹھ کر ہاسپٹل سے روانہ ہوئی تھی۔ جس کے گھر میں ایک خوشخبری آنے والی تھی۔ جس لڑکی کو برباد کر کے اس نے گھر سے نکلوایا تھا وہ اسے مکمل طور پر آباد نظر آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ بے بسی سے لب کاٹتے وہ اندر سے جل رہی تھی۔ بھسم ہو رہی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی وہ اپنی آنکھوں سے ایسا کوئی منظر دیکھے گی۔ جسے ادھورا سمجھا تھا۔ اسے مکمل دیکھے گی۔

حسد کی آگ میں جلتے ہوئے اٹھ کر باہر زنیرہ آپا کے پاس جا بیٹھی۔ برھان گاڑی نکال کر کہیں چلا گیا تھا۔

"پتا نہیں برھان کو کیا ہوا ہے۔ مجھے اس کا موڈ ٹھیک نہیں لگ رہا!" زنیرہ آپا بیٹی کو سلا رہی تھیں۔ مدھم آواز میں بولیں۔

"جنت کو جو دیکھ لیا۔"

بچی کی پشت تھپکتے زنیرہ آپا کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ حیرت سے ماہین کو دیکھا۔ "جنت کو؟ کہاں دیکھ لیا تم لوگوں نے؟"

"ہاسپٹل آئی ہوئی تھی وہ آپا۔ اللہ کی پناہ وہ پہچانی ہی نہیں گئی۔ اتنی آزاد خیال اور ماڈرن۔ اتنے چست کپڑے پہنے ہوئے تھے اس نے۔" اس کی زبان اب زہر اگل رہی تھی۔ جو باتیں پہلے کرتی رہی تھی۔ اب پھر سے کر رہی تھی۔ وہ آگ جو اندر جل رہی تھی۔ وہ ایسے ہی کم ہو سکتی تھی۔

"استغفر اللہ! مجھے تو دیکھ کر شرم آئی۔"

زنیرہ آپا اپنی بیٹی کو چھوڑے اس کی طرف گھوم گئیں۔

"اور برھان۔ انہیں تو غصہ آ گیا!"

"تو اس لیے موڈ آف ہے اس کا!" آپا نے سمجھ کر سر ہلایا۔ "اللہ کا شکر ہے جان چھوٹ گئی اس بد کردار لڑکی سے۔ شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی چکر چلاتی رہی۔ اب آزاد ہو کر تو گل کھلانے ہی ہیں اس نے۔" آپا کے لہجے میں حقارت تھی۔

"سچ میں آپا رشتہ ختم ہو گیا اس کا؟" کھوجتے ہوئے سوال کیا۔ ایک خبر جو پہلے ملی تھی اس کی تصدیق ضروری بھی۔ "اور نہیں تو کیا۔ گھر سے بھاگ گئی تھی یہ۔ اس کا شوہر ڈھونڈ رہا تھا۔ اسی لیے وہ لاہور گیا تھا۔"

آپا کو بس اتنا ہی پتا تھا۔ جنت کے بارے میں مزید انہیں کوئی خبر نہ تھی۔ اڑتی اڑتی خبر بس یہ تھی کہ اس کی دوسری بار بھی طلاق ہو چکی۔

وہ لب بھینچے کمرے میں آ گئی۔ اپنی کزنز کو فون گھما ڈالا۔ وہ ایک بار پھر اس کے کردار پر آ گئی تھی۔ کیچڑ اچھال رہی تھی۔ جن باتوں کی سرے سے کوئی حقیقت ہی نہ تھی۔ انہیں حقیقت بنا کر پھیلا رہی تھی۔

جنت کمال۔ ایک آزاد خیال۔ ایک بد کردار لڑکی۔ اس کا لباس کتنا برا تھا۔ وہ مردوں میں گھوم رہی تھی۔ اس کا فیشن۔ اس کے مہنگے کپڑے۔ اس کی ادائیں جو وہ لوگوں کو دکھا رہی تھی۔ زبان سے جو کہہ سکتی تھی کہہ دیا۔ مگر نہ آگ کم ہوئی۔ نہ جلن ختم ہوئی۔ نہ ذہن سے بوجھ سرکا۔ نہ دل میں سکون اترا۔ جو خوشی

جنت کی طلاق پر ہوئی تھی۔ وہ خوشی محسوس کرنے سے قاصر رہی۔ بس نہیں چل رہا تھا وہ ایک بار پھر اسے سب کی نظروں سے گرا دے۔ ایک بار پھر وہ کہانی دہرا دے۔ اب کے دل چاہا وہ اپنے دوسرے شوہر کی نظروں سے گرے۔ اسے اب کی بار سچ میں طلاق ہو جائے۔ وہ بات جو افواہ ہے۔ وہ حقیقت بن جائے۔ اس کے متعفن خیالات کا اثر چہرے پر نظر آنے لگا۔ اس کی شکل عجیب ہیئت سی اختیار کرنے لگی۔

جنت خوش کیوں ہے؟؟ وہ مطمئن کیوں ہے؟؟ اس کے پاس تو اب برھان بھی نہیں ہے۔

دروازہ کھول کر برھان اندر آیا تو وہ بھی جیسے خیالات کی دنیا سے نکل آئی۔ سونے کی کوشش کی تو نیند نہ آئی۔ اٹھ کر بیٹھی تو معلوم ہوا برھان بھی جاگ رہا ہے۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟"

"کیا سوچ سکتا ہوں؟"

اس کے لب بھینچ گئے۔

"اس فضول لڑکی کی وجہ سے اپنا سکون کیوں برباد کر رہے ہیں؟"

"اس فضول لڑکی کے ساتھ میں نے پانچ سال گزارے ہیں ماہین۔ میرے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کر کے۔ مجھے اس طرح سے اذیت دے کر وہ کیسے خوش رہ سکتی ہے۔ کوئی احساس ہی نہیں اسے۔"

ماہین کی آنکھوں میں تعجب سا اتر آیا۔ کیا وہ اسے شرمندہ دیکھنے کا خواہش مند تھا؟؟ اسے اپنے آس پاس ایک دم سے دھماکے ہوتے ہوئے محسوس ہوئے۔ کیا وہ چاہ رہا تھا جنت کمال اس سے معافی مانگے اپنی غلطیوں کا ادراک کرے؟ وہ متوحش نگاہوں سے اپنے شوہر کو دیکھ رہی تھی۔

"شی از پریکٹ! یہ سب۔ کیسے۔" اس کا دماغ جیسے ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ اسے غصے کی آگ میں دیکھ سکتی تھی۔ مگر اس آگ میں کچھ اور بھی تھا۔ کوئی ایسا جذبہ اور احساس۔ کوئی ایسی کیفیت۔ جو واضح نہیں ہو رہی تھی۔ ماہین عبدالکریم کو اس لمحے اپنا آپ فنا ہوتا ہوا محسوس ہوا تھا

"برھان!! اس نے ہم سب کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔ اسپیشلی آپ کے ساتھ۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ کس چیز کی کمی ہونے دی آپ نے۔ اور اس نے۔ اس پھر بھی آپ کو چیٹ کیا۔ آئم سو سوری آپ کو ان سب سے گزرنا پڑا۔" لہجے کو نرم کرتی ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ مگر دل دھڑکے جا رہا تھا۔ سانسیں تیز چل رہی تھی۔ برھان واصف کا یہ رویہ اسے غصے میں ڈال رہا تھا۔ جس لڑکی کا وہ نام تک نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کا ذکر کیسے کر رہا تھا۔ طلاق کے بعد جنت کمال کی صرف ایک جھلک۔ کہاں لے گئی تھی اسے؟؟

"آپ نے کتنا خیال رکھا اس کا۔ اور اس نے آپ کے بچے کو ہرٹ کرنے کی کوشش کی۔ مجھے تکلیف پہنچائی۔" آنکھوں میں آنسو بھر لائی۔ اپنا سر اس کے کندھے سے ٹکا دیا۔

"اسی بات کا تو دکھ ہے مجھے!" لب بھینچ کر بولا۔ "اس نے ہمارے رشتے کا بھی لحاظ نہیں کیا! جتنی محبت میں نے اسے دی۔ اس کے باوجود۔ اس نے مجھے دھوکا دیا۔!"

جنت کمال اور اس کی خوش گوار سی زندگی۔ وہ مسکراہٹ جو ہونٹوں پر تھی اور اس پر نظر پڑتے ہی اڑ چھو ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں جن کا نرم تاثر اسے دیکھ کر سخت ہوا تھا۔ وہ جنت کمال جو اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ اس کے بنا۔ کتنی خوش، کتنی مکمل نظر آ رہی تھی۔ جانے وہ کیسا احساس تھا جو ایک دم سے حاوی ہوا تھا۔ سلگتا ہوا۔ انگاروں جیسا۔ رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا۔ آنکھوں میں لہو بھرتا ہوا۔

ماہین تو پھر بھی سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔ مگر وہ آنکھوں میں شعلے لیے رات گئے تک جاگتا رہا تھا۔

☆☆☆

ناشتے کے بعد وہ کمرے میں تھی۔ ریان پاس

ہی بیٹھا ہوا تھا۔ فارس آئینے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ جو میگزین ہاتھ میں تھا۔ اس کا صفحہ گول گول گھمانے لگی۔ کلائی پر گھڑی پہنتے ہوئے فارس نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کا چہرہ مکمل طور پر اترا ہوا تھا۔ وہ پتا نہیں کن سوچوں میں گم تھی۔

۔ وہ سر جھٹک کر باہر چلا گیا۔ ملازم اس کا بریف کیس گاڑی میں رکھ رہا تھا۔

اقصیٰ مین گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ رک گئی۔ مودب سی۔ کہیں ڈانٹ نہ پڑ جائے۔ (بغیر کسی وجہ کے)۔ اس کی وین آ چکی تھی۔ ڈرائیور ہارن دیئے جا رہا تھا۔ ''میں جاؤں صاحب۔ وین آ گئی!''

اس نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ ہلایا تو ڈرائیور اس کا اشارہ سمجھتے وین کو لے گیا۔

''اب کیا میں کالج پیدل جاؤں گی؟'' وہ بوکھلائی۔ اس کی سہیلیوں نے وین سے گردن نکال نکال کر اسے دیکھا کہ وہاں کس کے ساتھ کھڑی ہے اور کیا کر رہی ہے۔

''ڈرائیور سے کہہ دیتا ہوں وہ ڈراپ کر دے گا تمہیں!'' اقصیٰ کی جان میں جان آئی۔

'' کل تم اپنی آپی کے ساتھ ہاسپٹل گئی تھیں؟''

''جی صاحب!!''

''وہاں کچھ ہوا تھا کیا؟؟''

''نہیں تو۔ بس سیڑھیوں پر ایک بڑے بابا جی بے ہوش ہو گئے تھے۔ تو جو بڑی اماں ان کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے شور مچا دیا۔''

''میں اس کی بات نہیں کر رہا۔'' ضبط کر کے اسے روکا۔ ''تمہاری آپی سے کوئی ملا تھا کیا؟'' اس نے اپنا سوال مزید واضح کیا۔

اقصیٰ نے رک کر آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اپنا ذہن یہاں وہاں دوڑایا۔

''اوہ ہاں!! یاد آیا۔ ایک میاں بیوی تھے۔'' ایک میاں بیوی! فارس نے برداشت کی انتہا پر سینے پر بازو باندھے۔

''مطلب ہزبنڈ وائف تھے شاید۔ وہ جنت آپی کو دیکھ رہے تھے اور جنت آپی انہیں دیکھ رہی تھیں۔ پتا نہیں کیا بات تھی وہ تو بس پتھر ہی ہو گئیں۔ پھر سارا وقت گاڑی میں بھی بالکل چپ رہی ہیں۔ حالانکہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا اقصیٰ! واپسی پر آئس کریم بھی کھائیں گے۔'' ایک ہی سانس میں سب بتا دیا۔

فارس نے اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔ ساتھ ہی ڈرائیور کو حکم دیا کہ وہ اسے اس کے کالج ڈراپ کر دے۔ اتنی بڑی گاڑی میں کالج جانے کے تصور سے خوش ہوتی وہ اٹھلاتی گاڑی میں بیٹھ گئی۔ دوستوں کے علاوہ جو بھی لڑکی اسے اس گاڑی سے نکلتا دیکھے گی۔ جل کر سواہی ہو جائیں گی۔

آفس پہنچ کر فارس نے ڈاکٹر شازیہ کا نمبر ملایا۔ وہ مسز شیرازی کی دوست تھیں۔ سلام دعا کے بعد وہ بے حد سنجیدگی سے اصل مدعے پر آ گیا۔

''آپ سے ایک ہیلپ چاہیے تھی۔''

''جی بیٹا کیا ہیلپ چاہیے؟''

وہ جنت کے بعد چیک اپ کی لیے آنے والی خواتین کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ان کے نام جاننا چاہ رہا تھا۔ انہوں نے اپنی اسسٹنٹ سے لسٹ منگوائی۔ چند ایک ناموں کے بعد ہی ماہین عبدالکریم کا نام آ گیا۔ مسز برھان واصف۔

وہ موبائل فون کان سے لگائے اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا۔ ''آپ کا بہت شکریہ'' اس نے کال کاٹ دی۔ آنکھوں میں عجیب سا تاثر اتر آیا۔

کیا اس کی یہ حالت اس لیے ہے کہ اس نے اپنے سابقہ شوہر کو دیکھ لیا ہے؟؟ اپنی آفس چیئر پر بیٹھے فارس وجدان کی مٹھیاں سختی سے بھنچ گئی تھیں۔

☆☆☆

وہ الجھے ہوئے دماغ کے ساتھ کچھ دیر تک مسز شیرازی کے پاس بیٹھی رہی تھی۔ پھر لان میں ٹہلنے لگی تھی۔ اس کے بعد اس نے لائبریری کا رخ کیا

تھا۔ کتابوں کی سیٹنگ بدل ڈالی تھی۔ شاور لے کر کچھ دیر تک آرام کیا اور پھر جب اٹھی تو دماغ ہلکا تھا۔ وہ ہر طرح کے منفی خیالات کو بار بار جھٹکتی اپنی توجہ واپس اپنی حالیہ زندگی کی طرف لا رہی تھی۔ اسے فارس کی ناراضی کا خیال آیا۔ آہستہ سے مسکرائی۔ نئے سرے سے کچھ سوچا۔ یاد آیا گفٹ لینا تھا۔ کارڈ۔ پھر معافی۔ شاید یہ دوری اس لیے بھی تھی کہ اس نے ابھی تک اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ نہ جذبات کا اظہار کیا تھا۔ نہ احساسات۔ اس نے سوچا۔ اور سوچ کر تہیہ کر لیا۔ مسز شیرازی سے اجازت لے کر مال چلی گئی۔

آج آرام اور تسلی سے بات کرے گی۔ اس نے تا حال گلہ شکوہ نہیں کیا۔ تو وہ اسے موقع دے گی۔ اس کی سنے گی۔ اور اپنی سنائے گی بھی۔ وہ زیان کے لیے شاپنگ کر رہی تھی۔ کپڑے، کھلونے اٹھا کر دیکھتے ہوئے مسکرائی۔ چند ایک تصویریں مسز شیرازی کو بھیج کر ان سے رائے لی۔

اور تب ہی فارس کی کال آ گئی تھی۔

''اف!'' گڑبڑا کر فورا سے کال ریسیو کی۔

''ہیلو؟؟''

''کہاں ہو تم؟''

''میں؟۔ وہ میں شاپنگ کے لیے آئی ہوں!''

''کس فلور پر ہو؟'' گویا جانتا تھا ڈرائیور اسے کہاں چھوڑ کر گیا تھا۔

اس نے کان سے ہٹا کر موبائل اسکرین کو اچنبھے سے دیکھا۔ کیا وہ یہاں آ گیا ہے؟ فورا سے اپنی لوکیشن بتائی۔ پھر ایسے ہی ٹہلتے ہوئے کپڑے دیکھنے لگی۔ دل شدت سے دھڑکے جا رہا تھا۔ ڈانٹ الگ سے پڑے گی کہ وہ بتائے بغیر کیوں آ گئی۔

''بہت خوش نظر آ رہی ہو تم؟؟۔ آنا بھی چاہیے۔ کہ احساس شرمندگی نام کی کوئی چیز تم میں ہے بھی تو نہیں۔''

اس کے ہاتھ میں ایک پندرہ ماہ کے بچے کا ڈریس تھا۔ چھوٹ گیا۔ وہ برہان واصف کو اتنے قریب سے دیکھنے پر، اس کی آواز سننے، اس کی آنکھوں میں اترنے پر بے طرح سے بوکھلائی تھی۔ دبے قدم پیچھے ہوتے اس نے کپکپاتے ہاتھوں کو بھینچ لیا تھا۔ وہ آنکھوں میں غصے کی سرخی لیے لب بھینچ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ جیسے ضبط کے کسی کڑے امتحان سے گزر رہا ہو۔

''میں نے تمہیں کس چیز کی کمی ہونے دی اور تم نے۔ تم نے کیا کیا؟؟''

آنکھوں میں وحشت لیے، بھاری سانسوں کے ساتھ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی تھی۔ مخاطب ہونے کی۔ راستہ روکنے اور بات کرنے کی بھی۔ مڑ کر جانے لگی تو اس نے راستہ روک لیا۔ ''بات کر رہا ہوں میں تم سے۔''

''برہان!'' شاپنگ بیگ ہاتھ میں لیے ماہین فورا سے آ گئی تھی۔ جلن کی آگ میں۔

''آپ بھی کس لڑکی کے منہ لگ رہے ہیں۔ جس کو اپنی ماں کی عزت کا لحاظ نہیں تھا۔ اس سے آپ بات ہی کیوں کر رہے ہیں۔''

جنت کی تر آنکھوں میں ماہین کا عکس ابھرا۔ وہ اپنی جگہ منجمد ہوئی کھڑی تھی۔ اس کا اندر سر اٹھاتا غصے کا، نفرت کا غم کا طوفان محض آنکھوں اور چہرے پر امڈتا آ رہا تھا۔ مگر وہ ساکت تھی۔ وہ خاموش تھی۔ وہ زور سے چیخنا چاہتی تھی۔ مگر چیخا نہیں جا رہا تھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر بولا نہیں جا رہا تھا۔

برہان اور ماہین۔

''برہان یہاں سے چلیں!!''

''تمہاری محبت کے سارے دعوے جھوٹے تھے۔ تم معافی مانگ سکتی تھیں مجھ سے۔ تم کہہ سکتی تھیں غلطی ہو گئی۔ لیکن تم نے کیا کیا؟؟ اس لائف اسٹائل کے لیے۔ وہ سارے تماشے کیے تھے تم نے۔ اپنی ماں کا بھی خیال نہیں کیا۔ اپنے نانا کی تربیت۔''

برہان واصف۔ وہ کر کیا رہا تھا۔ کہہ کیا رہا تھا۔

بات ماں کی تھی۔ ذکر نانا کا تھا۔ ان کی تربیت

کا تھا۔ اس کے کردار کا۔ گناہوں کا۔ غلطیوں کا تھا۔
اس نے گھر، شہر خاندان۔ سب چھوڑ دیا۔ مگر وہ لوگ اپنی زبانوں سے اس کا ذکر نہ چھوڑ سکے۔ وہ شخص۔ جس کی صورت وہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ جس کی آواز وہ کبھی نہیں سننا چاہتی تھی۔ جس کا تصور ہمیشہ اس پر پہاڑ بن کر ٹوٹتا تھا۔ جس کی محبت کا خیال وحشت ناک اندھیروں میں ڈبوتا تھا۔ وہی شخص۔ اس کے سامنے کھڑا بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ اور وہ کھڑی تھی۔ وہ اسے کہنے دے رہی تھی۔ بیوی بن کر بھی اس نے سب خاموشی سے سنا تھا۔ بیوی نہ ہو کر وہ ایک بار پھر وہی کر رہی تھی۔ اس کا طریقہ پھر سے ایک سا ہو رہا تھا۔ وہی خوف۔ وہی دہشت۔ وہی سر جھکا کر۔ سب تسلیم کر لینے کی عادت۔ وہی عادت پھر سے سر اٹھا رہی تھی۔ وہ ایک بار پھر قدموں میں جا رہی تھی۔

فارس وجدان کی نگاہ سے دور اس پر پڑی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑے اس شخص پر بھی۔ جسے وہ دیکھ رہی تھی۔ موبائل جیب میں رکھتے وہ عجلت میں قدم اٹھاتا آگے بڑھا تھا۔

"تم سے محبت۔ اور شادی۔ میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی!"

ماں۔ اور نانا۔ اور تربیت۔ بات کردار کی تھی۔ اس الزام کی بھی جو اس پر لگایا گیا تھا۔ پورا کھیل ماہین عبدالکریم کا سجایا ہوا تھا۔ پوری پلاننگ اس کی تھی۔ اس کے آس پاس لوگوں کی آمد رفت، ملبوسات کی قیمتیں دیکھتی خواتین۔ کاؤنٹر پر کیشیئر۔ مشین کی ٹائپنگ۔ ٹائلز پر گھسٹتی ٹرالیز کا شور سب مدھم اور ماند پڑنے لگا۔ ہر ایک شئے تاریکی کا حصہ ہو گئی۔ ماہین کا وجود بھی عدم ہو گیا۔ روشنی اگر کہیں تھی۔ تو وہ برحان واصف کے وجود پر پڑ رہی تھی۔ ساڑھے پانچ سالوں کا اعتماد۔ محض چند مہینوں میں خاک ہوا تھا۔ ساڑھے پانچ سالوں تک جو کردار زینت بنا رہا تھا۔ وہی کردار۔ برحان واصف کی آنکھوں میں دھول مٹی ہوا تھا۔ کوئی شے سالوں سے مضبوط رہنے کے بعد ایک ہلکی سی ضرب سے ٹوٹی تھی۔ اور وہ آج بھی وہیں تھا۔ اسی مقام پر۔ اسی گمان میں۔ اسی خوش فہمی اور خیال میں۔ کہ مجرم وہی تھی۔ ہر سزا۔ ہر عذاب۔ ہر مصیبت کی حق دار بھی وہی۔

وہ اس کے گھر میں تھی۔ وہ اس پر چیخ رہا تھا۔ وہ چلا رہا تھا۔ وہ خطوں کو اس کے منہ پر مار رہا تھا۔ وہ پھولوں کے بکے اور کارڈ کو پھاڑ کر اس سے استفسار کر رہا تھا۔

وہ جمود سا ایک جو طاری ہوا تھا۔ اس جمود پر ایک دراڑ سی پڑی۔ اس نے بہت عرصے تک سب خاموشی سے سہا تھا۔ اب نہیں سہہ سکی تھی۔ اس نے ایک دم سے قوت پکڑی۔ اور پورے زور سے برحان واصف کے گال پر تھپڑ جڑ دیا۔ ماہین نے ایک دم سے منہ پر ہاتھ رکھا۔

بھرے خاندان میں رسوا کر کے طلاق دی تھی جس نے۔ اس نے گردن موڑ کر صدمے سے گنگ اس کی طرف دیکھا۔

عجلت میں قدم اٹھا کر اس کی طرف بڑھتے فارس وجدان کے قدموں کی حرکت تھم گئی۔ مدھم سے شور میں تھپڑ کی آواز تو کہیں دب گئی تھی مگر پاس میں کھڑے چند ایک لوگ ان کی طرف متوجہ ضرور ہوئے تھے۔

جنت نے اپنا کپکپاتا ہاتھ نیچے کر لیا۔ اس کی سانسیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اس کی رگوں میں انگارے دوڑ رہے تھے۔ اس کے آنسو جانے کیسے پلکوں کی باڑ پر اٹکے ہوئے غم پر ٹھہرے رہ گئے تھے۔ وہ جتنی مضبوطی دکھا سکتی تھی۔ اس نے دکھا دی۔

اس کا پورا وجود طوفانوں کی زد میں لگ رہا تھا مگر وہ کھڑی تھی۔ وہ ڈٹ کر اور سر اٹھائے اس انسان کے سامنے کھڑی تھی جو اس کی زندگی کی تباہی کا سبب بنا تھا۔ پہلا مرد۔ زندگی میں آنے والا۔ پہلا رشتہ۔ پہلی محبت۔ پہلا گھر۔ پہلا شوہر۔ وہ اسے دیکھ

رہا تھا۔ماہین اس کی جرات پر ساکت تھی۔
"تمہاری یہ ہمت۔" ماہین مشتعل ہوئی۔
جنت کمال نے کچھ نہ کہا۔کوئی گلہ شکوہ۔کچھ بھی نہیں۔ہمت پکڑ کر رخ بدلا اور پھر فارس پر نظر پڑتے ہی رک گئی۔
وہ آنسو جو برحان اور ماہین کے سامنے آنکھوں میں ٹھہرے رہے تھے۔ وہ اب اس کی گالوں پر پھسل گئے تھے۔وہ سسکیاں جو سینے میں دبی ہوئی تھیں۔آہستہ آہستہ ابھر رہی تھیں۔وہ اس کی جنگ تھی۔اسے لڑنے دے دی گئی۔
اس نے فارس کی طرف ایک قدم اٹھایا۔پھر دوسرا۔اور رک گئی۔اس کی سسکیاں اب ہچکیوں میں بدل چکی تھیں۔سر جھک گیا تھا۔مزید آگے بڑھنے کی اب ہمت نہیں رہی تھی۔
بقیہ فاصلہ فارس وجدان کا تھا۔اس نے طے کر لیا۔اس کا ہاتھ گرفت میں لیتے ہوئے برحان واصف کی طرف قدم اٹھائے۔
"آئندہ میری بیوی کا راستہ روکنے اور اس سے بات کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا!" اس نے انتہائی درشت لہجے میں اس کے قریب رک کر وارن کیا تھا۔اس کی آنکھوں میں آگ جل رہی تھی۔ برحان واصف کا وجود جنت کمال کے آس پاس اسے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں ہوا تھا۔
یہی وقت ہے۔ماہین کو لگا۔یہی لمحہ ہے۔وہ اپنا کام دکھا سکتی ہے۔وہ جنت کمال سے اپنے شوہر کی اس بے عزتی کا بدلہ لے سکتی ہے۔وہ ایک بار پھر اس کی شادی شدہ زندگی کو آگ لگا سکتی ہے۔
"بہت شوق ہے آپ کی بیوی کو شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی شادی شدہ مردوں پر ڈورے ڈالنے کا۔ ہمارے خاندان کی ہے۔تو جانتے ہیں کس کردار کی ہے۔آپ پتا نہیں اس کے چکروں میں کیسے آگئے۔" اس نے زہر خند لہجے میں انتہائی حقارت سے جنت کا ذکر کیا۔
وجاہت کا پیکر۔وہ شان دار سا مرد جنت کمال کے پہلو میں کھڑا اسے حسد کی آگ میں جلا رہا تھا۔
"آر یو ٹاکنگ اباؤٹ مائی وائف؟؟" (کیا آپ میری بیوی کے بارے میں بات کر رہی ہیں؟)
وہ اس کی طرف مڑا۔ماہین کو لگا تھا وہ اس شخص کو ایک دم سے غصے اور اشتعال میں آتا ہوا دیکھے گی۔اس کی آنکھوں میں شک ہوگا۔بدگمانی کے تاثرات ابھریں گے۔مگر وہ مرد اس کی آنکھوں میں دیکھتا تحمل سے پوچھ رہا تھا۔
"کیا آپ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جن سے یہ شادی سے پہلے رابطے میں تھی۔؟" سنبھل کر دوسرا نقطہ جوڑا۔ "اس کے تو کافی افیئرز تھے۔برحان نے اس لیے نہیں اسے طلاق دے دی تھی۔ اور اس نے تو ہمارا بچہ تک ضائع کرنے کی کوشش کی۔شاید آپ کو یہ سب کسی نے بتایا ہی نہیں۔"
جنت کا پورا وجود لرز رہا تھا۔فارس کے پیچھے کھڑے اس نے آنکھیں میچ کر خود پر ضبط کا پہرہ بٹھایا تھا۔ماہین کو جواب دینے کے بجائے اس نے برحان کو دیکھا۔
"کیا آپ کی بیوی کو ہمیشہ سے جنت پر کیچڑ اچھالنے کا شوق تھا یا آپ سے شادی کے بعد ہوا ہے؟"
وہ سوال۔ماہین پر کسی تلوار کے وار سے کم نہیں تھا۔برحان واصف کی نگاہیں اس پر جمی رہ گئیں۔
"کیونکہ میں نے اپنی بیوی کے کردار میں آج تک کوئی جھول نہیں دیکھا!"
ماہین پھٹی پھٹی نگاہوں سے فارس کو دیکھ رہی تھی۔اسے نہیں پتا تھا اس طرح اس کے شوہر کے سامنے منہ کھولنا اسے اتنا بھاری پڑ جائے گا۔
ایک سخت اور سرد پڑتی نگاہ برحان واصف پر ڈالتے ہوئے وہ جنت کو بازو کے حصار میں لیتا جانے کے لیے مڑ گیا تھا۔
برحان واصف کی نگاہیں فارس وجدان کی

پشت پر جی رہ گئی تھیں۔
وہ شخص اس لڑکی کو اپنائے ہوئے تھا جو اس کے لیے بدکردار ہو چکی تھی۔
جسے اس نے چھوڑ دیا۔ اسے کسی اور نے اپنا لیا تھا۔ جسے اس کے گھر میں کچھ نہ ملا۔ اسے کسی اور کے گھر میں آباد کر دیا گیا تھا۔
وہ لڑکی۔
وہ جنت کمال۔
اس کی سابقہ بیوی۔ کسی پچھتاوے کی زد میں نہ کل تھی نہ آج نظر آ رہی تھی۔ وہ جو اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے مکمل اور زندہ نظر آ رہی تھی۔
''برحان!'' ماہین عبدالکریم کی آنکھوں میں قہر کی نمی تھی۔ غصہ تھا۔ برحان واصف سناٹوں میں گھرا کافی دیر تک کھڑا رہا تھا۔
☆☆☆
مال کے ریستوران کے پرائیوٹ کیبن میں۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ چہرہ سرخ، نم آنکھیں لال ہو رہی تھیں۔ دھیمی دھیمی سسکیاں۔ انگلیاں مسلتی وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کا وجود ابھی بھی کپکپا رہا تھا
''تم مال آ ہی رہی تھیں تو مجھ سے رابطہ کر لیتیں!''
اس نے سر اٹھا کر فارس کو دیکھا۔ وہ خالی گلاس میں پانی انڈیل رہا تھا۔
وہ بتا نہیں سکتی تھی اس کے لیے تحفہ لینے آئی تھی۔ آج کے لیے کتنے پلانز تھے اس کے۔
آنسو پھر سے بہہ نکلے۔ لب بھینچ کر رونے پر قابو پانے کی کوشش کی مگر بے سود۔
''لو پانی پیو!'' گلاس تھما دیا۔ اس نے چند گھونٹ لے کر گلاس ہاتھوں میں دبائے رکھا۔ جیسے کسی مضبوطی کی ضرورت ہو۔ گہری سانس لیتے اس نے خود کو کس حد تک سنبھال لیا۔ سر اٹھا کر۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا
نہ وہاں غصہ تھا۔ نہ خفگی۔ نہ شک کی کوئی لہر اور نہ ہی کوئی استہزاء۔
''تمہیں اکیلے مال آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔''
''تم ناراض تھے۔ تم سے کیسے کہتی؟'' اس نے رومال دیا تو آنسو صاف کر لیے۔
وہ چند لمحوں تک لاجواب ہو کر بیٹھا رہا۔
''کہہ سکتی تھیں۔ میں کوئی ایسا ناراض بھی نہیں کہ ساتھ نہ آتا!''
وہ ذرا سا چپ ہوئی۔ آنکھوں میں آنسو ٹھہرے رہے
''تمہارے لیے گفٹ لینا تھا۔ تمہیں کیسے لاتی؟'' اصل مسئلہ تو یہ تھا۔
''گفٹ؟'' حیرت سے ابرو اچکا کر سیدھا ہو بیٹھا۔ ''اس کی کیا ضرورت پڑ گئی۔''
وہ ٹھیک ٹھاک باتوں میں الجھا کر اس کا ذہن بھٹکا چکا تھا۔
وہ پہلے انگلیاں مسلتی رہی۔ ''میں نے سوچا تھا تمہیں گفٹ دوں گی۔ اور بات کروں گی اور۔''
''اور''
''معافی مانگوں گی۔'' نظریں جھکائے رہی۔
وہ گہری سانس لیتا اسے دیکھے گیا۔
''میں ناراض نہیں ہوں۔''
''تو جو راضی ہوتے ہیں کیا وہ ایسے کرتے ہیں جیسے تم کر رہے ہو۔''
وہ کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھا رہا۔
''اچھا ٹھیک ہے چلو۔''
''کہاں؟'' سر اٹھا کر پوچھا۔
''جو تم نے کام کرنے ہیں۔ وہ جلدی سے کرو۔ پھر گھر چلتے ہیں۔''
وہ آنکھوں میں حیرت لیے اسے دیکھ کر رہ گئی۔
وہ کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تو ہینڈ بیگ اٹھاتی اس کے پیچھے باہر آ گئی۔
''کیا خریدنا ہے تمہیں؟'' لفٹ کا رخ کرتے ہوئے پوچھا تاکہ اسی حساب سے وہ اس کی مدد کر

Scanned with CamScanner

سکے۔

"گھڑی لینی تھی!" لب کاٹ کر بتا دیا۔ اسے پتا تھا کس فلور پر اسے کس طرح کی برانڈ مل جائیں گی۔ وہیں لے گیا۔

سیلز مین انہیں نفیس قیمتی اور بے انتہاء مہنگی گھڑیاں دکھانے لگا۔

وہ ذرا سا کنفیوز ہوئی کھڑی تھی۔

"تم اپنی پسند کا گفٹ لوگی۔ یا گفٹ میری پسند کا ہوگا؟" کتنے دنوں بعد وہ پہلے کی طرح بات کر رہا تھا۔

میز پر کہنی ٹکا کر پوچھا تو وہ پزل ہو کر کھڑی رہی۔ چہرہ ہنوز سرخ سا۔ پلکیں بھیگی ہوئیں۔

"۔تم۔تم خود پسند کرلو۔"

"اوکے!" کہہ کر اس نے سب سے مہنگی ترین گھڑی پر ہاتھ رکھ دیا۔ نکال کر کلائی پر پہن کر بھی دیکھا۔ جنت نے قیمت پوچھی تو ہوش اڑ گئے۔ اتنے پیسے اس کے پاس اس وقت نہیں تھے۔

"ایسا کرتی ہوں میں گفٹ دے رہی ہوں۔ تو مجھے ہی پسند کرنا چاہیے۔" گڑبڑا کر اس کی کلائی سے گھڑی اتروا کر سیلز مین کو واپس کردی۔ جیسے وہ کوئی دھماکہ خیز چیز ہو۔

"اتنے پیسوں سے تو قصبے کے گاؤں میں دو تین گھر بن جائیں۔" سوچ کر پھر دوسری طرف گئی۔ وہ اب جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔

اس نے ایک گھڑی پسند کی۔ اس کی قیمت پوچھی۔ مناسب تھی۔ مگر اس وقت اس کے پاس بیگ میں جتنی رقم تھی اس پر بھاری۔ نچلا لب کاٹ کر رہ گئی۔ اب اسے کیا پتا تھا یہاں اتنی مہنگی گھڑیاں ہوں گی۔ ابھی تو اسے اور بھی شاپنگ کرنی تھی۔

"گفٹ تم لے لو۔ پے منٹ میں کر دوں گا۔" اس نے جس طرح سے کہا جنت کا چہرہ خفت سے سرخ ہوگیا۔ وہ اس کی مسکراہٹ ابھرتی اور چھپتی دیکھ سکتی تھی۔ وہ اس کے تاثرات سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"لو!" کریڈٹ کارڈ نکال کر دے دیا۔ "رولکس یا راڈو کی لوگی تو۔ اچھا رہے گا!" مشورہ دے کر خود شاپ سے باہر بنچ پر جا بیٹھا۔

اس نے گہری سانس لے کر رولکس کی چند گھڑیاں چیک کیں۔ قیمت دیکھی۔ اب رنگ دیکھ رہی تھی۔ ایک گولڈ کلر میں تھی۔ دوسری سلور۔

"سلور بہتر رہے گی!" اس کے کندھے پر جھک کر بولا، اس کی آواز سنتی بوکھلا کر سیدھی ہوئی۔ پتا نہیں کب اندر آیا۔ ابھی تو باہر بیٹھا تھا۔

"اوہ۔ اچھا۔ ٹھیک ہے۔ سلور ہی ٹھیک ہے!" مشکل حل ہوگئی۔ گھڑی پیک ہوگئی۔ خرید کر باہر آ گئے۔

"دوسرا کیا کام ہے؟"

"دوسرا کچھ زیادہ خاص کام نہیں تھا!" بیگ کی اسٹرپس پر گرفت بڑھائی۔

"کام تو تھا!" اس نے کریدا!

"ہاں وہ۔ اصل میں مجھے۔ کارڈ لکھوانا تھا!" جھجک کر بتا دیا۔ سارے پلانز شیئر کرنے پڑ رہے تھے۔ سرپرائز کا بیڑہ غرق۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے اس نے رک کر جنت کو دیکھا۔ اچنبھے سے۔

"کیسا کارڈ۔؟؟"

"وہ لکھواتے ہیں کوئی اچھی سی بات۔ دعا یا کوئی میسج۔۔" پسنجر سیٹ پر بیٹھ کر وضاحت دی۔

"آل رائٹ۔ سمجھ گیا۔" اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

جہاں کارڈ لکھوانا تھا۔ وہاں پہلے سیاہ رنگ کا کارڈ پسند کیا۔ اس پر نقرئی روشنائی سے اب کوئی عبارت لکھوانی تھی۔

وہ پیچھے دیوار سے پشت لگائے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔ اور وہ آگے میز پر کچھ دیکھتی سوچ رہی تھی۔ لکھوانا کیا ہے۔ پہلے تو ارادہ کیا تھا آئمہ سے پوچھے گی۔ آئمہ تو ساتھ ہی نہیں تھی۔ جو ساتھ تھا اس سے اپنی بے عزتی کروانے کا موڈ نہیں تھا۔

"کچھ نہیں لکھا؟" قریب آ کر خالی صفحے پر نظر دوڑاتے پوچھا۔

"ابھی سوچ رہی ہوں!"

"اتنا سوچ رہی ہو؟"

"تمہارا کیا بھروسا برا ہی مان جاؤ!" جتا دیا۔

"پیغام لکھنا ہے یا کوئی دھمکی دینی ہے؟"

وہ دھیرے سے ہنس دی۔ "اچھا ٹھیک ہے مجھے سوچنے دو اب۔"

"بس سمپل سا لکھ دو۔ ڈبے میں ڈبہ۔ ڈبے میں کیک......" اس نے ایک دم سے فارس کو دیکھا اور ہنس پڑی۔ ہنسی کی جلترنگ میں آس پاس زندگی کے آثار بکھر گئے۔ جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد آ گئی ہو۔ "اللہ! تم نے بھی یہ شعر سنے ہوئے ہیں؟؟" وہ اس کی طرف گھوم گئی۔

"ہاں کسی نے لکھ کر دیے تھے مجھے۔ غالباً فرینڈ شپ ڈے تھا!" جیبوں میں ہاتھ ڈالے بولا۔

"میں تمہیں بتا نہیں سکتی یہ شعر میرا کتنا فیورٹ تھا۔ میں اتنا عرصہ اپنی فرینڈز کو بھی لکھتی رہی۔ ایک اور بھی تھا۔" اب وہ یاد کر کر کے اسے سنانے لگی۔ وہ مبہم سا بس مسکراتا رہا۔

"اب سچ میں یہیں لکھوا دوں؟" رک کر شرارت سے پوچھا۔

"اپنے بچوں کو فخر سے دکھا سکو تو لکھ دو!"

وہ ہنستی چلی گئی۔ پھر نچلا لب دبائے کاغذ پر جھکی۔ اس نے لکھ کر دے دیا۔ کارڈ پرنٹ ہو گیا۔ گفٹ کے ساتھ پیک کر کے رکھ رہی تھی وہ بولا۔

"اب اور کیا باقی ہے؟"

"کچھ بھی نہیں؟ کسی ریستوران میں کھانا کھا لیں؟؟ کیا خیال ہے؟" اس کا لہجہ خوش گوار تھا۔ وہ اب پریشان نہیں لگ رہی تھی۔

"فائن!!" اس نے گاڑی مرکزی شاہراہ پر ڈال دی تھی۔ پندرہ منٹ کی ڈرائیو کے بعد وہ ایک ریستوران میں موجود تھے۔ کھانا کھانے کے بعد جنت نے گہری سانس لی۔

جو گفٹ اس کے پیسوں سے خریدا۔ وہ اسے پیش کر رہی تھی۔ جو کارڈ اس کے ساتھ لکھوا کر آئی۔ وہ اب اوپر رکھ رہی تھی۔ وہ بند مٹھی تھوڑی اسے دیکھ رہا تھا۔ ہونٹ سنجیدگی سے بھینچے ہوئے۔ کمال مہارت سے مسکراہٹ روکی گئی تھی۔ جنت کو ایسی سچویشن میں پھنس کر اپنا آپ بہت ہی بے وقوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

"کیا مجھے گفٹ کھولتے وقت کچھ ایکٹنگ بھی کرنا ہو گی۔ جیسے میں کسی شاک میں ہوں۔ یقین نہیں آ رہا کہ تم مجھے گفٹ دے سکتی ہو۔ یا ایسا کچھ؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

اللہ!! اس کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ ٹھیک ٹھاک بے عزتی تھی۔ خفت سے چہرہ سرخ پڑ گیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ بالکل بھی ضرورت نہیں۔" ضبط کر کے اس نے گھڑی کا باکس اور کارڈ اٹھا کر اپنے بیگ میں واپس ٹھونس دیے۔ کبھی نہ دینے کا عزم کر کے۔ حد ہے۔

"میں تو صرف تمہاری ہیلپ کرنا چاہ رہا ہوں!"

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" زور دے کر ناراضی سے بولی۔ "خود سے ساری باتیں اگلوا لیں تم نے۔ ورنہ میں نے تو تمہیں سرپرائز ہی دینا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آئم سوری۔ تم جو کرنا چاہ رہی ہو۔ وہ کرو۔ میں چپ ہوں!"

"میں اب کچھ نہیں کروں گی۔!" غصے سے جواب دے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کپل عموماً ایک دوسرے کی پسند سے گفٹ لیتے ہیں اور اکٹھے بھی لیتے ہیں۔ یہ کوئی ایسی بڑی بات تو نہیں ہے!!" اس نے معاملے کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''ہاں مگر وہ یہ تو نہیں پوچھتے کہ گفٹ لیتے وقت مجھے کیسا ری ایکشن دینا ہوگا۔ حیران ہونا ہوگا یا پریشان ہونا ہوگا یا شاک میں جانا ہوگا!!''

جس انداز میں اس نے کہا۔ اور جس طرح آخری جملے میں اس نے نقل اتاری۔ وہ ہنس دیا۔

''ہاں ہاں اب ہنسو۔ مجھ پر ہنسو۔'' وہ اچھا خاصا چڑ کر باہر نکل گئی۔

وہ بل ادا کر کے باہر آیا تو جنت گاڑی کے پاس ناراض سی کھڑی تھی۔

''میں تو اس لیے پوچھ رہا تھا۔ جیسا ری ایکشن تم چاہو گی میں ویسا ہی دے دوں گا!'' اس کے پاس آ کر کہا۔

''تو تمہارے اپنے احساسات کا کیا؟؟'' اس نے مڑ کر پوچھا تو وہ اپنی جگہ رک گیا۔

''میرے احساسات گئے بھاڑ میں۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے گاڑی کا لاک کھول دیا۔

وہ اپنی جگہ تھم کر رہ گئی۔

''آئس کریم کھانا چاہو گی؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔ اپنے حواسوں میں لوٹتے دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ نفی میں سر کو جنبش دی۔ اس کا دل ایک دم سے بھاری ہو گیا تھا۔

''گھر چلتے ہیں!''

اس نے سر ہلا کر گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی۔ دوران سفر ایک عجیب سی خاموشی چھائی رہی۔ وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے گہری سوچ میں غرق تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف دہ تاثرات ابھرتے مٹتے جا رہے تھے۔ اندر کا درد آنکھوں سے عیاں ہو رہا تھا۔

''کیا اب گفٹ دینے کا سچ میں کوئی ارادہ نہیں ہے تمہارا؟''

وہ بات کر رہا تھا تو جنت جواب نہیں دے رہی تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ گہری سانس لے کر اس نے گاڑی روک دی۔

''میں صرف مذاق کر رہا تھا۔''

جنت نے پلکیں جھپکا کر آنسو روکتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحوں تک جیسے اپنے اندر ہمت مجتمع کی۔

''جب میں تم سے سوال کرتی تھی۔ تمہارے باپ، بھائی یا دادا کے بارے میں۔ اور تمہاری ایکس وائف کے بارے میں بھی۔ میں چاہتی تھی، تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ میں جاننا چاہتی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں سوال کروں گی تو تم جواب دو گے۔ وضاحت دو گے۔

لیکن تم کچھ نہیں کہتے تھے۔ کسی سوال کا جواب نہیں دیتے تھے۔''

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا خاموش بیٹھا رہ گیا۔

''میرے ذہن میں ایسے چھوٹے موٹے سے اختلاف آ جاتے تھے۔ بھائی سوتیلا ہے۔ اس لیے کوئی مسئلہ ہوگا۔ باپ کے ساتھ کوئی ایشو۔ دادا سے کوئی ناراضی۔ لیکن میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا تمہارے ساتھ یہ سب ہوا ہوگا۔ میں نے کبھی نہیں سوچا۔ ان کا ذکر تمہارے لیے کتنا تکلیف دہ رہا ہو گا۔ تم سنتے رہے لیکن تم نے مجھے نہیں روکا۔'' اس کی آواز بھیگی۔ ''جب مدحت بانو نے مجھے سب بتایا تو۔'' رک کر لب بھینچے۔ ''میں تب سے خود کو معاف نہیں کر پا رہی۔'' وہ بہت تکلیف میں نظر آ رہی تھی۔

وہ اسٹیرنگ وہیل پر ایک ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ تاثرات سنجیدہ تھے۔ لبوں پر سکوت ٹھہرا ہوا تھا۔

''میں۔ میں عدینہ سے بہت جیلس تھی۔''

آنسو صاف کر کے لہجے کو حتی الامکان مضبوط کرتے ہوئے بولی۔ ''میں اس کی باتوں میں آ گئی۔ اس نے کہا تم دونوں کی محبت کی شادی تھی۔ میں نے مان لیا۔ اس نے کہا تم اس کی وجہ سے کسی سے شادی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ میں نے یہ بھی مان لیا۔ اس نے کہا وہ کسی بھی وقت تمہیں ہاں کہہ کر۔ تمہاری زندگی میں واپس آ سکتی ہے۔ میں نے اس پر بھی یقین کر لیا۔ تمہاری نفرت نے مجھ سے سب منوا لیا فارس۔''

وہ پچھتاووں کی زد میں بہت دکھی نظر آ رہی تھی۔

اس نے شک کیا۔ غلط سمجھا۔ غلط سوچا۔

''میرے ذہن میں یہ خیال کبھی نہیں آیا کہ پہلی شادی کا تجربہ اتنا برا تھا کہ تم دوبارہ کسی رشتے میں نہیں پڑنا چاہتے تھے۔''

سڑک پر گاڑی گزر گئی۔ اندھیرے میں کہیں بتیاں روشن ہوئیں۔ فارس لمحے بھر کے لیے نظر ہٹا کر کہیں اور دیکھنے لگا۔

''غلطی تمہاری بھی ہے۔ تم اپنے بارے میں کچھ بتاتے بھی تو نہیں تھے۔ میں نے اپنی لاعلمی میں تمہیں بہت ہرٹ کیا۔ جو بات تکلیف دیتی ہو۔ انسان اس کا ذکر نہیں کرتا۔ آنٹی بھی اس لیے خاموش تھیں کہ بات معمولی نہیں تھی۔ حماد بھائی نے عدینہ سے شادی کی ہے اور۔'' وہ رک گئی۔

''۔ میں سمجھتی رہی کہ سوتیلا بھائی ہے۔ شاید اسی وجہ سے۔ کسی ناراضی یا اختلاف کے باعث تم ریان کو گھر نہیں لا رہے۔ مجھے یہ بات بہت ڈسٹرب کرتی تھی کہ۔ وہ یتیم بچہ ہے۔ اور تم پھر بھی نہیں لا رہے۔ یہ اس بچے پر ظلم تھا۔ روبی سے میری روز بات ہوتی تھی۔ ریان وہاں ٹھیک نہیں تھا۔ اس کے ہاتھ پر چوٹ لگی تو اسے ہاسپٹل لے کر جانے والا کوئی نہیں تھا۔ تم مجھے بتاؤ۔ میں یہ سب سنتی اور کیسے۔ کیسے چپ بیٹھی رہتی؟

میں نے تم سے بات کرنے کی کوشش کی۔ اور تم غصے میں آ گئے۔ میں حقیقتاً نہیں چاہتی تھی اس معاملے کا اثر ہمارے رشتے پر پڑے۔ میں بالکل نہیں چاہتی تھی۔ لیکن جب روبی سے بات ہوئی۔ اور اس نے مجھے بتایا ریان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اور اس کی کوئی فکر بھی نہیں کر رہا تو میں۔ تمہارے منع کرنے کے باوجود۔ جھوٹ بول کر وہاں گئی۔

میں جانتی تھی جب اسے گھر لے آؤں گی تو تم ضرور ناراض ہو گے۔ لیکن مجھے لگ رہا تھا۔ میں سب سنبھال لوں گی۔ مجھے لگ رہا تھا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں نے پورا پلان کر لیا تھا کہ اگر تم بچے کو نہیں دیکھنا چاہو گے تو تمہارے سامنے نہیں آنے دوں گی۔ لیکن سب کچھ جانتے بوجھتے اسے وہاں چھوڑ کر اس ظلم میں نہ خود شریک ہوں گی۔ نہ تمہیں ہونے دوں گی۔''

اس نے رک کر خشک لبوں کو تر کیا۔ ''میں وہاں گئی۔ اس لیے نہیں کہ تمہارے احساسات کا خیال تھا۔

یا تمہاری ناراضگی کی پرواہ نہیں تھی۔ پرواہ بھی تھی۔ فکر بھی تھی۔ لیکن میں پھر بھی گئی۔ یہ سب۔ بس ہو گیا مجھ سے۔'' فارس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ رو رہی تھی۔

''اس طرح تمہیں ہرٹ کرنے پر تکلیف مجھے بھی ہے۔ کیونکہ اب تمہیں لگتا ہے جیسے مجھے تمہارے احساسات کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن مجھے پرواہ ہے۔'' وہ اپنی بات کہہ کر نظر جھکاتی، آنسو صاف کرتی چپ ہو گئی۔ ''مجھے معاف کر دو فارس!! آئندہ تمہیں ہرٹ نہیں کروں گی۔''

اس نے نم آنکھوں کے ساتھ فارس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کی پلکیں مبہم سی تھیں۔ آنکھوں میں ہلکی سی نمی نظر رہی تھی۔ لب سنجیدگی سے بھنچے ہوئے تھے۔ مگر چہرے کے تاثرات سخت نہیں تھے۔ وہ اسے دیکھ رہا تھا اور ایک بار پھر وہ اسے مختلف اور منفرد سے روپ میں نظر آ رہی تھی۔ وہ جنت کمال جو اس کی خاموشی سے ناراضی کا عنصر کیے ہوئے بھی جانتی تک نہ تھی کہ اس کا وجود ہمیشہ سے اس کی زندگی میں ایسے ہی رہا ہے۔ اس کی دخل اندازی ہر بار اس کی زندگی کو کسی اور رخ میں ڈال دیتی تھی۔

وہ جنت کمال جس نے سات سال کی عمر میں اس کی سرد مہری کو کسی کھاتے میں نہ لاتے ہوئے اسے ہنسنا اور جینا سکھایا۔ وہی جنت کمال چودہ سال بعد اس کی زندگی میں آئی اور اس کا جمود توڑ دیا۔ اس کی نفرتوں کو دھو دیا۔ اس کے اندر باہر کی دنیا کو یکسر بدل دیا۔ وہ جب اپنی من مانی کرتی تھی۔ یا ضد پکڑتی

تھی یا ڈپٹ کر فیصلہ کرتی تھی تو۔ اس کے خوف کے طوفان تھم جاتے تھے۔ وہ کام جو مشکل ہوتا تھا اس کا ساتھ آسان کر دیتا تھا۔ اس کی سنگت میں زندگی تاریکیوں میں بھی خوبصورت لگتی تھی۔ اس کا خیال۔ اس کے ارادے۔ اس کی باتیں۔ اس کا پرعزم انداز اسے نئے سرے سے جینا سکھا دیتا تھا۔

دل کے معاملات دل میں تھے۔ محبت کی شدت بس آنکھوں سے نظر آ سکتی تھی۔

اس نے بے حد نرمی سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ مبہم سا مسکرایا۔ ''میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ میں ناراض نہیں ہوں۔ تھا بھی تو۔ اب نہیں ہوں۔''

''پھر تم میرے ساتھ ٹھیک سے بات کیوں نہیں کر رہے تھے'' نم آنکھوں کے ساتھ شکوہ کیا۔

اب وہ وجہ بتا کر تیسری جنگ عظیم نہیں چھیڑ سکتا تھا۔

''شاید مجھے۔ وقت چاہیے تھا!'' مختصر جواب دیا۔

وہ چند لمحوں تک اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی

''تم پکا ناراض نہیں ہونا؟'' تصدیق چاہی۔

''نہیں!''

اس کا وہ مختصر سا پریقین لہجے میں ادا کیا ہوا وہ لفظ اس کے اندر سکون بٹھا گیا۔ دل سے بوجھ سرک گیا۔ وجود ہلکا پھلکا سا ہو گیا۔

''اب گھر چلیں؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''ہاں ہاں چلو۔ لیکن مجھے آئس کریم بھی کھانی ہے۔'' آنسو صاف کرتی۔ ہشاش بشاش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں چمک اتری ہوئی تھی۔ لب بھی مسکرا رہے تھے۔ فوراً سے بیگ کھول کر اس کا تحفہ کارڈ اسے واپس تھما دیا۔

''کیا کر رہی ہو!'' ایک ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل سنبھالے۔ دوسرے ہاتھ سے چیزیں سنبھالتا تپ گیا۔

''آئس کریم، مت بھولو۔'' وہ سیٹ پر ایزی ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

فارس گہری سانس لے کر رہ گیا۔

آٹھ بجے گھر پہنچے تو لاؤنج روشنیوں میں نہایا ہوا تھا۔ ٹی وی آن۔ کارپٹ پر کھلونے بکھرے ہوئے۔ ملازمہ ریان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مسز شیرازی وہیل چیئر پر۔ وہ فون کال سن رہی تھیں۔ انہیں اندر داخل ہوتا دیکھا تو ہاتھ ہلاتے ہوئے مسکرائیں۔

ریان تو فوراً سے اٹھ کر،، سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنت کی طرف لپکا۔ ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ پھر اپنے ننھے ہاتھ اوپر کیے۔ بیگ صوفے پر رکھتے اسے جھک کر اٹھا لیا۔ ہاتھ میں گفٹ پیک لیے، دوسرے ہاتھ سے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

''آپ کو پریشان تو نہیں کیا؟'' مسز شیرازی کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا! دوسرے ہاتھ سے ریان کے بال سنوارے۔

''میری جان مجھے پریشان کر سکتی ہے بھلا بار بار تمہارے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔'' مسکرا کر بتانے لگیں۔

''مس کر رہے تھے آپ مجھے؟ ہاں؟'' اس نے ریان کا گال چوم لیا۔ ''دیکھو تو میں کیا لائی ہوں۔'' شاپنگ بیگ کھول کر اس کی چیزیں نکالنے لگی۔ وہ ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا تھا۔ اس کی مسکراہٹ بہت پیاری تھی۔ اس کا کھلتا ہوا چہرہ زندگی کا احساس دلاتا تھا۔ مسز شیرازی مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتی رہی تھیں۔

☆☆☆

اپنے کمرے کی کھڑکیوں کے سامنے وہ صوفے پر بیٹھی باہر دیکھ رہی تھی۔ سوئمنگ پول کی دائیں طرف سٹنگ ایریا میں فارس کاوچ کے ساتھ ٹیک لگائے کارپٹ پر بیٹھا اپنا کام کر رہا تھا۔ لیپ ٹاپ ٹیبل پر رکھا تھا۔ فائلز کا ڈھیر تھا۔ کافی کا مگ۔ قلم۔ وہ اپنے کام میں بہت مصروف نظر آ رہا تھا۔

مدحت ریان کو اٹھائے فارس کے پاس آ گئی

تھی۔ اب وہ اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔ خالی فیڈر ہاتھ میں تھا۔ فارس نے سر کو اثبات میں جنبش دی تو وہ ریان کو اس کے چند کھلونوں کے ساتھ اس کے پاس ہی بٹھا کر چلی گئی۔ صوفے کی پشت کے ساتھ گردن ٹکائے وہ آنکھوں پر پڑتی دھوپ سے قطعی بے نیاز انہیں دیکھے گئی۔

پہلے تو ریان اپنے کھلونے کی طرف متوجہ رہا پھر اپنی کار اٹھائے فارس کی گود میں چڑھنے لگا۔

لیپ ٹاپ اسکرین سے نظر ہٹاتے اس نے ریان کو خود سے الگ کر کے نیچے بٹھا دیا۔ وہ پھر سے اٹھ کر اس کے پاس آیا اور اب کی بار وہ اسے خود سے دور نہیں کر سکا۔

ریان اب پورے استحقاق سے گود میں چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی ہاتھ میں تھی۔ اپنی ٹانگ جھلاتے وہ آگے پیچھے ہو رہا تھا۔ جیسے بہت اچھے موڈ میں ہو۔

جنت کی نگاہیں فارس کے چہرے پر جمی رہیں۔ اس کے تاثرات لمحے بھر کے لیے مبہم ہو گئے تھے۔

وہ اپنے کام پھر سے کرنے لگا تھا مگر۔ ریان کی وجہ سے اب توجہ نہیں ٹھہر نہیں رہی تھی۔ وہ اپنی گاڑی اسے دے رہا تھا۔ اس کے غیر مفہوم سے چھوٹے چھوٹے لفظ تھے۔ وہ ادا کرتا ہوا۔ اب اس کے لیپ ٹاپ پر ہاتھ رکھنا چاہ رہا تھا۔ فارس نے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

اسی لمحے مدحت وہاں آ گئی تھی۔ جھک کر اسے اٹھانا چاہا تو ریان نے ایک دم سے اس کا ہاتھ ہی جھٹک دیا۔ جنت کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ وہ جہاں بیٹھا تھا وہیں بیٹھے رہنا چاہتا تھا۔

''فیڈر نہیں چاہیے کیا؟'' مدحت نے پچکارا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے فیڈر لے لیا۔ لیکن اس کے پاس نہیں گیا۔

وہ آنکھوں میں دلچسپی لیے انہیں دیکھتی رہی۔

کیا اسے فارس میں اپنے باپ کی خوشبو آتی ہو گی؟ اس نے سوچا۔ وہ بظاہر سب کے پاس چلا جاتا تھا۔ کہ سب اٹھاتے تھے اور پیار بھی کرتے تھے۔ مگر فارس کے ساتھ اس کا معاملہ الگ تھا۔ وہ اس کے پاس خود جاتا تھا۔ اس نے کئی بار نوٹس کیا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر ریان نے کئی مرتبہ ہاتھ اس کی جانب اٹھائے تھے۔ فارس لاونج میں بیٹھا ہوتا تو اس کے پاس پہنچ جاتا۔ ٹانگ سے لگ کر کھڑا رہتا۔

اس مختصر عرصے میں اس نے ایک بار بھی فارس کو ریان کی طرف اس طرح سے متوجہ ہوتے نہیں دیکھا تھا جیسے آج دیکھ رہی تھی۔ مدحت اسے وہاں چھوڑ کر جا چکی تھی۔ دودھ پینے کے بعد وہ اس کی گود سے نکل گیا۔ اپنے کھلونے اٹھا اٹھا کر اس کے لیپ ٹاپ کے پاس ہی ٹیبل پر رکھنے لگا۔ ایک گاڑی اسے بھی دے دی۔ جو کہ فارس نے لے کر رکھ دی۔ کی پیڈ پر تیزی سے کچھ لکھتے وہ گاہے بگاہے اس پر بھی نظر دوڑا لیتا۔

ریان اب کافی ٹیبل کے نیچے گھسنا چاہ رہا تھا۔ شاید وہاں کچھ گر گیا تھا۔ فارس نے بازو سے پکڑ کر اسے باہر نکالا اور پھر رک سا گیا۔ ریان کا بازو اس کے ہاتھ میں تھا۔ جنت نے محسوس کیا، وہ کچھ دیکھ رہا ہے۔ دوسرے ہی پل وہ سیدھی ہو بیٹھی۔ ذرا سا آگے ہو کر غور کرنا چاہا۔

فارس اب اس کی شرٹ اتار رہا تھا۔ جنت کے تاثرات میں پریشانی اتر آئی۔ ریان کی پشت پر نیل جیسے نشان تھے جو اب کافی ہلکے ہو چکے تھے۔ وہی نشان اب فارس دیکھ رہا تھا۔ اس کے بازو پر، گردن کے نیچے، اور پیشانی پر جگہ جگہ مندمل ہوتے زخموں کے کئی نشان تھے۔

اس نے فارس کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کی۔ وہ ریان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کچھ تھا جسے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

اب وہ اس سے پوچھنا بھی چاہتا کہ یہ چوٹیں کیسے آئی تھیں۔ تو وہ بتا نہیں سکتا تھا۔

معصومیت سے اسے دیکھتے۔ ریان پھر سے کافی ٹیبل کے نیچے جانے لگا۔ فارس نے پکڑ کر بٹھا

Scanned with CamScanner

دیا۔ شرٹ پہنانے کے بعد اس نے ملازم لڑکے سے کہا وہ اسے لے جائے۔

اس کے کھلونے، فیڈر اور جو چیزیں وہاں بکھری پڑی تھیں۔ اس نے اٹھانے کا کہا۔

جنت اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کھڑی ہوئی۔ آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ نگاہیں فارس کے چہرے پر جمی رہیں۔ ملازم لڑکا وہاں سے جا چکا تھا۔ ریان بھی اب وہاں نہیں تھا۔ نہ کوئی ڈسٹربنس تھی۔ نہ کوئی شور یا بے تو جہی۔ لیکن فارس اب کام نہیں کر پا رہا تھا۔ چند ایک صفحات پر سائن کرتے۔ لیپ ٹاپ پر کچھ لکھتے۔ وہ پیشانی مسل کر پیچھے ہو گیا۔ صوفے پر اپنی گردن گرائے۔ دائیں بائیں اپنے بازو پھیلائے وہ آنکھیں موند چکا تھا۔

جنت اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی اور محبت سی نظر آ رہی تھی۔

اب تک اس کا یہی خیال تھا وہ محض اپنی ماں کے لیے ریان کو واپس لایا ہے۔ مگر آج اس کی یہ غلط فہمی دور ہو گئی تھی۔ جس طرح اس نے ریان کو بٹھنے دیا تھا اور جس طرح سے شرٹ اتار کر اس کے زخم کا معائنہ کیا تھا تو۔ اب اسے ایسا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ ریان کا چچا ہی تھا جو اسے واپس لے آیا تھا۔

☆☆☆

سامنے تو ہو تو کدھر دیکھوں
تو ہی محسوس ہو جدھر دیکھوں
جانے کیوں تجھ سے جی نہیں بھرتا
جس قدر چاہوں، جس قدر دیکھوں
تو ہی کافی ہے عمر بھر کے لیے
اور تجھ سا نہ عمر بھر دیکھوں
جھیل جیسی ہیں وہ کنول آنکھیں
ان میں اک روز ڈوب کر دیکھوں
ایک ہی شخص ہے، بہت ناصر
کیوں کوئی اور ہم سفر دیکھوں
(ناصر زیدی)

جنت اسے ڈھونڈتی ہوئی باہر آئی تو فارس اسے پول میں سوئمنگ کرتا ہوا دکھائی دیا۔

"سنو!" ریلنگ کے پاس آ کر آواز دی۔

وہ چہرے پر ہاتھ پھیرتا کنارے پر آ گیا۔

"آنٹی نے مجھے بتایا ہے ہم کوئٹہ جا رہے ہیں؟" اس کے لہجے اور انداز میں ایکسائٹمنٹ نظر آ رہی تھی۔

"ہاں!" وہ کنارے پر کہنیاں ٹکائے بولا۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں!!" جنت کی اب سمجھ میں آیا وہ اس کی ڈاکٹر سے پریگننسی میں سفر کے بارے میں کیوں پوچھ رہا تھا۔

"ابھی کنفرم نہیں ہوا۔" کنارے سے ہٹ کر وہ ڈبکی لگاتا دور ہو گیا۔

"کنفرم نہیں ہوا تو کر لو۔" وہ حفاظتی ریلنگ پر ہاتھ جما کر بولی۔

"کیوں۔؟"

"تم بھول بھی گئے؟"

وہ آنکھوں میں ناسمجھی کا تاثر لیے اسے دیکھنے لگا۔

"وہاں میرے نانا کا گھر ہے!" بہت مایوس ہو کر اسے بات یاد دلائی۔ آخر وہ کیسے بھول گیا۔؟؟

"اوہ ہاں۔ کروڑوں کی زمین۔"

جنت نے لب بھینچ لیے۔ "اب جب میں کچھ الٹا سیدھا نہیں سوچ رہی تو تم بھی مجھے الٹا سیدھا سوچنے پر مجبور مت کرو۔"

وہ مسکرا کر رہ گیا۔

"تو کب تک جانا ہے!" اس کا بس چلتا تو ابھی اڑ کر پہنچ جاتی۔

"کل کا ارادہ ہے۔"

وہ جیسے بس یہی جواب سننے آئی تھی۔ "یس" ہاتھ جوڑ کر خوشی خوشی قدم اٹھاتی وہاں سے چلی گئی۔

☆☆☆

حفصہ نے کمال منزل کے دروازے کھلوا دیے تھے۔ آج صبح سے ہی وہ یہاں تھی۔ شام تک دوسری سب بہنیں بھی یہاں اکٹھی ہونے والی تھیں۔ نفیسہ

Scanned with CamScanner

کی وفات کے بعد سے یہ ایک معمول سا تھا کہ تمام بہنیں ایک اینڈ پر اکھٹی ہوتی تھیں۔ گھر کی صفائی بھی کرتیں۔ صدقہ خیرات۔ اور اللہ کے نام پر دعوت بھی۔ ماں باپ کے اجر کے لیے۔

ان کی اپنی ملازمہ اپنے گاؤں گئی ہوئی تھی تو انہوں نے سکینہ کو بلوا کر گھر کی صفائی شروع کروا دی تھی۔ امی کے کمرے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ اپنی نگرانی میں جھاڑ پونچھ کروا رہی تھیں۔

"بس۔ کیا نہیں۔ بیٹیوں کا غم اللہ سوہنا کسی کو نہ دے" الماری سے ان کی تصویر نکال کر دیکھتے۔ اس پر ہاتھ پھیرتے۔ نم آنکھوں کے کنارے صاف کرتے وہ اس ایک جملے کو سنتے لمحے بھر کے لیے رک گئی تھیں۔ مڑ کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کبھی کبھار تو مجھے لگتا ہے سارا قصور میرا ہی ہے۔" کھڑکی کے پٹ صاف کرتے سکینہ دل گرفتی کے عالم میں بولتی ہوئی سیدھی ہوئی۔ "نہ میں بڑی بی بی کو جنت کے بارے میں بتاتی۔ نہ وہ اس طرح ہر بات دل پر لیتیں۔ پر کیا کرتی۔ خود ہی تو پوچھتی تھیں۔"

حفصہ کی آنکھوں میں ایک دم سے تحیر اترا تھا۔ حیرت۔ صدمہ۔ نفیسہ جنت کا نام تک نہیں لیتی تھیں۔ پوچھنا تو دور کی بات تھی۔

"تم کیا کہہ رہی ہو؟" وہ اس کے پاس آئیں۔

سکینہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر حفصہ کو دیکھا۔ "بی بی جی۔ وہ جب برھان صاحب کی شادی ہوئی تھی نا دوسری۔ تو۔ اس کے بعد۔ وہ مجھ سے پوچھتی تھیں۔"

حفصہ کا دل ایک دم سے۔ زوروں سے دھڑکا تھا۔ "کس کے بارے میں پوچھتی تھیں؟"

"جنت بی بی کے بارے میں جی۔ کہ گھر کے حالات کیسے ہیں۔ شوہر کیسا ہے۔ کیا چل رہا ہے۔ وہ پہلے گھر آتی تھی نا یہاں۔ پر وہ نہیں ملتی تھیں۔ پھر اس نے آنا ہی چھوڑ دیا۔" سکینہ اپنے تئیں انہیں یاد کروا رہی تھی۔

"تم سے۔ تم سے وہ جنت کا حال احوال پوچھتی تھیں۔"

"جی بی بی جی۔ اور میں سب سچ سچ بتاتی رہی۔ بھول گئی۔ بیٹیاں تو ایسی باتیں چھپاتی ہیں کہ ماؤں کو تکلیف نہ ہو۔ پر مجھے لگتا تھا۔ انہیں دکھ نہیں ہوتا ہوگا۔ اب بتائیں کون نہیں جانتا، وہ چھوٹی سے کتنی نفرت کرتی تھیں۔ پر۔ دل کا حال تو اللہ جانے۔ وہ جس دن ان کا انتقال ہوا تھا نا۔ اس سے ایک دن پہلے میں نے انہیں بتایا کہ گھر میں جھگڑا ہوا ہے۔ جنت بی بی گھر میں چھپ چھپ کر روتی رہیں۔ اور برھان بابو تو انہیں منہ بھی نہیں لگاتے۔ بات بھی نہیں کرتے۔ کہنے لگیں حفصہ آئے تو بات کرتی ہوں، اسے گھر لے آئے۔ بس جی۔"

حفصہ کا دل ایک دم سے گہرے پاتال میں جا گرا۔

"امی نے یہ کہا تھا؟" الفاظ کچھ صدمے سے ٹوٹ کر نکلے۔ سکینہ نے سر ہلایا۔ "قسم لے لو جی۔ آواز ما تو کان میں کھڑی ہے۔"

وہ صدمے سے اپنی جگہ پتھر ہو گئیں۔ ذہن میں ایک منظر ابھرا۔ پھر لفظ۔ آواز۔ نام۔ سینے پر ہاتھ رکھے بے اختیار دیوار کا سہارا لیا۔ جو بات وہ یکسر نظر انداز کر چکی تھیں وہ ایک دم سے ذہن میں تازہ ہو گئی تھی۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ..... سحر
میک اپ ..... روز بیوٹی پارلر
فوٹو گرافی ..... موسیٰ رضا

ہمارا مسئلہ کچھ اور ٹھہرا

تمہارا مسئلہ کچھ دن کی چاہت اور رفاقت ہے

ہمارا مشورہ یہ ہے

کسی کے ساتھ بھی رہ لو

تعلق کی نئی دنیا بسانے میں تو یوں بھی طاق

ہو تم تو

محبت کی اداکاری بھی تم پر ختم ہے صاحب

جو ماضی بیت جاتا ہے

وہ پھر لوٹا نہیں کرتا

ہمارے ساتھ پر اک بار پھر اصرار سا کیسا

تعلق کو بنانا اور تعلق توڑ لینا تو تمہارا اک

پرانا مشغلہ ٹھہرا

مگر ہم اس طرح کے کھیل کھیلا ہی نہیں کرتے

سو بہتر ہے

ہمارا راستہ چھوڑو، نیا رشتہ بناؤ اور کسی

کے ساتھ بھی رہ لو

خالد معین

جو ہوا اک بار وہ ہر بار ہو ایسا نہیں ہوتا

ہمیشہ ایک ہی سے پیار ہو ایسا نہیں ہوتا

ہر اک کشتی کا اپنا تجربہ ہوتا ہے دریا میں

سفر میں روز ہی منجدھار ہو ایسا نہیں ہوتا

کہانی میں تو کرداروں کو جو چاہے بنا دیجیے

حقیقت میں بھی کہانی کار ہو ایسا نہیں ہوتا

کہیں تو کوئی ہوگا جس کو اپنی بھی ضرورت ہو

ہر اک بازی میں دل کی ہار ہو ایسا نہیں ہوتا

سکھا دیتی ہیں ٹھوکریں بھی راہ گیروں کو

کوئی راستہ سدا دشوار ہو ایسا نہیں ہوتا

ندا فاضلی

کشتی چلا رہا ہے مگر کس ادا کے ساتھ
ہم بھی نہ ڈوب جائیں کہیں ناخدا کے ساتھ

دل کی طلب پڑی ہے تو آیا ہے یاد اب
وہ تو چلا گیا تھا کسی دل ربا کے ساتھ

جب سے چلی ہے آدم و یزداں کی داستاں
ہر باوفا کا ربط ہے اک بے وفا کے ساتھ

مہمان میزباں ہی کو بہکا کے لے اڑا
خوشبوئے گل بھی گھوم رہی ہے صبا کے ساتھ

پڑھتا نماز میں بھی ہوں پر اتفاق سے
اٹھتا ہوں نصف رات کو دل کی صدا کے ساتھ

عبدالحمید عدم

باتوں باتوں میں بچھڑنے کا اشارہ کر کے
خود بھی رویا وہ بہت ہم سے کنارہ کر کے

سوچتا رہتا ہوں، تنہائی میں انجام خلوص
پھر اسی جرمِ محبت کو دوبارہ کر کے

جگمگا دی ہیں تیرے شہر کی گلیاں میں نے
اپنے ہر اشک کو پلکوں پہ ستارہ کر کے

دیکھ لیتے ہیں چلو حوصلہ اپنے دل کا
اور کچھ روز تیرے ساتھ گزارا کر کے

ایک ہی شہر میں رہنا ہے، مگر ملنا نہیں
دیکھتے ہیں، یہ اذیت بھی گوارا کر کے

اعتبار ساجد

معیارِ حماقت

لندن کے نواح میں ایک نوجوان جوڑا کار میں تیز رفتاری سے جا رہا تھا۔ ایک چیف جسٹس آف پیس نے انہیں روک لیا اور موقع پر ہی ایک سو پونڈ کا جرمانہ کر دیا۔

نوجوان بولا۔ ''جناب والا! ہم تو آپ کے پاس ہی آ رہے تھے تاکہ آپ ہماری شادی کا فریضہ انجام دے دیں۔''

''پھر تو جرمانہ دو سو پونڈ کا۔'' جج صاحب نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تم تو اس سے بھی زیادہ احمق ہو، جتنا میں نے پہلے سمجھا تھا۔''

اس سادگی پہ

ایک گھرانہ جو تنگ مکان میں رہتا تھا۔ ایک کشادہ مکان میں منتقل ہو گیا۔ ایک شخص نے اس مکان میں آنے والے بچے سے دریافت کیا۔ ''تمہیں یہ مکان کیسا لگتا ہے؟''

بچے بتایا۔ ''مجھے یہ مکان بہت پسند ہے، میرا اپنا کمرہ ہے اور میری دونوں بہنوں کے بھی الگ الگ کمرے ہیں۔''

بچے نے یہ کہہ کر تھوڑا سا توقف کیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ''مگر بے چاری مما! انہیں اب بھی ڈیڈی کے کمرے میں سونا پڑتا ہے۔''

مشغلہ

ایک معروف ترین اسٹیٹ ایجنٹ، ایک جوڑے کو اتوار کا پورا دن کرائے کے مکان دکھاتا ہوا پچیس ویں مکان پر پہنچا۔ ''یہ بیڈ روم ہے، یہ کچن، یہ ڈرائنگ روم، یہ ڈائننگ روم، یہ اٹیچ باتھ روم، یہ ٹی وی لاؤنج اور یہ ہابی روم ہے۔ آپ کی بھی یقیناً کوئی نہ کوئی ہابی ہوگی۔'' اسٹیٹ ایجنٹ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔

''ہاں، ہاں...... کیوں نہیں۔'' خاتون نے جواب دیا۔ ''اتوار کے دن کرائے کے مکان دیکھنا۔''

ووٹ

ایک بزرگ پولنگ بوتھ سے باہر نکل کر پولنگ ایجنٹ سے پوچھنے لگے۔

''کیا میری بیوی بھی اپنا ووٹ ڈال گئی ہے۔''

اس نے لسٹ دیکھ کر بتایا، ابھی کچھ دیر پہلے ہی ووٹ ڈال کر گئی ہیں؟''

بزرگ افسوس کرنے لگے کہ ''کاش آج مل جاتی۔''

پولنگ ایجنٹ نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا آپ ساتھ نہیں رہتے؟''

بزرگ نے کہا۔ ''نہیں اسے فوت ہوئے گیارہ سال ہو چکے ہیں لیکن الیکشن کے دن ووٹ ضرور ڈالتی ہے۔''

روتے ہیں چھم چھم نین

مجھے یونی ورسٹی میں ایک لڑکی بہت پسند آئی مگر بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن ایک دوست نے کہا کہ سو روپے کے نوٹ پر اپنا فون نمبر لکھ کر اسے دے دو۔

میں نے ایسا ہی کیا اور اس سے کہا۔ ''یہ آپ کا نوٹ گر گیا ہے۔'' اس نے خاموشی سے نوٹ لے لیا

اور کینٹین میں جا کر وہاں برگر کھا لیا۔ اب برگر والا روز مجھے میسج کر کے پوچھتا ہے۔ ”برگر کیسا تھا پھر کب آؤ گی لینے۔“

لنچ

ایک جگہ ایک ہندو، ایک سکھ اور ایک سردار مزدوری کرتے تھے۔ ایک روز انہوں نے اپنے لنچ بکس کھولے تو ہندو بولا۔ اگر کل میری بیوی نے پھر لنچ میں آلو مٹر بنائے تو میں خود کشی کر لوں گا۔“

سکھ بولا ”اگر کل پھر میری بیوی نے لنچ میں انڈے پکائے تو میں خود کشی کر لوں گا۔“

”سردار جی بولے اگر کل میری بیوی نے لنچ میں دال دی تو میں خود کشی کر لوں گا۔“

اگلے روز تینوں نے اپنے اپنے لنچ بکس کھولے تو پھر وہی سب کچھ تھا۔ تینوں نے سمندر میں چھلانگ لگا کر خود کشی کر لی۔

آخری رسومات کے وقت ہندو کی بیوی بولی۔ ”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ انہیں آلو مٹر سے نفرت ہے تو میں آلو مٹر کبھی نہ پکاتی۔“

سکھ کی بیوی بولی ”اگر مجھے معلوم ہوتا انہیں انڈے سے اتنی نفرت ہے تو میں انڈا نہ پکاتی۔“

سردار جی کی بیوی بولی ”میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ وہ تو اپنا لنچ خود بنایا کرتے تھے۔“

شکایت

ایک صاحب کے گھر کچھ رشتہ دار ملنے آئے بیوی نے کچن میں صاحب کو بلایا اور بتایا کہ گھر میں چینی نہیں ہے۔

”ان صاحب نے بیوی سے کہا۔ ”پتی دودھ ہمیشہ کی طرح کم اور پانی زیادہ ڈال کر چائے بناؤ، باقی میں سنبھال لوں گا۔

بیوی نے مہمانوں کو چائے پیش کی تو ان صاحب نے کہا۔ ”اس میں سے ایک کپ میں چینی نہیں ہے وہ جس کے حصے میں آئے گا ہم سب کل بیوی بچوں کے ساتھ اس کے گھر مہمان ہوں گے۔“

سب رشتہ داروں نے خاموشی سے چائے پی لی اور چینی کے نہ ہونے کی شکایت نہیں کی۔

یہ عالم شوق

بچے کی پیدائش کے بعد ڈلیوری روم سے نکلنے کے ایک گھنٹے بعد زچہ کو ہوش آیا۔ بدن میں طاقت بالکل ختم ہو گئی تھی۔ کروٹ لینا تو دور ہلنے میں بھی بے پناہ دقت ہو رہی تھی۔ اس نے بڑی مشکل سے داہنے ہاتھ کو حرکت دی۔ کچھ ٹٹولا، ہاتھ کو کچھ محسوس نہیں ہوا پھر بائیں ہاتھ کو حرکت دینے کی کوشش کی، کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ بے چین ہو گئی۔ دور کھڑی نرس کو اشارے سے بلایا...... ہونٹ ہلنے پر کچھ الفاظ نہیں نکل سکے۔

نرس نے زچہ کی گھبراہٹ محسوس کر لی۔ اس کی آنکھیں بھی نم ہو گئیں، آخر وہ بھی ماں تھی اور ماں کی تڑپ کو کیسے نہ سمجھ پاتی۔ دوڑ کر انکیوبیٹر روم سے نوزائیدہ کو لا کر ماں کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھ سکتی ہوں بہن! لو جی بھر کے دیکھ لو۔“

زچہ اپنی تمام تر ہمت جٹا کر بولی۔ ”میرا موبائل کہاں ہے میں یہ پوچھ رہی تھی۔“

رد عمل

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔

”اگر آپ نئی کار خرید لیں تو آپ کی بیوی کا کیا رد عمل ہوگا؟“

”بس یہی کہ ”کیا آپ کو سگنل نظر نہیں آرہا؟“

”ارے ارے، بریک آہستہ لگایا کریں۔“

”موڑ کاٹتے ہوئے رفتار کم کریں۔“

”یہ آج آپ اندھوں کی طرح گاڑی کیوں چلا رہے ہیں؟“

”وہ دیکھیں سامنے سے بس آرہی ہے۔“

وغیرہ وغیرہ

☆☆

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

• آپس میں محبت رکھنے والوں کے لیے نکاح جیسی کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔

فوائد و مسائل:۔

ا۔ دو خاندانوں میں دوستانہ تعلقات ہوں تو انہیں قائم رکھنے اور مضبوط کرنے کے لیے ایک دوسرے سے رشتہ لینا دینا چاہیے۔

۲۔ کسی مرد اور عورت کا ایک دوسرے کی طرف میلان ہو جائے۔ نکاح کا جائز تعلق قائم کر لینا بہتر ہے تاہم اس میں نکاح کی دیگر شرائط، یعنی عورت کے سرپرست کی اجازت، حق مہر، ایجاب و قبول اور گواہوں کی موجودگی وغیرہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

ذکر،

ایک شخص نے ابو عثمان سے دریافت کیا۔

"کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی رغبت کے بغیر بھی میری زبان سے اللہ کا ذکر جاری رہتا ہے۔"

انہوں نے فرمایا۔

"تم خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہارے ایک عضو کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کام میں مصروف رکھا ہے۔ اس معاملے میں بھی شیطان فریب کاری کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے "جب تیرا دل ذکر الٰہی میں مصروف نہیں ہے تو ایسا ذکر بھی بے ادبی ہے۔"

شیطان کے اس فریب کا جواب دینے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔

ایک وہ جو کہتے ہیں "تو نے ٹھیک کہا۔ اب میں دل کو بھی حاضر کرتا ہوں۔"

دوسرا ظالم شخص وہ ہے جو کہتا ہے تو نے ٹھیک کہا۔ جب دل حاضر نہیں ہے تو زبان ہلانے سے کیا فائدہ۔ اور وہ ذکر چھوڑ کر خاموش ہو جاتا ہے۔ اس نے شیطان کا کہا مانا۔

تیسرا شخص کہتا ہے اگرچہ میرا دل حاضر نہیں، تب بھی زبان کو ذکر میں مصروف رکھنا خاموش رہنے سے بہتر ہے۔"

افضل پہلی قسم کے لوگ ہیں۔

میں کیوں نہیں پڑھ سکتا،

آج کل تو کتابیں بہت ہی سستی مل جاتی ہیں مگر پہلے زمانے میں یہ بات نہ تھی۔ فقط بڑے بڑے گھرانوں میں ہوا کرتی تھیں کیونکہ ہاتھ سے لکھے جانے کے باعث قیمتیں بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ ایک بادشاہ کے پاس چند کتابیں پڑی تھیں جن میں لکھائی کے علاوہ جگہ جگہ خوبصورتی کے لیے تصویریں بھی بنی ہوئی تھیں۔

ایک دن ملکہ کتابیں دیکھ رہی تھی اور اس کے چاروں چھوٹے بیٹے بھی بیٹھے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"امی جان! یہ کتابیں ہمیں بھی دکھاؤ۔"

ماں نے کتابیں دکھائیں تو تین بیٹے صرف تصویروں کو دیکھ کر خوشی کے ساتھ ورق پلٹتے رہے مگر چھوٹے لڑکے نے کہا۔

"ان میں کیا لکھا ہے؟"

ملکہ نے کہا "بیٹا! لکھی ہوئی چیزیں صرف علم والے ہی پڑھ سکتے ہیں اور علم محنت سے آتا ہے۔"

ملکہ نے کہا "جب تم پڑھ لو گے جو کتاب چاہو گے میں خوشی سے تمہیں دے دیا کروں گی۔"

شہزادے نے محنت کرنی شروع کر دی۔

تھوڑی ہی مدت میں وہ کتابیں پڑھنے اور خط لکھنے لگا۔ جس پر ماں نے اپنا سارا کتب خانہ اسی چھوٹے لڑکے کو دے دیا۔

یہ شہزادہ الفرڈ اعظم تھا جو انگریزوں میں ایک مشہور عالم بادشاہ گزرا ہے۔

صبر:

صبر کرنے اور صبر کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے اپنے دل پر جبر کر کے اپنا حوصلہ آزما کر چپ سادھ لینا اول الذکر جب کہ رو دھو کر اپنا غم مٹا کر آنکھوں میں آنسوؤں کی قلت ہو جانے کے بعد خاموشی اختیار کر لینا موخر الذکر کے زمرے میں آتا ہے۔ صبر کوئی کوئی کرتا ہے، صبر ہر ایک کو آجاتا ہے۔

غلامی کا رشتہ:

قدرت اللہ شہاب لکھتے ہیں۔

"میں مصر میں تھا اور حج کے لیے درخواست لکھی تو ایک مصری افسر نے مجھ سے پوچھا۔

"آپ پاکستانی ہو کر انگریزی میں درخواست کیوں لکھتے ہیں؟"

اس نے میری جواب طلبی کی۔ میں نے معذرت کی کہ مجھے عربی نہیں آتی اس لیے درخواست انگریزی میں لکھنا پڑی۔"

"آپ کی زبان کیا ہے؟" افسر نے پوچھا۔

"اردو" میں نے جواب دیا۔

"پھر انگریزی کے ساتھ آپ کا کیا رشتہ ہے؟" افسر نے طنزیہ پوچھا۔

میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ میں یہ تسلیم کر لوں کہ انگریزی کے ساتھ فقط "غلامی" کا رشتہ ہے۔

(شہاب نامہ)

مہمان کا اکرام:

حضرت انس بن مالک رض فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رض حضرت سلمان فارسی رض کے پاس گئے۔ حضرت سلمان رض نے ان کے لیے ایک تکیہ رکھ دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔

"اے عبداللہ رضی اللہ عنہ! یہ کیا ہے؟"

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے کہا۔ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان کے پاس اس کا مسلمان بھائی آتا ہے وہ اس کے اکرام و تعظیم کے لیے ایک تکیہ رکھ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتے ہیں۔"

(اخرجہ الطبرانی)

لوگوں سے میل جول رکھنا:

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا دانا آدمی تھا جس نے حکمت اور دانائی کی باتوں پر تین سو ساٹھ کتابیں لکھی تھیں۔

آخر کار اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا کہ میرا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت بڑا درجہ ہے۔

اس زمانے کے پیغمبر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

"اس سے کہہ دو تو نے روئے زمین بھر اپنی شہرت کروا دی ہے۔ میں تیری کسی بھی بات کو قبول نہیں کرتا۔"

اس کے دل میں خدا کا خوف پیدا ہوا۔ اس خیال سے توبہ کی اور ایک الگ کونے میں جا بیٹھا اور کہا۔

"اب اللہ تعالیٰ مجھ سے خوش ہو گیا۔"

پھر وحی آئی۔ "میں اس سے خوش نہیں ہوں۔"

وہ خلوت خانے سے باہر آیا اور بازاروں میں جانا اور میل جول کرنا اور لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی۔

"اب میں تجھ سے خوش ہوں اور تو نے مجھے پالیا ہے۔"

خالد جیلانی

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

فاکہہ سہیل ______ کراچی

اپنے خلاف شہر کے اندھے ہجوم میں
دل کو بہت ملال ہے تجھے دیکھ کر ہوا
یہ ہم ہی جانتے ہیں جدائی کے موڑ پر
اس دل کا جو بھی حال تجھے دیکھ کر ہوا

ثوبیہ ______ کراچی

ہجر کی رات ڈھل گئی محسن
اب تو دل سے کہو سنبھل جائے

سحر ______ کراچی

محبت کے سفر میں شرط یہ ہے
مکمل یہ سفر ہوتے نہ پلٹے

نادیہ یاسر ______ گوجر خان

ہمارے تعلق کے بارے میں کبھی فرصت سے غور کرنا
الجھا پڑا ہے یہ مسئلہ کئے سال کا

طوبیٰ اطہر ______ گوجرہ

تیرا آنا تو خواب تھا لیکن
ہم چراغوں کے ساتھ جلتے رہے
کیا بتائیں کہ اب کے ساون میں
ہم تجھے کتنا یاد کرتے رہے

سعدیہ ______ لاہور

بے کلی ہی نہیں اداسی بھی
تیری یادوں کا ساتھ دیتی ہے

عاصمہ ندیم ______ بحریہ ٹاؤن

کسی سے تیرے آنے کی سرگوشی کو سنتے ہی
میں نے کتنے پھول چنے اور اپنی شال میں رکھے

اقراء ______ جیلا آباد

وہ بھول پن تھا کہ ہر دوسرے ستم گر کا
ہم اپنے آپ سے زیادہ خیال رکھتے تھے
اسی لیے میں تیرا شہر چھوڑ آیا ہوں
وہاں کے لوگ دلوں میں ملال رکھتے تھے

ثمرہ عاقب ______ گرین سٹی

آڑے اخلاق آ گئے ورنہ
لکھتا میں داستان اپنوں کی
تیر کیسے نہ وہ دل میں اترے
جس کو چھوڑے کمان اپنوں کی

بشریٰ محسن ______ گلشن معمار

مجھ سے میری عمر کا خسارہ پوچھتے ہیں
یعنی کہ لوگ مجھ سے تمہارا پوچھتے ہیں

ارم کمال ______ فیصل آباد

تم جاؤ گے اگر نہ عیادت کے واسطے
بیمار غم کو راس دوا بھی نہ آئے گی

ناہید اسماعیل ______ کراچی

میں گھر جب دیر سے آتا ہوں تو بانی نہیں دیتی
پھر آنکھیں کھول کے سارا سمندر کھول دیتی ہے
وہ اندازے لگانے میں کسی کی جان لے لے گی
میں ڈر کی قید میں ہوں اور وہ ڈر کھول دیتی ہے

صائمہ سلیم ______ کے ڈی اے

جب گئے عذاب در و بام تھے وہی
آخر کو کتنی دیر سے گھر جانا چاہیے

ندا ______ پشاور

اس کے سب جھوٹ سچ سہی محسن
شرط اتنی ہے کہ وہ بولے تو سہی

خدیجہ ______ لندن

ترے وعدوں پہ کہاں تک مرا دل فریب کھائے
کوئی ایسا کر بہانہ مری آس ٹوٹ جائے

فضہ یوسف ______ کراچی

اگر ہے موت میں کچھ لطف تو بس اتنا ہے
کہ اس کے بعد خدا کا سراغ پائیں گے ہم

سحر احمد ——— کراچی

تھوڑا تھوڑا جھوٹ ملا لے اپنی سچی باتوں میں
ورنہ جھوٹے لوگوں میں تو کیسے عمر گزارے گا
شہر کے جو حال ہے پہلا کیمرے لے کر مت جانا
اپنا چہرہ دیکھ کے تجھ کو ہر کوئی پتھر مارے گا

صائمہ احمد ——— راولپنڈی

تم ترکِ تعلقات کا ذکر کہیں نہیں کرنا
میں لوگوں سے کہہ دوں گا فرصت نہیں ملتی

سعیدہ اکرام ——— مانسہرہ

محبت جس کو کہتے ہیں قتیل اک ذات ہے وہ بھی
کریں جو پیار ان کے سامنے ذاتیں نہیں ہوتیں

حمنہ شعیب ——— کراچی

کوئی بھی پہل نہ کرنے کی ٹھان بیٹھا تھا
انا پرست تھے دونوں، مفاہمت نہ ہوئی

عابدہ نفیس ——— اسلام آباد

آئی ہیں بدلتے ہوئے موسم کی ہوائیں
دیتا ہے کوئی عمرِ گزشتہ کو صدائیں
لوٹ آئے ہیں نکھرے ہوئے دن چاندنی راتیں
کس دیس سے اے دوست! تجھے ڈھونڈ کے لائیں

ثمین کنول ——— ملتان

کہاں جاؤ گے مجھے چھوڑ کے، میں یہ پوچھ پوچھ کے تھک گیا
وہ جواب مجھ کو نہ دے سکا، وہ تو خود سراپا سوال تھا
وہ ملا تو صدیوں کے بعد بھی مرے لب پہ کوئی گلہ نہ تھا
اسے میری چپ نے رلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا

نادیہ یاسر ——— گوجر خان

نہ پوچھ آج شبِ ہجر کس قدر ہے اداس
کہیں کہیں کوئی ستارہ ہے، اور کچھ بھی نہیں
رواں دواں ہیں سفینے تلاش میں جس کی
وہ اک شکستہ کنارہ ہے اور کچھ بھی نہیں

ثمرہ عاقب ——— کرین سی

دل نے اک اینٹ سے تعمیر کیا تاج محل
تو نے اک بات کہی، لاکھ فسانے نکلے
میں نے امجد اسے بے واسطہ دیکھا ہی نہیں
وہ تو خوشبو میں بھی آہٹ کے بہانے نکلے

سلمیٰ ——— کورنگی

میں چپ رہا تو اور غلط فہمیاں بڑھیں
وہ بھی سنا ہے اس نے جو میں نے کہا نہیں

ماہ نور ——— کراچی

خود اپنے ہی اندر سے ابھرتا ہے وہ موسم
جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پر

عائشہ، تحریم ——— گوجرہ

رخصت ہوا وہ تو میں نے دیکھا
پھول اتنے بھی خوش نما نہیں ہوتے

ثوبیہ ——— کورنگی کریک

تم اس شہر سے چلنے لگو تو میری آنکھیں بھی لیتے جانا
کوئی سفر میں ساتھ رہے تو رستہ جلدی کٹ جاتا ہے

طیبہ خان ——— کراچی

ہم سے بھی پوچھ لو، شبِ غم کس طرح کٹی
تم نے تو کہہ دیا کہ ہمیں نیند آ گئی

لائبہ ——— کورنگی

میں نے چاہا تھا زخم بھر جائیں
زخم ہی زخم بھر گئے مجھ میں
پہلے اترا میں دل کے دریا میں
پھر سمندر اتر گئے مجھ میں

اقرا امین ——— کراچی

ہر درد محبت سے الجھتا ہے غمِ ہستی
کیا کیا ہمیں یاد آیا جب یاد تری آئی
یہ بزمِ محبت ہے، اس بزمِ محبت میں
دیوانے بھی شیدائی، فرزانے بھی شیدائی

سدرہ بتول ——— ملتان

کوئی آیت ایسی مل جائے
میں ورد کروں ... ما
... دوں وہ مل جائے

مدیحہ نورین مہک ——— گجرات

تسبیح کے دانوں میں سدا ورد کی صورت
ہونٹوں پہ میرے حرف مسلسل ہے کہ تم ہو

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

شعاع کے ساتھ ساتھ

ادارہ

شمز انور...... بہاول پور

1۔ شعاع سے تعلق کب بنا؟

شعاع سے باقاعدہ تعلق 2017ء میں بنا۔ افسانے اور ناول پڑھتے پڑھتے میں تو ان رسالوں کی دنیا کی گرویدہ ہو گئی۔ اب ہر ماہ مما اور چاچی شعاع اور خواتین منگواتی ہیں۔ میں اور میری سسٹر فاطمہ انہیں حفظ کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ لیکن پاپا کافی سخت ہیں، پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ لیکن میں ٹھہری سدا کی ڈھیٹ (ہاہاہا......) پڑھ کر ہی سکون ملتا ہے۔

میٹرک کی چھٹیوں میں پرانے رسالے پڑھے جن میں فریدہ اشفاق، سائرہ رضا، ثروت نذیر، نگہت عبداللہ، ثمرہ بخاری، آسیہ رزاقی (ہا......) فرحت اشتیاق، نمرہ احمد، عمیرہ احمد اور بھی کئی پرانی رائیٹرز سے مل کر اچھا لگا۔ اب بھی ہر مہینے رسالے کو پورا چاٹ لیتی ہوں۔

2۔ دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟

میری صبح کالج کے وقت سات بجے ہوتی ہے۔ میں سیکنڈ ایئر میں پڑھتی ہوں۔ بارہ بجے کالج سے آتی، نماز پڑھی، کالج کا کام کیا اور فری ہو کر شام کے وقت چائے کے ساتھ ساتھ رسالوں کو بھی انجوائے کرتی ہوں۔

الحمد اللہ نمازیں ساری پڑھتی ہوں۔ اور بس باقی پورا دن اپنے بہن بھائیوں سے نوک جھونک چلتی رہتی ہے جو کہ زندگی کا ایک حصہ ہے۔

3۔ افسانوی دنیا کیسی لگتی ہے؟

افسانوی دنیا ہی تو میری موسٹ فیورٹ ہے۔ میں خوابوں، خیالوں میں رہنے والی لڑکی ہوں۔ لیکن اتنی بھی نہیں ہوں۔ ساتھ ہی حقیقت پسند بھی ہوں۔ مجھے افسانے اور ناول بہت پسند ہیں۔ کتنا مختلف جہاں ہے، پرسکون سا، رومانٹک سا۔ میرا دل بھی کرتا ہے کہ میرے ساتھ کوئی افسانوی سچویشن ہو۔

4۔ اپنی کوئی خوبی یا خامی؟

خوبی تو کوئی بتانے سے رہا۔ ہاں البتہ خامیاں اچھی خاصی موجود ہیں اس بندہ ناچیز میں۔ گھر والے اکثر اپنے ارشادات سے نوازتے رہتے ہیں۔ ”جھگڑالو“ ”زیادہ بولتی ہے“ وغیرہ وغیرہ۔ اب تھوڑی سی آؤٹ اسپوکن ہوں تو میری کیا غلطی ہے، ہر کسی کی بات میں ٹانگ اڑانا فرض سمجھتی ہوں (ہاہاہا۔) جس کی بنا پر اکثر عزت افزائی ہوتی ہے۔ ناول کریزی ہوں۔ اور ہاں دوستوں کے منہ سے اکثر تعریف سننے کو مل جاتی ہے کہ فرینکلی نیچرڈ ہو۔ فنی ہو۔ کانفیڈنس بہت ہے۔ محفل کی رونق ہو (آہم مم م......) اور بہت مخلص ہو ــــ اوورآل بہت حساس ہوں۔ بات بات پر منہ پھول جاتا ہے۔

جب مما سے یا کسی سے بھی زیادہ عزت افزائی ہو جاتی ہے تو تہیہ کر لیتی ہوں کہ اب زیادہ نہیں بولوں گی (وہ الگ بات ہے کہ بہت جلد بھول جاتی ہوں)

5۔ شعاع کی پسندیدہ تحریر؟

شعاع کی ہر تحریر دل سے بہت قریب محسوس ہوتی ہے۔ چاہے وہ نئی مصنفین کی ہو یا پرانی۔ عمیرہ احمد کا ”ایمان، امید اور محبت“ ”پیر کامل“ نے بہت متاثر کیا۔ نمرہ احمد کا ”جنت کے پتے“، فرحت اشتیاق کا ”جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو“، نگہت عبداللہ

کا ''دل پھولوں کی بستی''، اور باقی بھی بہت سی رائٹرز کی تحاریر دماغ پر نقش ہو جاتی ہیں۔

6۔ بارش کیسی لگتی ہے؟

مجھے بارش بہت پسند ہے۔ ساون کی برسات تو بہت لبھاتی ہے۔ لیکن جب بارش کے بعد حبس ہو جاتا ہے وہ مجھے بالکل نہیں پسند۔ جب بھی بارش ہوتی ہے تو میں پکوڑے، چپس اور چائے لازمی بناتی ہوں۔ اور مما کے ہاتھ کے میٹھے مال پورے بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ مجھے بارش میں نہانے سے زیادہ بارش کو دیکھنا پسند ہے۔

7۔ اقتباس پسندیدہ؟

''اپنی اہمیت جتانے کے لیے کسی سے دور ہونا ضروری ہے، لیکن اس قدر نہیں کہ وہ آپ کے بغیر جینا ہی سیکھ لے۔''

8۔ پسندیدہ شعر؟

شعر تو بہت سارے ہیں ہاں البتہ ایک نظم پیش کر رہی ہوں۔

میرے وہم سے میرے گمان تک
یہ مرحلہ وفا کا تھا
میری طلب سے میرے نصیب تک
یہ معاملہ خدا کا تھا
جو ہم محسوس کرتے ہیں
اگر تم تک پہنچ جاتے
تو بس سمجھ لینا
یہ ان جذبوں کی خوشبو ہے
جنہیں ہم کہہ نہیں سکتے
مگر تم جو دو اجازت
تو چند لفظوں میں کہہ ڈالیں کہ
تم بن مر تو سکتے ہیں
مگر تم بن جی نہیں سکتے
اس کارجنوں میں......

بشریٰ رضوان...... چوک شاہدرہ بہاولپور

س: شعاع کب پڑھنا شروع کیا؟

ج: میرے بابا مجھے کتابی کیڑا کہا کرتے تھے جہاں تک ڈائجسٹ کی بات ہے کم عمری میں پڑھنا شروع کیا جب میں ساتویں کی طالبہ تھی۔ تب سے آج تک شعاع، خواتین، کرن اور بھی کافی پڑھے ہیں جو بھی مل جائے کیونکہ سب وقفے سے آتے تھے تو آرام سے پڑھ لیتی تھی کیونکہ بابا اس فیلڈ سے تعلق رکھتے تھے تو کبھی مشکل نہیں ہوئی کہ منگوانا ہے یا کسی کی منت کرنی پڑے لا کر دو۔

پھر میری بہن کی دوست شرین بھی بھیجا کرتی تھی ڈائجسٹ تو میں پڑھ لیتی تھی، لوگوں کی باتیں بھی سنیں کہ ڈائجسٹ پڑھنا اچھا نہیں ہوتا وغیرہ۔ اس طرح کی تنقید بھی سننے کو ملی مگر کوئی توجہ نہیں دی اور نہ کبھی بابا نے منع کیا۔ انسان خود اچھا ہو تو سب اچھا ہوتا ہے۔ سبق اور نصیحت آموز کہانیاں ہوتی ہیں انسان کو بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔

س: دن کا آغاز کب ہوتا ہے؟ کیا معمولات ہیں؟

ج: ویسے تو الحمدللہ میں تہجد پڑھنے کی عادی ہوں۔ دن کا آغاز فجر سے ہوتا ہے، نماز کے بعد قرآن کی تلاوت چاہے ایک رکوع یا آدھا۔ دو آیت ہو لازمی پڑھنے کا معمول ہے یہ عادت بچپن سے ہی ہے میں نویں میں تھی۔ تب قرآن کا ترجمہ اور تفسیر پڑھی پھر اس کے ساتھ عالمہ کا کورس، دسویں کے امتحان کے بعد شروع کیا تھا۔ رات کسی کام یا مہمانوں کی وجہ سے دیر سے سوجاؤں مگر صبح آنکھ اپنے وقت پر ہی کھلتی ہے۔ بچپن سے سحر خیز ہوں۔ پرندوں کی آواز، ٹھنڈی ہوا سورج کی پہلی کرن بہت سکون دیتی ہے۔ میں اور میرے بابا صحن میں سردی ہو یا گرمی ہر چیز کا لطف لیتے تھے۔ وہ ذکر اذکار بھی کرتے تھے۔ اللہ کی حمد بیان کرتے تھے۔ اب ان کی کمی بہت محسوس ہوتی ہے۔

ناشتا اور دوپہر کا کھانا میرا کام ہے۔ ناشتا بنا کر دوپہر کا کھانا بنانا، اقرا کے ذمے گھر کی صفائی،

Scanned with CamScanner

برتن دھونے، سعدیہ کے ذمے شام کی روٹی بنانا، دودھ، سالن گرم کرنا اور سب کو کھانا دینا۔ برتن دھونا تھا۔ اب جب ان کی شادی ہوگئی ملتان، تو سارے کام میرے ذمے ہیں۔ امی ہیلپ کردیتی ہیں تھوڑی، امی کو دل کا مسئلہ ہے تو ان سے نہیں کرواتے ہم کام مگر سعدیہ اور اقرا کی شادی کے بعد وہ کرہی دیتی ہیں، پہلے ہم بہن بھائی پڑھنے جاتے تھے بابا کام پر تو صرف امی گھر میں ہوتی تھیں۔

س: سالگرہ مناتی ہیں؟

ج: جی ہاں مناتی ہوں گھر میں سب کی ہی منائی جاتی ہے۔ اگست میں سعدیہ اور مبشر کی۔ نومبر میں اقرا اور سنی کی۔ جون میں سمیع کی اور 19 مارچ کو میری سالگرہ کا دن ہے۔ 20 جون امی بابا کی ویڈنگ اینورسری ہوتی ہے تو مناتے ہیں، آج کے مصروف دور میں یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں، جن میں انسان وقت نکال کر اپنوں کے ساتھ مل کر بیٹھتا ہے ورنہ آج کل رابطے سوائے موبائل کے ہوتے ہی نہیں پھر برتھ ڈے پر دوستیں بھی آتی ہیں۔ شہرین کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتی ہوں۔ اس کو میری برتھ ڈے یاد رہتی ہے جبکہ میں اس کی سالگرہ کا دن ہمیشہ کی طرح بھول جاتی ہوں۔ یادگار سالگرہ ایک وہ تھی جب کلثوم اسماعیل اور کرن نساء نے آکر اچانک سرپرائز دیا تھا۔ اللہ ان دونوں کو اپنے گھر میں خوشیاں نصیب کرے۔ زندگی صحت اور کامیابی عطا کرے۔ اس کے بعد جو یہ گزری ہے 19 مارچ بابا کے ساتھ لاسٹ سالگرہ منائی تھی 8 اپریل کو ان کی ڈیتھ ہوئی ہے اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے آمین۔

س: پسندیدہ اشعار؟

ج: مجھے غزل یا اشعار پسند ہیں۔ شاعروں میں علامہ اقبال، غالب، احمد فراز، وصی شاہ، پروین شاکر۔ جون ایلیا پسند ہیں۔ مجھے ان کی شاعری اچھی لگتی ہے میرے بابا کو بھی شاعری پسند تھی بہت اور اردو ڈائجسٹ ان کا موسٹ فیورٹ تھا۔

س: آپ کی خوبیاں؟

ج: بہت حساس ہوں، کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ چاہے اپنے ہوں یا غیر، خوش اخلاق ہوں، ہر رشتہ مخلص ہو کر نبھاتی ہوں ہر بات برداشت کر جاتی ہوں اللہ نے صبر بھی دیا ہے۔ میں اپنے معمولات اللہ پر چھوڑ دیتی ہوں، بے شک وہ بہتر اجر دینے والا ہے اور میں نے دیکھا ہے۔ اللہ کے حوالے کرو تو وہ ضرور سنتا اور دکھاتا ہے۔

س: آپ کی خامیاں؟

ج: سب سے بڑی خامی یہ کہ اگر کسی کی بات بری لگ جائے دل کو تو قطع تعلق کر لیتی ہوں برداشت کروں تو بڑی بڑی باتیں سہہ جاتی ہوں۔ اگر دل کسی بات پر دکھ جائے تو چھوٹی سی تنقید یا بات ہی کافی ہے۔ لڑنے یا بولنے سے بہتر ہے انسان خاموشی سے الگ ہو جائے دوسروں کی حق تلفی برداشت نہیں ہوتی۔ اپنی ذات کے لیے بھی کسی سے بدتمیزی نہیں کرتی میں۔ سب کو یہ ہی عادت بری لگتی ہے کہ قطع تعلق کرنے سے پہلے انسان بتا دے کون سی بات بری لگی ہے اس طرح چپ مت رہا کرو۔

س: پسندیدہ شعر؟

"ہمیشہ ہی نہیں رہتے کبھی چہرے نقابوں میں
سب ہی کردار کھلتے ہیں کہانی ختم ہونے پر

س: پسندیدہ کتاب؟

ج: قرآن کریم، احادیث کا مطالعہ، قرآن مجید ہم سے کیا کہتا ہے یہ سمجھنے کے لیے اس کا ترجمہ اور تفسیر کی ہے۔ ویسے بے شمار ناولز، کہانیاں بچوں کی بڑوں کی پڑھ چکی ہوں، نمل، پیر کامل، جنت کے پتے، حالم، شام رنگ سیاہ، شہزاد، یار دلدار، عسریسرا راجہ گدھ، طاہر لاہوتی موسٹ فیورٹ ہیں۔

☆☆

دستک دستک دستک

شاہین رشید

"کیا حال ہیں؟"

"الحمدللہ۔"

"وہ پاگل سی" کی کامیابی پر مبارک باد قبول کریں امید تھی کہ اتنا زیادہ ہٹ ہوگا یہ ڈرامہ؟"

"مبارک باد کا شکریہ...... امید پر ہی سارے کام ہوتے ہیں اور جب مجھے یہ کردار آفر ہوا تو مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ میرے کردار سے لوگ محبت کریں گے۔ وہ ہی تو کردار ہوتے ہیں جنہیں لوگ پسند کرتے ہیں یا نگیٹو یا پھر پوزیٹو...... تو وہاج سے لوگوں نے نفرت کی اور ذہین سے محبت۔"

"کتنا عرصہ چلی ریکارڈنگ اور فیملی ڈسٹرب ہوئی؟"

"ریکارڈنگ تو کافی عرصہ چلی ...... اور ظاہر ہے کہ فیملی تو ڈسٹرب ہوتی ہی ہے۔ آپ یقین کریں کہ جو عیدیں گزری ہیں، ان میں میں اپنے گھر نہیں جا سکا۔ اور گھر والوں کو پراپر ٹائم نہیں دے سکا۔"

"بیگم تو ناراض ہوتی ہوں گی؟"

"نہیں بالکل نہیں ...... کیوں کہ میری بیگم کو معلوم ہیں اس فیلڈ کی نزاکتیں اور زندگی تب ہی اچھی گزرتی ہے جب آپ ایک دوسرے پر اعتبار کریں۔ اسے معلوم ہے کہ میرا کام مشکل ہے۔"

"بالکل میں نے دیکھا ہے کہ آپ کے زیادہ تر ڈرامے "اے۔آر۔وائی" سے نشر ہوتے ہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ ہے؟"

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ درحقیقت اے آر وائی کا کانٹینٹ بہترین ہوتا ہے۔ میرا پہلا ڈرامہ ''پکار'' اگرچہ ''جیو'' کا تھا مگر اتفاق ہے کہ میں نے زیادہ ڈرامہ سیریل اے آر وائی سے ہی کیے اور پکار سے پہلے بھی ایک سیریل ہوا تھا ''تیری میری جوڑی'' جو ''زی زندگی'' سے ہوا تھا۔''

''شہرت کس نے دی؟ مطلب کس ڈرامہ نے دی؟''

''مجھے ہر سیریل نے شہرت دی۔ لیکن چونکہ ''پکار۔ تیری میری جوڑی'' پہلے پہلے ڈرامے تھے تو انہوں نے مجھے پہچان دی...... اور جس پہچان سے آپ کا کام چلے اسے ہی میرے خیال سے شہرت کہا جاتا ہے۔''

''خدا اور محبت کا تجربہ کیسا رہا تھا؟''

''وہ 2011ء اور 2017ء میں ہوا تھا۔ اچھا رہا تھا مگر اس وقت میں اتنا زیادہ میچور نہیں تھا۔''

''اب تک کتنے ڈرامہ سیریل کر چکے ہیں۔ سب سے بہترین کس کو کہیں گے؟''

''میرے لیے سب ہی بہترین رہے۔''

''اولاد کی طرح؟''

''ہاہاہا...... جی جی...... میں اپنے کسی بھی ڈرامے کو کمزور یا برا نہیں کہہ سکتا...... اور جب ڈرامہ آن ایئر ہوتا ہے تو سب کی رائے اور ریٹنگ سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کتنا پسند کیا جا رہا ہے۔''

''ریٹنگ صحیح ہوتی ہے؟''

''اندازہ ہو جاتا ہے کہ ریٹنگ صحیح ہے یا غلط۔ لوگوں کی فیڈ بیک بتا دیتی ہے کہ سیریل مقبول ہو رہا ہے یا نہیں۔''

''وہ پاگل سی'' میں آپ کو بہت زیادہ سیلف میڈ دکھایا گیا ہے۔ اصل میں بھی ایسے ہی ہیں؟''

''بالکل جی...... بالکل میں ایسا ہی ہوں۔''

''ٹی وی پہ آمد کیسے ہوئی؟''

''ٹیلنٹ ہنٹ کے ذریعے آمد ہوئی، پھر اللہ کا شکر ہے کہ سب کو میری پرفارمنس پسند آئی اور سلسلہ چل پڑا۔''

''آپ نے بی بی اے کیا ہے۔ اس فیلڈ میں آنے پر گھر والوں نے کچھ کہا؟''

''نہیں الحمد للہ...... گھر والوں نے بہت سپورٹ کیا اور اب بھی کرتے ہیں اور بہت خوش ہوتے ہیں۔''

''کچھ اپنے بارے میں بتائیں کب کہاں جنم لیا وغیرہ وغیرہ......؟''

''جی...... بالکل میرا پورا نام تو سعد علی قریشی ہے اور چونکہ پیار کرنے والے بہت ہیں تو سب اپنے حساب سے میرا نام لیتے ہیں جسے ہم پیار کا نام دیتے ہیں۔ تو زیادہ تر لوگ مجھے ''سعدو'' کہتے ہیں اور اپنی ڈیٹ آف برتھ ضرور بتاؤں گا۔ میں 19 اکتوبر 1991ء میں پیدا ہوا اس لحاظ سے میرا استارہ لبرا ہے اور میری مادری زبان سرائیکی ہے۔''

''سرائیکی آپ کی اردو تو بہت صاف ہے؟''

''جی...... ساری تعلیم اور بول چال چونکہ اردو میں ہی ہوئی ہے تو اس لیے میری اردو صاف ہے۔''

''اور بہن بھائی کتنے ہیں آپ کے؟ اور اپنی کون سی بات اچھی لگتی ہے۔ اور کون سی بری؟ اور شادی ہوئی؟''

''ہم چار بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹا ہوں۔ اپنی ایک عادت بری لگتی ہے کہ میں اپنے لباس کا خیال نہیں رکھتا۔ دوسری ٹائپ میں آپ مجھے تھوڑا امنگ ٹائپ بندہ کہہ سکتی ہیں۔ اور الحمد اللہ شادی شدہ ہوں۔''

''اس فیلڈ میں آپ کس کے فین ہیں۔ جبکہ آپ کے فین تو بہت ہوں گے؟''

''مجھے نور حسن، یمنیٰ زیدی اور ماہرہ خان بہت پسند ہیں۔''

بہت شکریہ...... ان شاء اللہ جلد آپ کا تفصیلی انٹرویو بھی کروں گی۔

☆☆

Scanned with CamScanner

امتہ الصبور

آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے نام

1۔ قین 2۔ ہابیل 3۔ شیث 4۔ اباد 5۔ بالغ 6۔ اثاثی 7۔ توبہ 8۔ بنان 9۔ شبوبہ 10۔ حیان 11۔ ضرابیس 12۔ ہذر 13۔ یحود 14۔ سندل 15۔ بارق

آدم علیہ السلام کی بیٹیوں کے نام

1۔ قلیما 2۔ لیوذا 3۔ اشوث 4۔ حزورۃ

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت حوا سے حضرت آدم علیہ السلام کے جو اولاد ہوتی تو انہیں اللہ تعالیٰ کا عبد قرار دیا جاتا، اور ان کے نام عبداللہ، عبیداللہ وغیرہ رکھے جاتے لیکن ان کی بہت جلد وفات ہو جاتی۔ ابلیس لعین ان دونوں کے پاس آیا اور کہا کہ اگر تم ان بچوں کے نام اس کے علاوہ رکھو جو کہ اب رکھتے ہو تو یہ زندہ رہیں گے اس کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آدم و حوا نے عبدالحارث رکھا۔

حضرت حوا جب پہلے بیٹے کے ساتھ حاملہ ہوئیں اور انہوں نے بوجھ محسوس کیا۔ ابلیس لعین ان کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اے حوا! تمہارے پیٹ میں کیا ہے؟"

انہوں نے کہا "مجھے کیا معلوم کون ہے؟" اس نے پوچھا۔ "یہ کہاں سے نکلے گا؟ ناک سے یا کان سے؟"

انہوں نے کہا "میں نہیں جانتی۔"

ابلیس لعین نے کہا۔ "اگر بچہ سلامت نکل آیا تو کیا تم میری بات مانو گی اور جو میں کہوں گا اس پر عمل کرو گی؟" حوا نے حامی بھر لی۔

ابلیس نے کہا کہ اس کا نام عبدالحارث رکھنا (ابلیس لعین کا اصل نام حارث تھا)۔"

حضرت حوا نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔" اس کے بعد انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کیا کہ میرے خواب میں کوئی آیا اور اس نے اس طرح کی باتیں کہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شیطان تھا۔ تم اس سے بچ کر رہنا۔ یہ ہمارا دشمن ہے جس نے ہمیں جنت سے نکلوایا تھا۔ پھر حضرت حوا کے پاس شیطان دوبارہ آیا اور اس نے اسی بات کا اعادہ کیا۔ حضرت حوا نے ہامی بھر لی۔ لہٰذا جب وضع حمل ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے سلامتی کے ساتھ بچے کو پیٹ سے نکال دیا تو حضرت حوا نے وعدے کے مطابق بچے کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔

سدیؒ سے مروی ہے کہ حضرت حوا کا ایک بیٹا ہوا۔ ان کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ اس نام عبدی رکھو ورنہ میں اس کو قتل کر دوں گا۔

حضرت آدم علیہ السلام نے کہا۔ "میں نے تمہاری بات مانی تھی جس کے نتیجے میں مجھے جنت سے بے دخل کر دیا گیا۔" بحث و تکرار کے باوجود حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور بچے کا نام عبدالرحمٰن رکھا۔ پس ابلیس لعین نے اس بچے کو قابیل کر کے قتل کر دیا۔

پھر جب دوسرا بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے پھر اپنا مطالبہ دہرایا۔ مگر حضرت آدم نے اس مرتبہ بھی شیطان مردود کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور تو مولود کا نام صالح رکھا۔ شیطان نے اس بچے کو بھی قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب تیسرا بچہ پیدا ہوا تو شیطان نے کہا۔

"تم صرف اس صورت میں اپنے بچے مجھ سے

بچا سکتے ہو کہ آئندہ ہونے والے بچے کا نام عبدالحارث ہو (ابلیس کا پہلا نام حارث تھا) ابلیس تو مردود ہونے کے بعد نام دیا گیا۔"

یہ تمام روایات اس پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت آدم وحوا کی بعض اولاد کی وفات ان سے پہلے ہو چکی تھی اور اس باب میں اس کے علاوہ بھی متعدد روایات 'حسن' کی تردید کررہی ہیں۔ جس میں کہا گیا ہے کہ زمین پر سب سے پہلی وفات آدم علیہ السلام کی ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کا جانشین

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس سال ہونے کے بعد حضرت حوا کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا اور قابیل وہابیل کے واقعہ کے پچاس برس بعد کا واقعہ ہے۔ اہل تورات کہتے ہیں کہ یہ بیٹا تنہا پیدا ہوا اور شیث کے معنی ان کے ہاں ہبۃ اللہ اور شیث ہابیل کے بدل کے طور پر تھے جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حوا کے بطن سے شیث نامی لڑکا اور عزورا نامی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس لڑکے کی پیدائش پر حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا تھا کہ یہ اللہ کا عطیہ (ہبۃ اللہ) ہے جو ہابیل کا بدل ہے۔ اس لفظ کو عربی میں شیث، سریانی میں ـــ اور عبرانی میں شاث کہتے ہیں۔ ان ہی کو آدم علیہ السلام کا جانشین بنایا گیا۔ ان کی پیدائش کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی عمر ایک سو تیس برس تھی۔

محمد بن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث کو بلایا اور اس سے عہد لیا اور دن رات کی گھڑیاں اور اوقات سکھلائے اور ہر ساعت میں کسی نہ کسی مخلوق کا عبادت کرنا بتلایا۔ یعنی ہر گھڑی

کوئی نہ کوئی مخلوق عبادت الٰہی میں مصروف ہوتی ہے اور فرمایا۔" کہ اے میرے عزیز بیٹے! عنقریب زمین میں طوفان آئے گا اور وہ سات سال ٹھہرے گا اور ان کو وصیت لکھوائی۔ پس حضرت شیث علیہ السلام اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے ولی اور جانشین ہوئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ساری حکومت و بادشاہت ان ہی کے لیے ہوگئی۔

اس وقت تمام بنی آدم حضرت شیث علیہ السلام کی ہی اولاد ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ شیث کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کی تمام نسل فنا اور ختم ہوگئی اور ان میں سے کوئی باقی نہ رہا صرف شیث کی نسل چلی لہٰذا اب تمام لوگ شیث کی ہی اولاد سے ہیں۔

آدم علیہ السلام کی عمر

حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کے متعلق اہل علم کے درمیان معمولی اختلاف ہے اور اس مسئلے میں جو احادیث ملتی ہیں۔ وہ یہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔" اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور ان میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں۔ فرشتوں نے سجدہ کیا۔ آدم علیہ السلام بیٹھ گئے۔ ان کو چھینک آئی۔ انہوں نے الحمدللہ کہا۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا:" (تیرا رب تجھ پر رحم کرے۔" اور یہ بھی فرمایا" کہ فرشتوں کی اس جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں السلام علیکم کہو۔"

پس وہ فرشتوں میں آئے اور انہیں سلام کیا انہوں نے جواب میں علیکم السلام ورحمتہ اللہ کہا۔

پھر آدم علیہ السلام اپنے رب کی جانب لوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیرا اور تیری اولاد کا آپس میں ملتے وقت کا سلام ہوگا پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے دو مٹھیاں بھریں اور فرمایا کہ ان میں سے ایک کو اختیار کرلے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میں نے اپنے رب کے داہنے ہاتھ کو اختیار کیا (چونکہ میرے رب) اور اس کے تو دونوں ہی داہنے ہاتھ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے وہ مٹھی کھولی تو اس میں آدم علیہ السلام کی

تمام اولاد کی صورت تھی اور ہر آدمی کے پاس اس کی مدت عمر بھی لکھی ہوئی تھی اور آدم کی عمر ایک ہزار سال درج تھی۔ ان میں ایک جماعت انتہائی نورانی صورت تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا۔

''اے میرے رب! یہ کون لوگ ہیں جن پر نور چھایا ہوا ہے۔''

فرمایا: ''یہ نبیوں اور رسولوں کی جماعت ہے جو میرے بندوں کی طرف بھیجے جائیں گے اس جماعت میں ایک صاحب نورانیت میں کچھ زیادہ نمایاں تھے مگر ان کی عمر صرف چالیس سال لکھی ہوئی تھی۔

آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب! یہ کون سا نبی؟

فرمایا: ''یہ تمہارا بیٹا داؤد ہے۔

عرض کیا۔ ''اس کی عمر صرف چالیس سال۔''

فرمایا: ''یہی اس کی تقدیر میں لکھا ہے۔''

آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ ''اے میرے رب! میری عمر میں سے ساٹھ سال کم کر کے انہیں دے دیجیے۔''

رسول ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے انہیں جنت میں ٹھکانا عطا فرمایا پھر زمین کی طرف اتارا اور عرصہ دراز گزر جانے کے بعد جب ملک الموت ان (آدم) کی روح قبض کرنے آیا تو آدم علیہ السلام نے فرمایا۔ ''اے ملک الموت! کیا تم میرے پاس قبل از وقت (جلدی) نہیں آ گئے؟

ملک الموت نے کہا۔ ''میں نے ایسا نہیں کیا۔''

آدم نے کہا۔ ''کیا ابھی میری عمر میں ساٹھ سال باقی نہیں ہیں؟''

ملک الموت نے کہا۔ ''آپ کی عمر میں کچھ باقی نہیں ہے کیونکہ آپ نے اپنے رب سے درخواست کی تھی کہ میری عمر میں سے ساٹھ سال کم کر کے میرے بیٹے داؤد کو دے دیے جائیں۔''

آدم علیہ السلام نے کہا۔ ''میں نے ایسا نہیں کہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدم علیہ السلام بھول گئے اور ان کی اولاد بھی اسی طرح بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے انکار کیا اور ان کی اولاد بھی اسی طرح انکار کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ قیامت کے روز لکھی ہوئی کتاب رکھے گا اور گواہوں کے ساتھ فیصلے فرمائے۔''

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام اپنی وفات سے قبل گیارہ دن تک بیمار رہے۔ انہوں نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کو اپنا وصی بنایا اور ان کے لیے ایک وصیت نامہ لکھوایا اور وہ کتاب جس میں وصیت لکھی گئی تھی۔ وہ اپنے شیث کے سپرد کی اور اسے قابیل اور اس کی اولاد سے چھپا کر رکھنے کا حکم دیا کیونکہ قابیل نے حسد کی وجہ سے ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ پس شیث اور ان کی اولاد نے اس علم کو جو ان کے پاس تھا قابیل اور اس کی اولاد سے چھپا کر رکھا اور یوں قابیل اور اس کی اولاد اس سے محروم رہے۔

اہل تورات کا یہ دعویٰ ہے کہ آدم علیہ السلام کی عمر نو سو تیس سال تھی اور ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق ان کی عمر نو سو چھتیس سال تھی۔

آدم کی تجہیز تکفین

ابن اسحاقؒ سے مروی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام وصیت نامہ لکھ کر فارغ ہوئے تو ان کا انتقال ہو گیا۔ (اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے) ان کی وفات پر رشتہ دار جمع ہوئے اور آباؤ اجداد کی وصیتوں کی مخالفت کا ارادہ کیا مگر جب یہ خبر یرد کو پہنچی تو یرد نے انہیں سمجھایا اور اس ارادے کو ترک کر دینے کو کہا مگر انہوں نے کچھ نہ سنا اور سرکشی دکھائی اور قابین کی اولاد کے پاس پہنچ گئے اور جب ان کی ایجاد کردہ چیزوں کو دیکھا تو حیرت زدہ ہو گئے گانے بجانے کے آلات نے انہیں بہت متاثر کیا اور انہوں نے قابین کی اولاد میں سے ان عورتوں سے موافقت کر لی جو ان کی طرف مائل ہو رہی تھیں اور پھر وہ ان کے ساتھ چلی گئیں یہاں تک کہ سرکشی اور نافرمانی میں مشغول ہو گئے۔ شراب نوشی اور بدکاری کھل کر سامنے آ گئی۔

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

بٹر چکن بریانی

اجزاء:

تندوری چکن	تین پاؤ
ابلے ہوئے چاول	تین کپ
تیل	دو سے تین کھانے کے چمچے
مکھن	ایک چوتھائی کپ
کٹی ہری مرچیں	دو سے تین عدد
کٹی ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
جاوتری	چند عدد
چھوٹی الائچی	تین سے چار عدد
پیاز	تین عدد
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر	دو عدد
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
گرم مسالا	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
قصوری میتھی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کریم	دو کھانے کے چمچے
شہد	ایک کھانے کا چمچہ
ہرادھنیا	دو کھانے کے چمچے
پودینے کے پتے	آٹھ سے نو عدد
تلی پیاز	ایک کپ
گھی	تین سے چار کھانے کے چمچے
کیوڑا	حسب پسند

ترکیب: تندوری چکن تیار کرلیں۔ تیل اور مکھن گرم کرکے ہری مرچیں اور ادرک ڈال کر ہلکا سا تل لیں۔ پھر اس میں پسی جاوتری، ہری الائچی اور پیاز شامل کرکے ہلکا سا فرائی کریں۔ اس کے بعد ادرک لہسن، پسے ٹماٹر اور لال مرچ ڈال کر بھونیں اور ڈھک کر دس منٹ پکالیں۔ اب اس میں ایک چائے کا چمچہ گرم مسالا، قصوری میتھی اور نمک شامل کرکے دو سے تین منٹ پکائیں۔ پھر اس میں تیار چکن، کریم اور شہد ڈال کر مکس کرلیں۔ اس کے بعد آدھے چاول اور چکن شامل کرکے، ایک کھانے کا چمچہ ہرادھنیا، پودینے کے پتے، باقی گرم مسالا اور آدھی تلی پیاز ڈالیں۔ اب اس میں باقی چاول، ہرادھنیا، ادرک اور تلی پیاز شامل کریں۔ پھر اس میں گھی اور کیوڑا ڈال کر ڈھکیں اور اسے دھیمی آنچ پر پندرہ منٹ پکالیں۔ آخر میں بٹر چکن بریانی کو سرونگ ڈش میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

فرائیڈ چکن

اجزاء:

چکن	آدھا کلو
لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مسالا	ایک چائے کا چمچہ
انڈا	ایک عدد
کارن فلور	ایک سے دو کھانے کے چمچے
کھانے کا لال رنگ	ایک چٹکی
لیموں کا رس	دو چمچے
تیل	تلنے کے لیے
نمک	ایک چائے کا چمچہ
ہرادھنیا	آدھا کپ
ہری مرچیں	دو عدد
لہسن	چھ جوے
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب: سل یا گرائنڈر میں ہرادھنیا، ہری مرچیں، لہسن، ادرک، مسالا حسب ضرورت پانی ڈال

کرپیس لیں۔ بغیر ہڈی چکن میں نمک، پسا ہوئی لال مرچ، گرم مسالا اور لیموں کا رس شامل کر کے دو گھنٹے میری نیٹ کریں۔ اس کے بعد کھانے کا لال رنگ، انڈا اور کارن فلور ڈال کر گرم تیل میں ڈیپ فرائی کرلیں۔ آخر میں ڈرائی فرائیڈ چکن کو گرم گرم سرو کریں۔

دہی بوٹی

اجزاء:

گائے کا گوشت	ایک کلو
لال مرچ	دو کھانے کے چمچے
پیاز	آدھا کپ
ہری مرچیں	سات عدد
ادرک لہسن	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	ایک کپ
نمک	حسب ذائقہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب: بڑے پیالے میں گوشت، پسی ہری مرچیں، ادرک لہسن، پیاز، لال مرچ اور نمک ڈال کر مکس کر کے دس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس میں دہی شامل کر کے اچھی طرح ملا کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔

کسی برتن میں تیل گرم کر کے گوشت ڈال کر درمیانی آنچ پر ڈھک کر بیس منٹ پکائیں۔ مسالا خشک ہوجائے تو بھون کر چولہے سے اتارلیں۔

ٹماٹر پالک

اجزاء:

چکن	آدھا کلو
ٹماٹر	تین عدد
گرم مسالا	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
نمک	حسب ذائقہ
دہی	آدھا کپ
لہسن ادرک	ایک چائے کا چمچہ
پالک	آدھا کپ
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچہ
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب: ساس پین میں تیل گرم کر کے پیاز فرائی کریں۔ سنہری ہوجائے تو چکن شامل کر کے اتنی دیر بھونیں کہ پانی خشک ہوجائے۔ دہی، لہسن ادرک، ہلدی، لال مرچ، گرم مسالا ایک کپ پانی اور نمک شامل کر کے ڈھک کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو پالک شامل کردیں۔ دس منٹ دم پر رکھ دیں۔ پالک اور چکن یک جان ہوجائیں تو چولہے سے اتارلیں۔

کیک رسک فیرنی

اجزاء:

دودھ	ڈیڑھ کلو
لبے چاول	آدھا کپ
چینی	آدھا کپ
الائچی	چار عدد
کیک رسک	پانچ عدد
بادام	دو کھانے کے چمچے
چاندی کا ورق	گارنش کے لیے

ترکیب: ساس پین میں دودھ ابالیں پھر چاول، کیک رسک اور آدھا کپ دودھ ڈال کر پیسیں اس کے بعد اس کمچر کو باقی ابلتے ہوئے دودھ میں شامل کر کے گاڑھا ہونے تک پکائیں۔ اب اس میں چینی اور پسی الائچی ڈال کر مکس کریں۔ فیرنی کو سرونگ ڈش میں نکال کر کٹے ہوئے بادام اور چاندی کے ورق کے ساتھ گارنش کردیں۔

☆☆

Scanned with CamScanner

فیس ماسک

جلد کو خوب صورت بنانے کے لیے آپ اپنے کچن میں موجود اجزا سے بہترین فیس ماسک بنا سکتی ہیں۔ اگر آپ خشک جلد کی مالک ہیں تو دہی میں شہد اور چند قطرے روغن بادام ملا کر۔ بیس منٹ کے لیے چہرے پر لگائیں اس کے بعد ٹھنڈے پانی سے منہ دھولیں۔ سورج سے جھلسی ہوئی جلد کے لیے ٹماٹر کے رس کو ٹھنڈا کر کے چہرے پر لگائیں۔ اس کے علاوہ گائے / بکری کے کچے دودھ کو ٹھنڈا کر کے چہرے پر لگانے سے بھی بہت سکون ملتا ہے اور جلد کی تروتازگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ چکنی جلد کی حامل خواتین، انڈے کی سفیدی میں لیموں کا رس ملا کر چہرے پر لگائیں اور پندرہ بیس منٹ کے بعد چہرہ دھولیں۔ نارمل جلد کی حامل خواتین پپیتے کے پیسٹ میں شہد ملا کر چہرے پہ لگائیں۔ کیل مہاسوں کی پریشانی کا شکار خواتین ایلوویرا کے پیسٹ میں کھیرے کا رس ملا کر چہرے پہ فیس پیک لگائیں یاد رکھیں کسی بھی قسم کا ہربل یا فروٹ فیس پیک براہ راست چہرے پہ لگانے سے قبل اسے اپنے پیروں یا ہاتھوں کی سخت جلد پہ تھوڑی مقدار میں لگا کر چیک کریں تاکہ اگر کسی بھی غذائی جز سے آپ کی جلد حساسیت (الرجی) کا شکار ہو تو مذکورہ اشیاء سے تیار فیس پیک چہرے پر لگانے سے قبل ہی آپ کو اس کا اندازہ ہو جائے تاکہ آپ کسی بھی بڑے نقصان سے محفوظ رہ سکیں۔

آنکھیں

کھانا پکاتے ہوئے، دیر تک پڑھائی کرتے ہوئے میک اپ کے بے تحاشا استعمال کی وجہ سے رات دیر سے سونے کی وجہ سے اور بے خوابی کی شکار خواتین بھی تھکی ہوئی پژمردہ آنکھوں کی پریشانی میں گرفتار نظر آتی ہیں۔ ایسی خواتین چائے کے استعمال شدہ ٹی بیگس کو فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر کے آنکھوں پر دس پندرہ منٹ تک رکھیں سوجی ہوئی پژمردہ آنکھوں کو فوری سکون ملے گا اس کے علاوہ ایسے آئی بام اور آئی کریم کا استعمال بھی موثر و مفید ثابت ہو سکتا ہے جس کے اجزائے ترکیبی میں وٹامن E شامل ہو۔

پاؤں کو توجہ دیں

نیم گرم پانی میں نمک، ڈیٹول اور شیمپو ملا کر بیس منٹ تک پیروں کو اس میں ڈبوئے رکھیں۔ اس کے بعد پیروں کے ناخنوں پر صابن لگا کر نیل برش سے انہیں صاف کریں اور ایڑیوں پر فٹ اسکربر یا جھانوا رکھ کر نرم ہو جانے والی مردہ کھال کو رگڑ کر صاف کریں۔ اس کے بعد کسی اچھی سی مساج کریم سے پیروں کا اچھی طرح مساج کریں اور دس منٹ تک پیروں کو پرسکون حالت میں رکھنے کے بعد بنا چپل پہنے گھر کے اندر ہی فرش پر چہل قدمی کریں، یہ پیروں کے پٹھوں کو سکون بخشنے والی ایک بہترین ورزش ہے۔ ہفتے میں 2-1 مرتبہ اس پر ضرور عمل کریں۔

صحت بخش غذاؤں اور مائعات (مشروبات) کو اپنی روٹین کا حصہ بنائیں۔ پھلوں و سبزیوں گرین ٹی، دودھ، لسی، سوپ اور یخنی کا شمار ان صحت بخش مائع غذاؤں میں کیا جاتا ہے جن کی نظام ہاضمہ میں انجذاب کی صلاحیت بہت تیز ہوتی ہے۔ اسی لیے ٹھوس غذا کی نسبت مائع غذا استعمال کرنے والی خواتین کی جلد زیادہ روشن اور تروتازہ محسوس ہوتی ہے۔

ورزش بھی ضروری ہے

جلد توانا اور صحت مند رکھنے لیے چہل قدمی اور ایکسرسائز کو اپنے یومیہ معمول کا لازمی حصہ بنالیں۔